فَقُلْ لِلْعُيُوْنِ الرُّمْدِ اِيَّاكِ اَنْ تَرٰى سَنَا الشَّمْسِ فَاسْتَغْشِيْ ظَلَامَ اللَّيَالِيَا

کہ دو آلودہ آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنا لیں اور اوڑھ لیں

مقام حیات

المسمّٰی بہ

مدارکُ الاذکیاء فی حیاۃِ الانبیاء علیہم السلام

مکینِ گنبدِ خضرا کی حیاتِ برزخی کا بیان

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دارُ المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب ——— مقام حیات

مصنف ——— ڈاکٹر علامہ خالد محمود مانچسٹر

کتابت ——— محمد حنیف الحق صدیقی خانیوال

صفحات ——— ۷۵۲

ایڈیشن نمبر ۱ ——— ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء

ناشر ——— جامعہ ملیہ اسلامیہ لاہور

دار المعارف اردو بازار لاہور

تعداد ——— گیارہ سو

قیمت اعلیٰ مجلد ——— ۱۶۰ روپے

ممالک یورپ ——— ۱۲ پونڈ

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف ۴۲ دیو سماج روڈ سنت نگر

جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد رامیہ کالونی لاہور

برائے انگلینڈ ۔ اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

18 - Charlton Terrace Off Upperbook Street, Manchester 13

فہرست مضامین

موت کی حقیقت ۸۸

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

عذاب قبر احادیث کی روشنی میں ۱۵۷

قبر کی واردات ۱۶۷

ساتویں صدی کی شہادت

آٹھویں صدی کی شہادت

نویں صدی کی شہادت

دسویں صدی کی شہادت

گیارہویں صدی کی شہادت

بارہویں اور تیرہویں صدی

چودہویں صدی کی شہادت

دنیوی زندگی نہیں دنیا کی سی زندگی ہے

عالم مثال

تنقیح المبحث ۲۲۳

حیات بعد الوفات لسید الکائنات

حدیث الفصل الاول وفیہ ثلاث مباحث

الفصل الثانی وفیہ ستۃ من المباحث

الفصل الاول مسئلہ خلفائے راشدینؓ

الفصل الثانی فی بیان المذاہب الاربعہ

الفصل الثالث

الفصل الرابع فی موقف المتکلمین

الفصل الخامس

الفصل السادس

الفصل السابع

پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان

ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد
دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ ۱۳۹۵ھ

مخدوم العلماء جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا

قاری محمد طیب صاحب

کا مؤلف مقام حیات کے نام ۱۹۷۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور دہلی ہی میں جواب لکھ رہا ہوں کل دیوبند پہنچوں گا انشاء اللہ۔ "مقام حیات" جیسے مؤقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اول سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے طرز بیان انتہائی بلیغ، مؤثر اور دلنشین ہے مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت وحقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت وحمایت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سربلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین۔ اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لیے ہر وقت دعاگو ہوں۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

سنہ ۱۳۹۱ھ

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۳ ستمبر ۱۹۷۲ء

سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز کا فتویٰ

نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین ابو بکرؓ و عمرؓ کی قبروں کی زیارت کرے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کرے:

السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فیمسک التی قضیٰ علیہا الموت کا مطلب یہ ہے کہ موت والے کی روح اس دنیا میں جسم کے بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور زندہ والے کو لوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں لوٹنے سے رکی ہوتی ہے۔ شیخ عبد العزیز بن باز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:

اہل علم کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیات برزخی کے لیے مانع نہیں۔[2]

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور پر وفات آئی اور انک میت وانہم میتون کا مصداق ہوا ہو۔ لیکن اس آیت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لیے مانع سمجھنا اور اس سے عقیدہ حیات برزخی کو رد کرنا کسی صاحب علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیات شہداء پر نص وارد نہ ہوتی۔

---

[1] الحج والعمرۃ والزیارۃ ص۳ [2] ایضاً ص۳

کے میدان بنا کر سوادِ اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہلِ سنت کی صفوں میں آ گھسے ہیں۔

اختلافات سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار، فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تحزب کی تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر درد مند اور حساس مسلمان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور تڑپ کر یہ کہتا ہے

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک دینی حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض اوقات بھی فروعِ شریعت کی مختلف طرقِ عمل پیش کر کے اسلام کے نظامِ وحدت کا پتہ دیتی ہے۔ بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اجتہادیات اور مسائل فقہیہ میں بھی تیرے نکالنے لگیں، تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے جو زخمی نہ ہو اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی کبھی اس سے پہلے محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدِ باب کے لیے مجموعی اہلِ بصیرت کارزار میں آ جائیں ــــ قوموں کا نظامِ انقلاب اور قومی زندگی کا مدوجزر اسی حقیقت کا زندہ پتہ دیتے ہیں، بلکہ حقیقت پسند جانتے ہیں کہ وحدتِ ملی کا مرکز و محور صرف اور صرف اتحاد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل و وطن کے پیشرو نہیں بلکہ علم و معرفت کے وہ پیشوا ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علمِ نبوت ــــــ پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر و نظر کی وسعتیں اسی حد تک لائقِ تحسین ہیں کہ اتحاد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے اور حیاتِ ملی کا یہ چشمۂ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

زاہد آباد رو کہ این حقیقت است   مستی تنقیہ ضبط ملت است

(اقبال)

اسلام کا عقیدۂ معاد ـــــ دینِ محمدی کا اہم ترین موضوع

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع اللہ رب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے۔ قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت کے وجود کا حجابات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سنتا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان و حدوث کے دائرے میں ایک رہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ واجب الوجود کی کوئی صفت کبھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفاتِ واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو سکتا۔ ہاں کسی کے لوحِ قلب پر ماوراء کی کوئی جھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدۂ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدۂ معاد ہے۔ اسے Resurrection حشر و معاد بھی کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں جس طرح توحید باری کے دلائل و شواہد جگہ جگہ دیے گئے ہیں۔ دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدۂ معاد ہے۔ مسئلۂ اللہ اور یقینِ آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اسلام کے یہی تین اصول ہیں۔ توحید، آخرت اور رسالت۔ اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں التوحید والرسالۃ والآخرۃ۔ ایمانِ مجمل میں اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضۃ الندیہ میں ہے:

هذا هو الركن الخامس من اركان الايمان وهو الايمان باليوم الآخر وجمهور

بني آدم يؤمنون بالبعث بعد الموت وتدل عليه على ذلك العقل والفطرة

كما صرحت به جميع الكتب السماوية وتلك به الانبياء والمرسلون

والناس في البرزخ يفتنون وينعمون او يعذبون على ذلك۔[1]

---

[1] الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ صفحہ ۲۳۰ طبع ۱۴۰۸ھ

ترجمہ: ارکانِ ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے چنانچہ بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، تمام آسمانی کتابیں اس کی صراحت کرتی ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین اس بات کی آواز دیتے آئے ہیں اور لوگ برزخ میں (اس درمیانی زندگی میں) آناً فاناً میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں پر نعیم و عذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

جو لوگ منکرینِ مذہب atheist تھے انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں پیش آئی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہوگی ——— وہ جہان کیسا ہوگا جہاں ہم پہنچیں گے۔

اس کا ایک جواب بہت آسان تھا، وہ یہ کہ انسان جسم اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہان spiritual world ہے مرنے پر بدن کی ریزہ کاری اس جہان سے متعلق ہے روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزاء و سزا مرتب ہوگی قبروں میں جسموں کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جاتے ہیں اس کی بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا۔ اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوتا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے ——— سوال یہ تھا:

قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ (پ۲۳ یٰسین آیت ۷۸)

ترجمہ: کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں

جواب میں فرمایا:

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ (پ۲۳ یٰسین آیت ۷۹)

ترجمہ: تب کہہ دیں ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔ اور وہ سب طرح بنانا جانتا ہے۔

قرآن پاک میں یہ مضمون متعدد مقامات پر پھیلا ہوا ہے یہاں انسانی سوچ حیرت میں گم ہو جاتی ہے —— کیا ضرورت پڑی تھی کہ پھر اسی مردہ ابدان کو پھر سے اٹھایا جائے اور ان میں ایک دفعہ پھر زندگی لائی جائے۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آخرت کے سارے معاملات صرف روح سے متعلق رکھے جاتے اور آخرت کے الم و نعیم کا مورد بھی انسانی روح ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے یہی چاہا کہ جن بدنوں سے انسان نے گناہ کیے ہیں یا مشقتیں اٹھائی ہیں وہی ابدان آخرت میں نعیم و الم کی جزا یا سزا پائیں۔ یہ نہیں کہ آخرت کی جزا و سزا صرف روح پر ہوتے انسان اپنے دنیا کے برے عملوں کی ایک گونہ سزا پاتا ہے آخرت کے بڑے حساب سے پہلے اسے قبر میں سوال و جواب کے ایک مرحلے سے گزرنا ہے پھر آخرت اپنے انجام کو دیکھنا ہے گا۔ یہ درمیانی جہاں چونکہ عام نظروں سے مخفی ہے اس لیے اسے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ یہ وہی زندگی ہے جس کے بارے میں عقل و نقل کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ و کرامیہ کا زیادہ محاذ اسی زندگی سے گرد بنا ہوا ہے۔

یہی اختلاف چلتے چلتے معتزلہ کو اس مقام پر لے آیا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو بھی لاشعوریت کے تحت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اسے شعور میں لانے کے لیے وہ ظاہر قرآن سے ٹکرا گئے۔ وہ پھر آگے چل کر انبیاء کی حیات برزخی بھی ان کے لیے ایک معمہ بن گئی۔ اہل السنۃ والجماعۃ ظاہر حدیث کے ساتھ رہے اور جو بات عام سمجھ میں نہ آ سکی اسے وہ لاشعوریت کے عقیدے کے سامنے پورے احترام سے قبول کرتے گئے۔

جاننا چاہیے کہ اہل السنۃ والجماعۃ سواد اعظم کا سلف و خلف سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی جسد اطہر کے ساتھ ہے، جو دنیا میں آپ کا تھا اور جسے روضۂ مطہرہ میں دفن کیا گیا۔

قبر منور کی اس حیات جسمانی کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں، بلکہ بہ نسبت روح کے رزق روحانی پر ہے

عنصری کی یہی حیات برزخی کا، جو باعتبار تعلق بالبدن حیات جسمانی اور باعتبار تعلق بالنفس حیات روحانی

ہے، آج تک سلف و خلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور تاریخ کے مختلف ادوار میں جس نے بھی

اس پر سوچ و بچار کی، اسے اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا ——— احناف

و شوافع، موالک و حنابلہ، محدثین و متکلمین اور فقہاء و ائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا

بھی ——— باوجود تلاش و تجسس کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا جسم اطہر روضہ مقدسہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا

اس سے کوئی تعلق نہیں ——— من ادعی فعلیہ البیان۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے

کے بعد آپ کی روح مقدس اعلیٰ علیین سے لا کر پھر آپ کے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفات

شریفہ کے وقت روح مبارک قبض ہو کر آپ کے قلب مقدس ہی میں ٹھہر گئی تھی، جو بعد دفن پھر سارے

جسد اطہر میں پھیلا دی گئی یعنی روضہ مقدسہ کی یہ حیات جسمانی روح لوٹانے سے متحقق ہوئی، یا روح

پھیلانے سے اس کا استقرار ہوا ——— ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیت

وصول حیات کیا تھی مگر واقعہ خواہ کوئی سی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے روضہ شریفہ میں حیات جسمانی سے ذی حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی

روح اقدس نے اعلیٰ علیین، رفیق اعلیٰ یا حظیرۃ القدس میں مستقر پکڑا، اور وہاں سے اس نے روضہ

مقدسہ میں پڑے ہوئے جسد اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جسد اطہر میں

حیات لوٹ آئی، یا امر واقع یہ تھا کہ روح اقدس حظیرۃ القدس یا اعلیٰ علیین سے تعلق قائم رکھ کے

پھر تربت میں رکھے ہوئے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی، یعنی روضہ مقدسہ کی یہ حیات جسمانی روح مبارک

لوٹانے سے متحقق ہوئی، یا تاثیر روح سے اس کا تقوم ہوا، ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی

ضرورت نہیں کہ اس دخول حیات کی کیفیت کیا تھی صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدر مشترک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ شریفہ میں حیات جسمانی سے تشریف فرما ہیں اور وہ جسد اطہر وہی ہے جو اس دنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی صورت یہی رہتی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روضۂ شریفہ کی حیات —— کا تقوم جسد اطہر میں روح مبارک دوبارہ لوٹانے سے ہوا یا روح مبارک کی تجلی کے سبب —— آپ کی یہ حیات جسمانی دخول روح سے قائم ہوئی یا یہ حیات تاثیر روح سے عمل میں آئی —— تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ یہ وہ مباحث ہیں، جو خود سواد اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، نیز یہ اختلافات عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے تھے، ان پر وقت صرف کرنا فکر و تدبر کی کوئی خاص خدمت نہیں۔ ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے، اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیا والے جسد اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات ہے اور اس کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں، بلکہ عالم برزخ کے متعلق روحانی پر ہے۔ دنیوی حیات کے صرف انہی لوازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا، جن کے لیے مستقل دلیل شریعت مطہرہ میں موجود ہو، اس لیے کہ انتقال دنیوی متحقق ہو چکا اور اب آپ اس دنیا میں نہیں عالم برزخ میں ہیں۔

جہاں ہر حقیقت پسند ذہن اس طریق عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تمحیص کی آماجگاہ بنا لیا جائے، خصوصاً اس دور الحاد میں —— جبکہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور مادی تمدن کا غلبہ مذہب کو عہد رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں —— وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ سواد اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر تردد و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کو آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں، قاضی شمس الدین صاحب آف گوجرانوالہ اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:
یہ بعد الوفات حیاۃ النبی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بل احیاء ولکن لا تشعرون سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں[1]

حضرات ان میں حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے[2]

اس میں وفات کو پرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات النبی آج سے چودہ سو سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا لیکن وہ بھی ختم ہو گیا ــــ سو ممات النبی کا اختلاف محض ایک پرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیات النبی ہے ممات النبی نہیں۔ برزخ میں حیات کی تشریح جس طرح بھی سلف میں ہوتی انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کریں لیکن خدارا ممات النبی کو موضوع نہ بنائیں۔ یہ ایک پرانا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کے میت ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار کہتے ہیں کہ تم نے ممات النبی کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مماتی بنا لیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل ہیں، میں کھل کر کہہ چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیں اور ممات النبی کو موضوع نہ بنائیں تو آج بھی اختلاف کم ہو سکتا ہے۔ یہ بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس سے کون ہم انکار نہیں کرتے اسے تقریروں کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو

---

[1] مسلک السلف ص۴۹ [2] مسالک العلماء ص۵۶

روضۂ منورہ کی حیاتِ جسدی کا انکار اور اس سے متعلق مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضۂ منورہ میں محض بے حس وشعور پڑا ہے اور فقط جمادی حیثیت میں ہے اور روح مقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، ان کا یہ خیال اس غلط نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب وعذاب کا سارا معاملہ صرف روح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کا اس سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب وعقاب کا معاملہ صرف روح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت والم کا ادراک کرتے ہیں، یعنی آدمی کی ارواح وفات کے بعد خواہ علیین یا سجین کہیں بھی مستقر رہیں، لیکن ان کا تعلق اجساد مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت والم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دنیا سے عالم برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح وبدن میں کچھ مغایرت رہتی ہے، بارے روح وبدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر بھی قائم ہو جاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

قول اول کا نظریہ معتزلہ اور روافض کا ہے، وہ عذاب قبر کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک جسد مدفون محض جمادی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنت والجماعت کا ہے۔ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ میں تو محض جمادی حیثیت میں لیکن عذاب قبر پھر بھی حق ہے، یہ تیسرا موقف ایک وہم اور سفسطہ[1] ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن وسنت کے چشمے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلموا ان اهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حياة في

---

[1] وجوّز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطة (نيل مثلاً) لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه (حاشیہ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی)۔

جسم اطہر اور روح انور میں کلی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب میت کو خواہ اس کا جسم محفوظ ہو خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو ایک جا ہو یا اس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسد مدفون یا اجزائے جسم اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت والم کا ادراک ضرور کرتے ہیں، تو وہ ذوات مقدسہ جن کے اجساد مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا ہو، ان میں ان کے مقامات کے مطابق ارواح مطہرہ کی تاثیرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصل کلی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصل کلی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ ان کے اجساد مدفونہ صرف ایک نامحفوظ امانت ہیں؟ اور ارواح مطہرہ سے انہیں کلی مفارقت ہے۔

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصل کلی ہی کے قائل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا جسد یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آ جائے گا کہ یہ مذہب اہل سنت کا ہے یا معتزلہ و روافض کا۔ اور عذاب قبر کے متعلق واضح صورت اختیار کرنی ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار۔ اس کے بعد صورت مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کیے جا سکیں۔

خلاصۃ الکلام یہ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو روضۂ منورہ میں محض بے حس و بے شعور اور بے جان مطلق تسلیم کیا جائے، تو یا تو اس پر اس اصل کلی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں ——— یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح و جسد میں کوئی تعلق نہیں رہتا، کلی مفارقت رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث کے پیش نظر یہ اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائد اہل سنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریات اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے جو اس کا قائل نہیں وہ معتزلہ و روافض کے موافق اور

اہلِ سنت کا خلاف ہے اور اگر بحیلہ تاویل ہے تو فرقہ کذابین سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضۂ مطہرہ کی حیاتِ جسدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں۔

اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کے کہتے ہیں روح اور بدن کے مجموعہ کو —— سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ میں خبر دی ہے معراج کسے کرائی؟ عبد کو —— اسریٰ کا سفر کس نے کیا، روح اور بدن کے مجموعے نے —— علماء اب تک لفظ عبد سے حضور کے معراج جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ —— صرف روح کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی۔ صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں۔ ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح و بدن ملے زندہ ہیں تو بے شک عبدہ ورسولہ ہیں۔ حضور کی حیات آپ کے حق میں حسی ہے اور ہم عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح و بدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لیے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اسی بدن اطہر پر ہے، جو دنیا میں تھا۔ مذہب وہ بدن روضۂ مبارکہ میں ہے۔ ہاں ہم اس کی نقل و حرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دنیا والوں سے وہ حیات پردے میں ہو۔ لیکن آپ کے لیے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز نہ ہوگا نہ رسول ہونا، آپ اب بھی عبدہ ورسولہ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جسم میں جلوہ پذیر ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی۔ حقیقت میں آپ نہ بندے رہے نہ رسول —— رسول حقیقی ہونا تو یہی ہے کہ آپ کے

آن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں لے
کرامیہ نے جب جسد اطہر کو جماد محض کہا، بدن کو صرف مٹی کہا اور زمانہ کی شرط نہ مانا تو انہوں نے یہ کہا
کہ آنحضرت اب حقیقی رسول نہیں رہے۔ امام ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) نے اس کی تردید کی اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اب بھی حقیقۃً رسول ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبد المحسن المشہور بابی عذبہ فرماتے ہیں:۔

قال ابو حنیفۃ انہ رسول الآن حقیقۃ وقالت الکرامیۃ لا لے

ترجمہ۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ
والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔

جب آپ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتائیے رسول کہاں رہے یہ کرامیہ کی بناء
استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابو الحسن الاشعری (م ۳۲۴ ھ) نے معتزلہ
اور کرامیہ کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا ——— ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس
طرح بیان کیا گیا ہے:۔

هو صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ باق علی رسالتہ ونبوتہ حقیقۃ کما
یبقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذلک الوصف باق بالروح و
الجسد معاً لان الجسد لا تاکلہ الارض . . . . انہ صلی اللہ علیہ و
سلم حی فی قبرہ رسولا الی الابد حقیقۃ لا مجازا ۲

ترجمہ۔ حضور اکرمؐ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور
پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے

لے مسالک العلماء صفحہ ۱ ۔ ۲ صفحہ ۱۲ طبع حیدرآباد ۔ ۳ الروضۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیۃ صفحہ

اور حضورؐ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا از روح اطہر اور جسد اطہر کے مجموعہ کے ساتھ ہے۔۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لیے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔

کرامیہ نے وفات نبی پر انقطاعِ نبوت کی بنا رکھنے کے لیے روحِ مقدسہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدۂ حیات النبی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل بنایا بلکہ انقطاع نبوت کے اس عقیدہ باطلہ کو امام اہل سنت امام ابوالحسن (۳۲۴ھ) کی طرف بھی منسوب کر دیا جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب حقیقی رسول نہیں ہیں کیونکہ ذات آپ کی میت باقی ہے صرف روح وہاں منتقل ہو گئی ہے اور جسم کی اُن کے ساتھ امام ابو منصور الماتریدی (۳۳۳ھ) عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاوی (۳۲۱ھ) اہل سنت عقائد کی سرحد پر آ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا تحفظ کر لیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبداللہ بن کرام کے پیرو تھے اس مسئلے میں کھلے طور پر آ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور جسم میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں۔

حدثت فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد الله ليس هو الآن رسول الله ولكنه كان۔[۱]

ترجمہ۔ ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعوے کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب رسول اللہ نہیں رہا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم کہتا ہے محمد بن حسن بن فورک اپنی

---

۱ کتاب الملل والنحل جلد ۱ صفحہ

بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود بن سبکتگین (۴۲۱ھ) نے آپ کو اسی الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف تھے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ) کا پایہ بڑا تھا۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری (۴۶۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدہ کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری (۴۵۶ھ) گو مذاہب فقہ کے مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ نہ تھے۔ لیکن اس عقیدے کو کہ حضور اپنے روضہ اطہر میں (معاذ اللہ) مردہ پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اسی کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور کا جسم مبارک روضہ اطہر میں مردہ رکھا ہے۔

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی تائید کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس راہ سے انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ امام ابوالحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے متحاشی رہ چکے تھے ان کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام ابی الحسن الاشعری ہے۔ اور کرامیہ پر اہل حق کی حجت تمام کر دی۔ علامہ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری نے شکایۃ اہل السنۃ بحکایۃ ما نالہم من المحنۃ لکھی۔ امام بیہقی نے ایک مستقل رسالہ حیاۃ الانبیاء لکھا اور اہل حق اس وقت سے لے کر اب تک ان کرامیہ کی پرزور تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا یہ عجیب فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کر دیتے ہیں حیات النبی کا انکار مگر ان کا یہ عقیدہ نہ تھا اور صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے ایسے خود

حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ جتنا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے حیات النبیؐ کا انکار کرنے والے اس مسلکی التباس کے مرتکب کیوں ہیں؟ اس لیے کہ ان کے نزدیک ترویج دین کے لیے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے. حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

ان بعض الکرامیة وبعض المتصوفة نقل عنھم اباحة الوضع فی الترغیب والترھیب وھو خطاء من فاعله نشاء عن جھل[1]

ترجمہ: بے شک بعض کرامیہ[2] سے اور بعض غلط درمیان تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشا صرف جہالت ہے.

المراد باعتقاد حل الکذب ھو اعتقاد حله لتصحیح دینه وترویج مذھبه.[3]

ترجمہ: جھوٹ حلال ہونے سے ان کی مراد یہی ہے کہ اپنے زعم و عم میں دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لیے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے.

ان لوگوں کے مکر و فریب کا کیا حال ہوگا جو بے گناہ کے طور پر نہیں جھوٹ نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تقیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف ادوار اور قبائل میں چلتا رہا ہے.

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

(۱) ——— بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کلی مفارقت میں رہتی ہیں اجساد محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں. عذاب قبر صرف روح پر ہے بدن پر نہیں.

(۲) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر روضۂ طہر میں بالکل بے جان اور بے حس ہے شعور

---

[1] شرح نخبة الفکر ص۴۵ [2] ھم فرقة من المشبھة نسبت الی عبد اللہ بن کرام ویدعون زیادة الورع والتقوی والمعرفة التامة وراجع له شرح الشرح لعلی القاری علیه رحمة ربه الباری.

[3] شرح نخبة الفکر ص۴۵

تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھرے۔
اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہی گروہ تھا۔
امام حدیثؒ کے اس جلال اور ان کا مشکل کر دیکھئے، وہاں پر علم دیکھئے، ان کے بعد بھی اپنا عقیدہ
آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

لان نبینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بینا۔[1]

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نبی ایک حقیقی زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔
پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے۔

من عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم فاین الموت الی ان قال وصنف البیہقی جزءاً سماہ حیاۃ الانبیاء فی قبورہم واشتد نکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھذا القول الی الشیخ۔[2]

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو موت کہاں۔ امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے۔ جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے۔
حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں:

فاما ما حکی عنہ (ای الاشعری) وعن اصحابہ انہم یقولون ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم لیس بنبی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فبہتان عظیم

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۲ ص ۲۲۳ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۲۲۲

ويعتقد به محض تدين خلق احد منهم وما سمع في مجلس مناظرة ذلك منهم ولا يوجد في كتب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم حياته صلى الله عليه وسلم حق في قبره[1]

ترجمہ: ہاں یہ امام ابوالحسن اشعری اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک حضور اپنی وفات شریفہ کے سبب اپنی قبر شریف میں نبی اور رسول نہیں ہے۔ یہ محض بہتان اور بہتان عظیم ہے۔ اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون پایا جاتا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے ہاں حضور اکرم اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

وانما ما نسب الی الامام الاشعری امام اهل السنة والجماعة من انكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه وكتب اصحابه خلاف ما نسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيري۔[2]

ترجمہ: امام اہلسنت امام ابوالحسن الاشعری کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضور کے لیے وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ محض افتراء اور بہتان ہے۔ ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ تحقیق یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالحسن الاشعری پر اس افتراء باندھنے کے خلاف امام ابوالقاسم القشیری نے زبردست احتجاج کیا ہے۔

---

[1] شفاء السقام، رسائل القشیریہ، طبقات جلد ۳ ص ۳۸۵ [2] شامی جلد ۳ ص ۲۹۶ باب [illegible]

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن و سنت اسلامی فکر و نظر کا سرچشمہ حیثیت ہیں۔ قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طاقتِ بشری اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق رکھے اور تخاطب اور قرآن کی وضاحت چاہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان امور میں مخفی افکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی مسائل کے ماسوا اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی اسلامی نظر آتی اور دینی نظریات کی تفصیل ملتی جس میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا۔ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک ہدایت کیا ہے کہ ترجمانِ قرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی۔

ان خاصموک بالقرآن فخاصمهم بالسنة [١]

سیاتی قوم یجادلونکم فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ [٢]

یعنی قرآن سے خطاب مت کرنا ورنہ یہاں تشابہ پیدا کر دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی، بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فتنوں کا طریقِ واردات پہلے یہی رہا ہے کہ سنتِ پیغمبر اور تشریحات سلف سے بالکل بے نیاز کر کے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔ اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کرلو۔ قرآن پاک کو اس کی پوری عظمت علمی سے سمجھنے والے اسباب

---

١ [illegible] سنن دارمی [illegible] کنز العمال جلد [illegible] ٢ جامع البیان [illegible] جلد [illegible]

ہوتا ہے کہ قاضی ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن جب کسی منازعہ حق و باطل کے تصفیے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان ہر راست آسان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مشورہ دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو کس کے ماخذ سے لینا مجتہد اور ولی الامر کا کام ہے لیکن بے امیر مقابل کا منہ بند کرنے کے لیے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے۔ وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے ایسے موقعہ پر وہ بات کرو جو آسانی سے مل جائے۔

حضرت علیؓ کے مقابل خوارج تھے۔ تصنّع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؓ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن ان کے دلوں میں نہ اترے گا۔ اس لیے آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔

خوارج میں سے یہ مناظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش گوئی کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یخرج فی هذه الامة قوم تحقرون صلوتکم مع صلوتهم یقرءون القرآن لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الدین مروق السهم من الرمية۔[1]

ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے آگے ہیچ سمجھو گے۔ وہ قرآن تو قرآن پڑھتے ہوں گے، لیکن وہ ان کے گلوں ہی تک ہوگا۔ یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے۔

---

[1] رواه البخاری عن ابی سعید جلد ۲ ص [illegible]

پاکستان میں مسئلہ زیرِ نزاع جن دو فریقوں میں زیرِ بحث ہے، ان میں نہ کوئی قاضی شرعی ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکمِ وقت کہ اپنے فیصلہ کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ جبکہ مسئلہ زیرِ نزاع حدیث میں عبارت النص سے موجود ہو جیسے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون تو حدیث سے بات سمجھنا بہت آسان رہتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰ کا مذکورہ شدہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلدین میں علمی فرق

مجتہد اپنے اونچے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کر سکتا ہے جن میں قرآن کا فیصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیشِ نظر اجتہاد کی قرآن میں تعبیر تلاش کرنا اس مسئلے کا حکم پا لینا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لیے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جو انہوں نے کتاب و سنت سے دریافت کئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ یہ سب حضرات مجتہدین تھے۔ مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی بحث سے کیا؟ انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو دائرہ دین میں سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کے ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔

مذہب اہلِ سنت والجماعت کوئی نیا مذہب نہیں ہے جسے آج ادلہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے۔ یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ کرامیہ جہمیہ قدریہ شیعہ مرجیہ اور خوارج کے مقابل اپنے علمی اصول و فروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج مختصر سے ان مسائل کو کتاب و سنت میں تلاش کرنا اور مستقل کرانے کی ضرورت تبھی محسوس ہوتی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرہ علمیہ میں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس کا علیحدہ مذہب اہلسنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث یہ طعن دیتے ہیں کہ یہ لوگ بھی سازش ایرانیوں کے تحریک ذخیرہ حدیث کی تدوین کا نام ہے کا شکار ہیں۔ اس طرح ہمارے یہ کرم فرما ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شد و مد سے پیش کرتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ کتاب

صحیح کہتی ہے ___ گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے بلکہ آفتاب کی حیثیت سے ہر ایک مجتہد بھی پہنچ سکتے ہیں۔ دیکھ بزرگ واعظ جو انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکار حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرت مسٹر پرویز کے نمائندہ کی حیثیت سے اس میدان میں آتے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

مسئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں:۔

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں۔ ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ اس سے بطور دلالۃ النص کے سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد از وفات زندہ ہیں اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم اللہ شرفاً یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا ہے[1]

اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس عنوان پر براہ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی کی ہے فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیات انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ کے علماء سے اور آپ نے انہیں اس احسان پر دعا بھی دی ہے کہ زادہم اللہ شرفاً۔

پھر یہ بات جو انہوں نے کہی ہم خود اسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں۔ مگر نہیں معلوم انہیں اسے دہرانے سے کیا ملا۔

اہل شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جیسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلالۃ النص کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے[2]

---

[1] مسالک علماء ص۱۲ [2] مقام حیات طبع اول ص۲۹

اس سے دعویٰ موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کرلیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے۔ اپنا اپنا ظرف ہے اور اپنا اپنا مسلک ——— ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کرلیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے، وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیاتِ شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیاتِ شہداء حیات بعد القتل ہی مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیاتِ انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کرسکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لیے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے جس احتمال کو زائل کرنے کے لیے اگر ہم نے حدیث سے تمسک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ان کی غلطی کیا ہے ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ وجہ اجمال یا وجہ احتمال میں ہو ان میں سنت سے استدلال کرلینا چاہیے۔ اب اس پر ہمارے کرمفرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو:-

> اموات غیر احیاء کو وجہ اجمال و احتمال میں داخل کردیا جس کا واضح معنی یہ ہے کہ انبیاء اموات ہیں نہ کہ زندہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کو وجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔[1]

چونکہ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ وجہ اجمال و احتمال والی بات آیت اموات غیر احیاء کے بارے میں نہیں آیت حیات الشہداء کے پیش نظر کہی جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ ادنیٰ احتمال کی گنجائش

---

[1] مسالک العلماء ص

بھی بنا ہے۔

ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے اموات غیر احیاء کو کس دیدہ دلیری سے آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی طرح قطعی الدلالۃ بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی اور معنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کیا آیت اموات غیر احیاء عقیدہ مماتُ النبی پر قطعی الدلالۃ ہے

مخالفین دیتے اس دعوے پر کہ حضور اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت اموات غیر احیاء کو اسی طرح قطعی الدلالۃ سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے ——— ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی احتمالی معنی نہیں ہے۔ حضور آخری نبی ہیں اور مرتبہ و زمانہ ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں ——— کیا آیت اموات غیر احیاء بھی اسی طرح انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت عیسیٰ بن مریم کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے یا اس کے کوئی اور معنی بھی بنتے ہیں؟ ——— اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو سکتا ہے یا ممکن نہیں ——— اگر نہیں تو پھر سب کے نزدیک حکم انبیاء کو بالفعل اموات نہ ماننے والے اور حضور کو زمانہ اور مرتبہ میں آخری نبی نہ ماننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیئے اور دونوں اپنے ان نصوص قطعیہ کے رد کرنے کے جرم میں دائرہ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں۔ مگر سب حضرات جانتے ہیں کہ مماتی لوگ حیات النبی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں ——— آخر یہ فرق کیوں ہے؟

کیا یہ درست نہیں کہ اموات غیر احیاء کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا احتمال بھی ہے اور اس کا موضوع محل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں خواہ بت ہوں یا درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو قیامت تک مرنے والے ہیں) یا شہداء جو اب زندہ ہیں مگر دنیا میں ان پر موت آئی ہے سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے کلی معنی پر قطعی لہٰذا کہا جا سکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکھ چکے مگر اب وہ زندہ ہیں مثلاً اموات نہیں ہیں، اور اس جہت سے کوئی کافر ایسا نہیں ہے۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کر لیں اور مطلقہ عامہ میں قضیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالانکہ انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ان کے حق میں مقتول سمجھیں، انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی خرابی دلیل لیا گیا ہے اسے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں قضیت نسبت کا تحقق کسی ایک وقت میں کافی نہیں تھا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہیے۔ آخر آپ بھی تو کہتے ہیں۔۔

شہداء اور انبیاء —— بعد وفات زندہ ہیں[1]

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ مماتِ النبی پر دال نہیں چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالۃ اور وہ بھی مثل آیت خاتم النبیین کہا جا سکے —— تعصب اور ضد کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے کس طرح عقیدہ حیاۃ النبی اور انکار ختم نبوۃ کو برابر کر دیا ہے۔

ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزئی جو غیر نبی کو نبی پر ہو سکتی ہے قرار دے اور کہہ دے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔ غرض اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا۔ آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم و فہم کی داد دیجئے۔ وہ اسے از خود اموات غیر احیاء کے بارے میں لے بیٹھے —— اور پھر کیا ہوا؟ جو آپ کر لے بیٹھے —— ان کی اپنے قلم سے سنئے:

اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون کو وجہ اعجاز اور وجہ اجمال میں داخل کر دیا ..... ایسا ہی ہے جیسے مرزائیوں نے ولکن رسول اللہ و

---

[1] مسالک العلماء ص ۱۹

خاتم النبیین کو درجہ اجمال و احتمال میں رکھا ہوا ہے۔[1]

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں۔ اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہو سکتا

تو خاتم النبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کر کے ختم نبوت کا انکار نہیں ہو سکتا۔ والعیاذ باللہ۔

ایسی تحریریں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں

جو سادہ لوح مسلمانوں کے کھاتے ہیں، اور خود مسلمان بنے ساحل پر کھڑے تماشائی ہیں۔

عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا اختلاف ہم میں حیات و ممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النبیین بھی لائق قبول ہو سکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں نے قرآن کی تحریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں کیا یہ انہی باتوں کا اثر نہیں کہ ان دو رستوں کے بیچ ایک مفتی مولوی صاحب قادیانی ہو گئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اسے شعار بنے رہیں اور یہاں تک شعار بنے رہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی

آیت اموات غیر احیاء کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اموات غیر احیاء؟ نہیں۔ آیت اموات غیر احیاء میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں کیا مراد ہے یا وہ —— لیکن آیت خاتم النبیین کا کوئی دوسرا متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معنی اختیار کیا جائے۔ اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہوگا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر ہوگا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

---

[1] مسلک اعتدال ص

جس طرح آیت بل احیاء ولکن لا تشعرون حیات شہداء کے بارے میں نازل ہوئی، آیت اموات غیر احیاء ممات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی۔ یہ توحید کے موضوع پر ہے۔ کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے۔ وہ ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں مورد موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کو پکارتے ہو، وہ سب محل موت ہیں، حالاً ہوں یا ماضی میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول وفات پائیں گے) ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں ان میں سے کسی کے بالفعل مردہ ہونے کا بیان نہیں ہے۔ فعلیت نسبت کا تحقق کسی زمانے میں ہو جانا کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدۂ توحید کے ہرگز منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد الوفات زندہ ہونا رب العزت کی الوہیت کی صفت حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھئے۔

والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وھم یخلقون ۰ اموات غیر احیاء وما یشعرون ایان یبعثون ۰ الٰھکم الٰہ واحد۔

(پ ۱۴: النحل ع ۲، آیت ۲۲)

ترجمہ: اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کیے ہوئے ہیں، مردے ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ الٰھکم الٰہ واحد بتلا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے۔ اس موضوع میں بحث نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے نزع کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مضمون آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ — جب موضوع توحید الٰہ ہے تو اموات غیر احیاء کا معنی اسی مورد پر رکھنا چاہیے۔ میں وجہ ہے کہ اس کا توحید سے تصادم ہوتا ہو، حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید

سے ہرگز منافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے یہاں ان کے لیے صرف اثبات مخلوقیت کافی ہے ان سے نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں:۔

ان اثبات المخلوقية لهم غير مستدع لنفي الحياة عنهم لما ان بعض المخلوقين احياء[1]

ترجمہ۔ ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اموات غیر احیاء میں کیا کسی اور معنی کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ لکھتے ہیں:۔

جمہور مفسرین کے نزدیک الہ سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے۔ جلالین میں ہے وهم الاصنام تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں ہے فاعلم انه تعالى وصف هذه الاصنام بصفات كثيرة پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لا يخلقون شيئا وهم يخلقون[2]

صفوۃ التفاسیر میں ہے:۔

والذين يعبدونهم من دون الله كالاوثان والاصنام لا يقدرون على خلق شيء اصلاً والحال انهم مخلوقون صنعهم البشر بايديهم فكيف يكونون آلهة تعبد من دون الله (اموات غير احياء) اي وتلك الاصنام اموات لا ارواح لها لا تسمع ولا تبصر اي هي جمادات لا حياة فيها فكيف تعبدونها وانتم افضل منها لما فيكم من الحياة۔[3]

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۱ [2] تفسیر حقانی جلد ۵ صفحہ ۸ [3] صفوۃ التفاسیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷

ہیں۔ ان میں کوئی حیاتِ تامہ نہیں رکھتا جو بھی ہے اسے اوّل یا آخر یا مآلاً موت نے گھیر رکھا ہے۔
سو اس آیت میں اثباتِ توحید باری ہے کسی کا مآلاً مردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کونہم اموات انہم لابدلہم من الموت ویکونہم غیر احیاء غیر تامۃ
حیاتہم والحیاۃ الکاملۃ ہی الحیاۃ الذاتیۃ التی لایرد علیہا الموت۔[1]

ترجمہ: ان کے اموات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں اور ان کے غیر احیاء
کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیات تامہ نہیں۔ حیاتِ تامہ اس حیاتِ ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی
موت آ سکے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئندہ آسکے)۔

حضرت تھانوی نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

یہ معبودین کیسے مستحق عبادت ہو سکتے اور وہ مردے ہیں خواہ دوامًا جیسے بت یا
فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں گو اب وہ زندہ ہوں یا فی المآل جو مریں
گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں۔[2]

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۶۲ جلد ۲ صفحہ ۵۷۲، تفسیر قرطبی جلد ۱ صفحہ ۵۶۱، تفسیر خازن
جلد ۳ صفحہ ۱۱۸ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء کے اس وقت اموات اور بے جان ہونے پر ہرگز
دلالت نہیں کرتی۔ ان پر ماسبق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن مآلاً ان کو یا شہداء
کو ہم اموات نہیں۔ اس کی قرآن کریم ہمیں اجازت نہیں دیتا۔

افسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اموات غیر احیاء کو جس میں بت بھی مراد لیے گئے ہیں
انبیاء کے مرقد میں بے جان ہونے پر اس حد تک قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت ولکن رسول اللہ وخاتم
النبیین حضور کی ختم نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم و فہم اور دیانت و امانت پر جتنے
آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ یہ حضرات پہلے تو ضعیف اتنے واردنہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا۔ اکابر کی
شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔

---

[1] روح المعانی جلد ۱۴ صفحہ ۱۱۵ [2] معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۳۱۶

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ان دوستوں نے جس حیثیت سے اپنے آپ کو متعارف کرایا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ کر سکیں سو آئندہ انشاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پیرایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی اشاعت بغیر کسی تعصب اور احساسِ تخریب کے طلبہ علوم دینیہ اور عام اہلِ اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

قرآن پاک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالم برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور مختلف اوراق میں کتاب الٰہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ کے وقوعِ وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ کی وفات کا امکان (افان مات او قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا اور آپ کی وفات کی پیشگوئی بھی آیت (انک میت وانہم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس بات کا بیان کہ آپ پر موت کا ورود ہو چکا ہے، اس کے لیے بھی وقت کا انتظار تھا سو اس کا قرآن میں تذکرہ ہے اور ہو سکتا ہے جو شخص یہ قرآن میں سمجھے کہ آپ پر وفات آچکی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے۔

حضرت مسیح کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں مذکور ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس نہیں جو حضرت عیسیٰ کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا یقیناً ورود ہوا اور آپ نے یقیناً اس دنیا سے انتقال فرمایا لیکن قرآن پاک اس وقوعِ موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپ پر وفات آچکی اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغہ ہے، جو کتب حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے

وقوعِ موت ثابت کرنے کے لیے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقتِ پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریقِ استدلال ہے۔ بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی بحث اور محلِ نزاع نہ ہو۔ بلکہ وقوعِ وفات پر بنا بر خبرِ مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا اور اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آپ نے ورودِ موت کے بعد پھر حیات حاصل ہو گی یا قیامت تک جسدِ اطہر اور روحِ اقدس میں کلی مفارقت رہے گی۔ اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضاء النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا۔ جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارات کو کھینچ کھینچ کر مطلب کا جامہ پہنانا یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس طرزِ استدلال کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرضیانہ طرز پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں شہداء کے لیے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے۔ جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لیے دلالۃ النص کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں —— ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح وقوعِ موت کی خبر کتبِ حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لیے بھی احادیثِ صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثباتِ عقائد کے لئے دلائلِ ظنیہ سے استشہاد —— بیجا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحب یہاں یہ اعتراض کر دیں کہ اخبار احاد اور غیر مسلسل روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائلِ قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبرِ متواتر سے استدلال میں

کے مطابق "موت" کے لیے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سیدہ اندلسی نے "المخصص" میں ایک فہرست پیش کی ہے اور بطور شعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔

اسمائے موت:۔

الهميغ والنيط والزهر والمنون والشعوب والفوذ والحمام والسامرة

المقدار والحتيم والجباز والحلاق والناصية والطلاطلة والعول والذام

والكفت والجداع والمنذرة والحتف والفالج . . . وغيرها[1]

انہی میں لفظ "توفی" نہیں آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسیؒ نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر "توفی" کا اطلاق درست نہ تھا کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسم تھی نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں، ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔[2]

عربوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرآن اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تو اب موت سے متعلق مباحث پر معنی موت کے لیے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شان تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف "ابانة الروح عن الجسد" کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوت حیوانیہ کے زوال یعنی آثار حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

---

[1] المخصص جلد [illegible] صفحہ [illegible] [2] مقدمہ مشکلات القرآن صفحہ [illegible]

علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ۔

کل نفس ذائقۃ الموت فعبارۃ عن زوال القوۃ الحیوانیۃ وابانۃ الروح عن الجسد۔[1]

ترجمہ۔ ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے پس موت سے مراد [illegible] حیات کی قوت زائل ہونا اور روح کا جسم سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا۔ اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی بیان کیا ہے قرآن کریم نے موت کسی کو کہا ہے

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی۔ (پ ۲۴ الزمر ع ۲ آیت ۴۲)

ترجمہ۔ خدا کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا، اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر روک رکھتا ہے ان کو جن پر موت ٹھہرا دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری جانوں کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ موت بھی ہو۔ سونے والے کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں۔ تنفس، نبض، چلتی رہتی ہیں اور روح کے چار گھنٹے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑتا اکڑتا ہے، نہ کسی نے اسے دفن کے لیے پکڑا ہے۔

یہ تو نیند کا حال ہے خود میت کو دیکھئے۔ جونہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا، روح کے آثار کچھ دیر کے لیے اور رہتے ہیں اور آہستگی سے یہ بدن گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی وہ تازگی باقی نہیں رہتی۔ اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور

حسب بیان راغب اصفہانی انفکاک الروح من الجسد بھی ہوا اور قوت حیاتی بھی باقی رہی

اب اگر کوئی ایسا کہیں ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو۔ گھنٹے گذر جائیں مگر بدن نہ اکڑے۔ پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی پر صدیاں گذر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟ یہی نا کہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ مستقر ہو گئی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک پانچ صدیاں گذرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا:۔

دفعوا الیوم کما وضع [1]

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

جسم مبارک صحیح و سالم گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ تھا آج بھی وہی کیفیت اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔ [2]

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کر گئے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟

جواب: یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ اس طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور پر نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے لفظوں میں ادا کی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔ یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ دلیل اس کی ہے کہ کچھ آثار حیات آپ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھ جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام کی موت کی طرح ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی

---

[1] ہدایہ باب الجنائز جلد ا صفحہ ۱ [2] مسالک العلماء صفحہ ۹۸

اور موت دینے کے لیے یہ واپس نہیں آتی۔ برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا سوال قبر میں روح کا بدن میں واپس آنا۔ یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے، یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ امساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت خروج الروح من الجسد نہیں۔ آثار حیات جب تک بدن سے منقطع نہ ہوں، قرآن کریم اسے موت نہیں کہتا تاآنکہ کوئی جزو حیات موت ہو اور حیات کی کوئی لہر نہ رہی ہو۔ پچھلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا معتزلہ نے موت کے وجودی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کشاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اس کی کھلی تردید نہیں کی؟ شرح مقاصد اٹھا کر دیکھیں۔

سوال: نیند والے کی طرف روح کا لوٹنا ہے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے کی روح روکی نہیں جاتی، چھوڑ دی جاتی ہے۔ کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے؟ اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوئی تھی؟

جواب: سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لیے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

اللّٰھم انت خلقت نفسی وانت تتوفاھا لک مماتھا ومحیاھا ان احییتھا فاحفظھا وان امتھا فاغفر لھا۔[1]

ترجمہ: اے اللہ! تو نے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کو قبض کرے گا۔ میری موت اور زندگی سب تیرے لیے ہیں۔ اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرمانا اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

---

[1] [illegible]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن حبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر بندہ مومن کے الفاظ یہ ملتے ہیں۔

الحمد للہ الذی عافانی فی جسدی ورد علی روحی۔[2]

ترجمہ: حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسم کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح پھر سے لوٹا دی۔

امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

امام نووی کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔[3]

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ ان حقائق کے لیے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریۂ قرآن میں موت کیا ہے؟

موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں بلکہ ایک وجودی شئے ہے جس کی پیدائش ہے۔

خلق الموت والحیٰوۃ۔ (پ الملک)

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پھر جب موت کی یہ ایک صفت ہے، تو اسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا اور محض ایک عدمی چیز قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

---

[1] فتح الباری جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۴ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ [3] کما فی فیض القدیر جلد ۱ صفحہ ۴۵

امام ناصر الدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکی (۶۸۳ھ) فرماتے ہیں:-

ان الموت عدمی و هو خطاء صراح و معتقد اهل السنة انه امر وجودی یضاد الحیاة و کیف یکون العدم بہذه المثابة ولو کان العدم مخلوقا حادثا و عدم الحوادث مقدر ازلی للزم قدم الحوادث۔[1]

ترجمہ: موت کو محض ایک عدمی شے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے۔ جو حیات کے مقابل ہے۔ عدمی شے اس درجے میں نہیں ہو سکتی۔ اگر عدمیت کی بھی خلقت ہوتی ہو اور عدم حادث ہو اور عدم حوادث کا مقدر بھی ازلی ہو تو اس سے قدم حوادث لازم آتا ہے۔

روح المعانی میں ہے:-

والموت علی ما ذهب الیه الکثیر من اهل السنة صفة وجودیة تضاد الحیاة و استدل علی وجودیته بتعلق الخلق به وهو لا یتعلق بالعدم لازلیة الاعدام۔[2]

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے۔ اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا۔ عدمیات تو ازلی ہیں۔

امام رازی لکھتے ہیں:-

واختلفوا فی الموت فقال قوم انه عبارة عن عدم الحیاة وقال اصحابنا انه صفة وجودیة مضادة للحیاة واحتجوا علی قولهم بانه تعالیٰ قال الذی خلق الموت والحیاة والعدم لا یکون مخلوقا هذا هو التحقیق۔[3]

---

[1] الانتصاف جلد ۴ ص۱۲۶ مصر [2] روح المعانی جلد ۲۹ ص۳ مصر [3] تفسیر کبیر جلد ۸ ص۱۶۴

والموت عند اصحابنا صفة وجودية مضادة للحياة۔[1]

ترجمہ: مفہوم موت پر بحث پہلے سے اختلاف چلا آرہا ہے بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے۔ "خلق الموت والحیاۃ" کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ فتفکر وتدبر۔

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یجمع اللہ الناس یوم القیامۃ فی صعید واحد ثم یطلع علیھم رب العالمین . . . . فیقوم المسلمون ویوضع الصراط فیمرون علیہ مثل جیاد الخیل و الرکاب وقولھم علیہ سلم سلم ویبقی اھل النار فیطرح منھم فیھا فوج . . . فاذا ادخل اللہ تعالیٰ اھل الجنۃ الجنۃ واھل النار النار اتی بالموت ملببا فیوقف علی السور الذی بین اھل الجنۃ واھل النار ثم یقال یا اھل الجنۃ فیطلعون خائفین ثم یقال یا اھل النار فیطلعون مستبشرین یرجون الشفاعۃ فیقال لاھل الجنۃ ولاھل النار ھل تعرفون ھذا فیقولون ھؤلاء وھؤلاء قد عرفناہ ھو الموت الذی وکل بنا فیضجع فیذبح ذبحا علی السور[2]

---

[1] تفسیر ابی السعود ص۲۲۳ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۲ نول کشور لکھنؤ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ پھر تعالیٰ ان سے کچھ سوال و
جواب کریں گے اور نیک لوگ پل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم
میں جا گریں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے اس دیوار پر کھڑا کیا جائے گا
جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ جواب
کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی۔ اس وقت سے
لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا . . . اس کے بعد موت کسی کو نہ آئیگی۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتی بالموت یوم القیمۃ کانہ
املح فیوقف بین الجنۃ والنار ثم ینادی منادیا اہل الجنۃ فیقولون لبیک ربنا
قال فیقال ہل تعرفون ہذا فیقولون نعم ربنا ہذا الموت فیذبح کما
تذبح الشاۃ فیامن ہؤلاء وینقطع رجاء ہؤلاء رواہ ابویعلی والطبرانی
فی الاوسط بنحوہ والبزار ورجالہم رجال الصحیح غیر نافع بن خالد وہو ثقہ[1]

ترجمہ: قیامت کے دن کبش املح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا، اور جنت اور جہنم
کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھ رہے ہو؟ جانتے ہو؟
وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی
جیسے کہ بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں۔ اور نافع بن
خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آئے اور روح نکال کر لے
جائیں یا لذات و شہوات ختم ہوں اور روح نکال لیں۔ صرف یہی ہو تو یہ ایک عدمی حقیقت ہے مگر
حضور نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوئی تھی اور اسے سب اہل جنت

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۵

کہ حق تعالیٰ ان کے احساس و شعور کو معطل کر دے گا، تاکہ ان کو عذاب کا محسوس نہ ہو

موت تو ذبح ہو چکی سب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ، مگر حق تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار

اور شعور و احساس کو معطل کر دیں گے یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسانِ نبوت نے لفظِ موت

سے تعبیر کیا ہے

حقیقتِ موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پر طاری ہوتی ہے۔ موت کی حقیقت انفکاکِ روح

یا ازالۂ حیات جتنا چاہے مستقل کو ایک قسم کا اختلاف ہے۔ ازالۂ حیات عدمی ہو تو موت وارد ہو

سکتی ہے اور یا انفصال بھی ہو جیسے کہ یہ نظم پر وارد ہوتی ہے، تو ضروری نہیں کہ موت ہو جائے

روح کا انفصال یا بدن کی طرف روکنا پھر ہو سکتا ہے۔ کیا ضرورت پڑی ہے کہ جاسے وہ موت

موت کا معنی یہ ہے جو ملبوس روح جسم یا ازالۂ حیات سمجھ کر معتزلہ کے ذہن سے موت کو ایک عدمی چیز

سمجھیں اور قرآن کی نص باطل جانیں کہ موت کی ایک وجودی خلقت ہے، اور محض ازالۂ حیات کا نام نہیں

خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (پ ملک، آیت ۲)

جس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے

کام کرتا ہے

موت کا اصلی معنی (ازالۂ حیات) کر لیں ایک دقت پیش آئے گی کہ موت کے لیے سبق

حیات ضروری ہوگا، پھر اموات صرف انہیں کو کہا جائے گا جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں

بتوں کو اموات نہیں کہا جا سکے گا کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لا یسمع کا معنی بھی یہی

ہوگا کہ جو پہلے سنتے تھے اب نہیں سنتے، لا یبصر کا معنی یہ ہوگا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے

جو کام آتے تھے اب کام نہیں آتے حالانکہ یہ کتنا کمزور مطلب ہوگا

لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا۔

بت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوئی[۱] لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صنم پرستی، شجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پوجا بھی دنیا میں ہے اور رہی ہے۔ قرآن کریم ان سب معبودان باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوقیت احیاۃ ذکر کیجیے ان میں حیات رہی ہو، موت کا مادہ بالتضاد ہے اور موت کا معنی ہے زوال حیات تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں ستاروں اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی۔ عجیب علم و دانش ہے کہ موت زوال حیات کا نام ہے اور جو زوال حیات سے کچھ موت کا تقرر کرے وہ مولانا نانوتوی بھی ہوں تو ہمارا امام نہیں۔ ع بریں عقل و دانش بباید گریست

کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم (پ بقرہ آیت ۲۸) میں موت کا تقابل حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لیے مسبوقیت بالحیاۃ نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں زوال حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مجاہد (م ۱۰۱ھ) سے یہی منقول ہے۔ معلوم ہوا موت کا معنی زوال حیات نہیں، صرف عدم حیات ہے۔ اس تعریف پر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی چیز ہے۔ زوال حیات اس کے لیے ضروری نہیں۔ اسی طرح اعادہ روح سے بھی زوال موت ضروری نہیں۔[۲]

ان ھذہ الآیۃ لیست مستلزمۃ لانتفاء حیاۃ مرتبۃ لارسم المتصل ھی نوع حیاۃ برزخیۃ۔

آنحضرتؐ کی موت طیبہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا عنوان تو آپ نے بارہا سنا ہوگا، کبھی موت طیبہ کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپ کی حیات کے لیے ہے، اسی طرح یہ لفظ آپ کی موت کے لیے بھی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کی وفات پر ان مقدس کلمات کا اعلان کرتے ہوئے پہلے موت طیبہ کی آواز لگا دی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے

---

[۱] رد المحتار، شامی جلد ۱ صفحہ ۔۔۔ [۲] الصارم المنکی صفحہ ۔۔۔

حضورؐ کے جسدِ اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور چوما۔

طبت حیاً و میتاً۔ (آپ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب)[1]

جس طرح آپؐ کے بدنِ اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی موت پر بھی وہ جسدِ اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عوارضِ موت نے آپ کی حیات کو صرف زیرِ پردہ کیا ہے۔ آثارِ حیات آپؐ سے منفک نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تر و تازہ رہے گا۔ اس میں غور کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کوئی اور قسم کی ہے اور موت میں اختلافِ نوع کا عقیدہ کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعتِ توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں۔ اس بحث میں ہم نہ پڑیں اور انک میت و انہم میتون کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثارِ حیات باقی رہے بلکہ بعض ثمراتِ ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کون سا ستون ہے جو گرتا ہے اور کون سی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساتھ حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثباتِ حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا عقل مندی ہے۔

ثمراتِ حیات جو اجماعاً مسلّم ہے

موت کا ایک مسلّمہ اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ انسان کے جملہ اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضورؐ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہے اور آپ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں۔

باب ان ماله بعد موته قائم علی نفقته وملکه۔[2]

---

[1] فتح الباری جلد [illegible] صفحہ [illegible] نقلاً عن ابن ابی شیبہ۔ [2] سنن کبریٰ امام بیہقی جلد [illegible] صفحہ [illegible]

دوسرے لوگوں کے لیے یہ باب بند ہے۔

ترجمہ: جب آدمی مر جائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔[1]

امام بخاریؒ کتاب الفرائض میں حضرت ابوہریرہؓ سے حضورؐ کی یہ حدیث لائے ہیں:-

لا تقتسم ورثتي دينارا ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤنة عاملي فهو صدقة[2]

ترجمہ: میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔

(1) امہات المؤمنینؓ کا خرچہ تو سالہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات بھی آپ کی ملکیت میں رہے اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کرتی رہیں اور آپ کے عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اقامت حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

(2) عورت کسی دوسرے کی بیوی تا انقضائے عدت متوفی کے مال میں حصہ دار ہے اس کے بعد نہیں پھر اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، سب پر مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضورؐ کی ازواج کے لیے یہ مدت نہیں۔ وہ تا زندگی حضورؐ کے اموال میں حصہ دار ہیں۔ یہ بھی تبھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

(3) موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ حضرت مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:-

میں بیمار تھا۔ میں نے حضورؐ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کر سکتا ہوں جہاں چاہوں۔ آپ نے اس پر نہ کہا۔ میں نے کہا نصف کی وصیت کر لوں آپ نے اس پر بھی انکار فرمایا ——— پھر میں نے ثلث (تہائی) کے لیے کہا آپ اس پر خاموش رہے۔

---

[1] مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۹۷

کیسے ہوگا۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔

قرآن عزیز کہتا ہے:۔

وقالوا ءاذا کنا عظاما ورفاتا ءانا لمبعوثون خلقا جدیدا ۔ قل کونوا حجارۃ او حدیدا ۔ او خلقا مما یکبر فی صدورکم ۔ فسیقولون من یعیدنا ۔ قل الذی فطرکم اول مرۃ ۔ (پ بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو تم اپنے دل میں مشکل سمجھو۔ پھر پوچھیں گے کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ تو فرما دیجئے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا:۔

کما بدأنا اول خلق نعیدہ ۔ وعدا علینا انا کنا فاعلین ۔

(پ انبیاء)

ترجمہ: جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو لوٹائیں گے، ہمارا ضرور وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا:۔

قد علمنا ما تنقص الارض منہم وعندنا کتاب حفیظ (پ ق)

ترجمہ: ہمیں معلوم ہے جو زمین کھا رہی ہے ان میں سے، اور ہمارے پاس پورا ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے:۔

من یحی العظام وہی رمیم ۔ قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ وہو بکل خلق علیم ۔ (پ یٰسین)

ترجمہ: کہ ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کرے گا؟ ـــــ
آپ فرما دیجئے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار بنایا
تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیات انسانی کیسے ان ذروں میں لوٹ کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا: یہ ریزے اور چورا تو بہرحال انسانی لاشے سے ہیں جس میں پہلے زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں، میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ جو آثار حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی کوئی زیادہ سخت چیز جس کا زندہ ہونا تمہیں اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، وہ بن کر دیکھو، حتیٰ کہ موت مجسم بھی بن جاؤ تو اس قادر مطلق کے لیے تمہیں پھر اسی جسد عنصری سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشر آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے جہاں یہ بتایا جاتا ہے وہاں بھی یہ مفہوم متبادر ہے، گویا کہ حشر آخرت کے لیے ضروری یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور ذرات منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں، پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے تو ان کی یہ حیثیت ذرات منتشرہ اور عظام رمیم سے کیوں نہ ہوگی۔ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے، ان کا جسد اسی حالت سے اٹھایا جائے گا، کیا قرآن پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں حشر آخرت ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ پر مبنی ہے؟

تاہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسم محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو ان پر سو سال تک وارد رہی۔ اس دوران وہ اپنی جسمانی زندگی کو دوبارہ پا سکے۔ جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا حالانکہ وہ یقیناً زندہ تھے۔ کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا نہ باسی ہوا۔ کھانے میں زندگی رہی تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی مخفی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ معلوم ہو۔ انبیاء کا بدن جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آ سکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے انبیاء کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملتے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد تک اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے۔ جب لاٹھی کو گھن لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم زمین پر آ گرا۔ اسے کیڑا کیوں نہ لگا؟ اس لیے کہ یہ اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے انکی ہڈی تک نہ ٹوٹی۔ ورنہ خشک اور لمبی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم مبارک نرم اور تر و تازہ رہا۔ زمانے کے موسمی اثرات اس پر نہ اترنے پائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی روح مبارک کے آثار باقی رہے تب جسم کو ملے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں حضور کا جسم اطہر قبر مبارک میں آج بھی اسی طرح تر و تازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ
الْمُهِينِ۔ (پ ۲۲۔ سبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب وہ زمین پر آ گرا تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں
اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

اس میں اشارہ ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں ان کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں :۔

سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری مدت تک انہیں باقی رکھا گیا۔[1]

حشر کے دن انبیاء کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثار لطیفہ بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں موجود — جب ان سے برزخ کا پردہ اٹھے گا تو وہ مکمل زندگی میں سامنے آ جائیں گے یہی ان کا حشر ہے وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کو آخرت میں دوبارہ لباس حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ عامۃ الناس کو جو زندگی اور کامل حیات عنصری اس دن ملے گی، وہ انبیائے کرام کو پہلے ہی سے عالم برزخ میں حاصل ہے۔ صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبروں میں ہی اس حیات جسمانیات پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ اس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبروں سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور ان کا عالم برزخ یکایک عالم آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک مکمل اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرت ایزدی سے ان کی قبریں شق ہوں گی۔ بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں قدرت ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا، اس دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیائے کرام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضور نے ارشاد فرمایا :۔

انا اول الناس خروجا اذا بعثوا۔[2]

ترجمہ: جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔

---

[1] تفسیر عثمانی ص [illegible]   [2] مشکوٰۃ ص [illegible]

ہر تحقیق و تنقیح کی نوبت جب ضرورت پیش آگئی، محدثین کے قواعد و ضوابط مدون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصریح سے بھی روایات کے صحیح و سقیم ہونے پتہ چلتا رہا۔ تحقیقِ روایت کی یہ راہیں بڑی نازک ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سند و روایت میں جب کوئی ایسا راوی آجائے جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ یہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مفسّر ہے یا غیر مدلل اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ یہ تحقیق ایک مستقل فن ہے جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ علمی تحقیقات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کسی جرح یاد کرا دینا اور پھر محدثین سے استغنا برتنے کی آبیاری کرنا، عام سمجھتے رہنا کہ اہل سنت کے ہاں اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں۔ یہ تعصب عوام میں نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ روایات منکر اور ضعیف ہی ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟

آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحزب کا شکار کرنے کے لیے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہوا کسی راوی پر ادنیٰ اشارۂ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت در پیش ہوئی، وہاں تصحیح محدثین کا سہارا لے لیا۔ فالی اللہ المشتکی۔

جہاں صحیح مسلم، سنن ابو داؤد تک کی احادیث "موضوع روایات" کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتب فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس انداز فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں۔ ؎

طبعت علی کدر و انت تریدها
صفوا من الاقذاء والاکدار

ایسے پُرخطر دور میں، جب کہ احترام سنت اور تکریم سنت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملت کی مہمات میں تعمیری، فروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے

مولانا اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ دینی حلقوں میں جہاں بھی، اعتدال سلف کے خلاف کوئی چیز اور کسی شکل میں نظر آئے، اسے اعتدال میں لانے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیعت ہونے کے وقت بھی تو اس بات کا تکفل رکھا جاتا ہے کہ اصلاح آشفتگی کبھی خود ہی حیات کو ...

ہاں اگر طریق اختلاف ایسا ہو جس میں اکابر کے خلاف جذبات نفرت پیدا ہوں تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمۂ اعتقاد سے سیراب ہو سکتے ہیں بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات ضرورت تحقیق کا مقام پا لیں۔

اس سے انکار نہیں کہ فروعی مسائل میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ ـــــ اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ موقف قطعی نہیں، اجتہادی مسئلہ ہے آخر جانب مخالف بھی احتمال صواب سے خالی نہیں الغرض ہر شخص اپنے عمل پر رہے تو اختلاف کے باوجود تنازع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آ ٹھہرتا ہے۔ وہ مختلف حدیثیں ہوں تو صحابہ کرامؓ کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی نصیحت آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے۔

عن عمر رضی اللہ عنہ قال سیأتی ناس یجادلونکم بشبہات القرآن فخذوہم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارمی۔ (کنز العمال جلد ۱)

ترجمہ: ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہات قرآن سے استدلال کر کے جھگڑیں گے تم ان کا مقابلہ سنت سے کرنا اصحاب السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کون ہو سکتا ہے

اس رسالہ ہدایت مقالہ میں اس آفتاب رشد و ہدایت کے تذکرہ جدید ہونے کا بیان ہے جس کے شعاع رفقاء نے ان تعداد ذروں کو حقیقت خورشید بنا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بے شمار تشنگان کو چشمۂ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ

تمہید

الحمد للہ الکبیر القادر علی جمیع الممکنات المرید لجمیع الممکنات والصلوٰۃ والسلام علی جمیع الہداۃ بالترہیب والبینات الذین ہم احیاء فی قبورہم بعد الممات خصوصاً علی خاتم الرسل وافضل المخلوقات سیدنا ومولانا محمد النبی الذی ھو حی فی روضۃ من ریاض الجنات وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ الذین یقتبسون من نور حیاتہ فی الحیات وبعد الممات. اما بعد:

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جاسکتا۔ قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات کثرت سے پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل —— عالم برزخ —— پر اجمالی اشارات ہی کی صورت کیا فرمایا ہے۔ برزخ ایک ایسا پردۂ خفا ہے کہ وہاں کے حالات حواس ظاہری کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس پردۂ خفا میں ہے اُسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے، جس کی انتہا قیامت پر ہے۔

ومن ورائہم برزخ الی یوم یبعثون۔ (پ۱۸، مومنون)

ترجمہ: اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے

انسان اس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھوڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو رفتہ رفتہ ہٹتا ہے۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور رب العزت نے کئی بار اس عالم کو ان پر منکشف فرمایا۔

ظاہر ہے کہ کتاب کے دیکھنے کہ یہ جھلکیاں اور انکشافات کے بیان اس دنیا کے ناآشنا

ماحول میں عالمِ برزخ کے معاملات و حوادث کی حقیقت پالیں، نہیں پا سکتے۔ بس ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرما دیا اس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرضِ خفا میں ہو، اس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں۔ اور مافوق العقول کو خلافِ عقل قیاس کرتے ہوئے منقولاتِ صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دور

عالمِ ارواح

یہ وہ جہان ہے جہاں روحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب روحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری آجاتی ہے، وہ روح کسی جسم میں آکر یہاں جلوہ پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں تمام نوعِ انسان سے عہدِ الست لیا گیا تھا۔ قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے۔

واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا ان تقولوا
يوم القيامة انا كنا عن هذا غافلين ۔ (پ ۹ الاعراف : ع ۲۲)

ترجمہ: اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر، کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ سب نے کہا کیوں نہیں، ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

ضروری تھا کہ یہ تخمِ ہدایت جسے کل انسانی تعلیمات کا مبدء و منتہیٰ اور تمام ہدایاتِ ربانیہ کا وجودِ مجمل کہنا چاہیے، عالمِ غیبی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں

یہ عالمِ ارواح اور دنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے اور زندوں کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالمِ ارواح کو اسی لیے عالمِ ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر ہے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھا نہ جا سکے (جیسے قبر میں روح و بدن کا تعلق) تاہم عالمِ ارواح کے سوا دنیا ہو یا آخرت اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہان ہر جگہ روح و بدن کا علاقہ مقرر ہے۔

الحاصل عالمِ ارواح ایک پورا جہان ہے جس کے اپنے احکام ہیں اور صرف اسی جہان میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دنیا، برزخ اور آخرت تینوں میں بدن کا عنصر اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

عالمِ دنیا

عالمِ محسوسات میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے۔ قرآن اسے الحیوٰۃ الدنیا سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح و بدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ مگر جسد کے احکام روح پر غالب ہوتے ہیں۔[1] یہاں حیات کا تقوّم اس دنیا کے نفسِ مادی پر ہوتا ہے۔ تغذیہ و تنمیہ اس زندگی کے لوازم ہیں۔ اس کی حد موت کی انتہا پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم دار التکلیف ہے اور یہی دار العمل، جس کے خیر و شر عمل پر جزا یا سزا مرتب ہوتی ہے۔

---

[1] قال العارف الجامیؒ ان الغالب فی هذا العالم احکام الاجساد و احکام الروح مستورة لظهور الجسد وخفاء الروح وینعکس الحال فی البرزخ وتظهر احکام الروح اما المحشر فیستوی فیه الحکمان والله اعلم۔

عالمِ دُنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دُنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دُنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی احوال کو دیکھ پاتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی یہ دُنیوی زندگی دُنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالمِ برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انه صورت لی الجنة والنار حتی رأیتهما وراء الحائط[1]

ترجمہ: جنت اور دوزخ ایک تصویری صورت میں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے۔

لقد رأیت الآن منذ صلیت بکم الصلوٰة الجنة والنار ممثلتین فی قبلة هذا الجدار[2]

ترجمہ: ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبلہ کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضورؐ نے عالمِ بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ یہ کہاں دیکھا؟ اسی دُنیا میں ـــــ کیا کسی اور نے بھی دیکھ پایا؟ نہیں ـــــ یہ دُنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں تھیں جو آپ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں: ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا۔

انه عرض علی کل شیء تولجونه فعرضت علی الجنة حتی تناولت

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۳ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۱۰

منها قطفاً اخذته ... وعرضت علی النار فرأیت فیها امرأة من بنی اسرائیل تعذب فی هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من خشاش الارض ورأیت ابا ثمامة عمرو بن مالک یجر قصبه فی النار[1]

ترجمہ: مجھ پر ہر چیز جس میں تمہیں جانا ہے دکھلائی گئی ہے۔ مجھے جنت بھی دکھلائی گئی یہاں تک کہ میں نے اس کے انگوروں کے کچھ خوشے لیے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی کے معاملہ میں عذاب ہو رہا تھا جس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور اسے کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھا لے اور میں نے ابو ثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا

اور یہ بھی فرمایا:

ما من شیء لم اکن رأیته الا رأیته فی مقامی هذا حتی الجنة والنار[2]

ترجمہ: کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے دکھلائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

عرضت علی اجور امتی ... وعرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنباً اعظم من سورة من القرآن او آیة اخذها رجل ثم نسیها[3]

ترجمہ: مجھے اپنی امت کے اجر و اعمال دکھائے گئے ... مجھے میری امت کے گناہ بھی دکھلائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:

عرضت علی الامم فرأیت سواداً کثیراً سد الافق فقیل هذا موسی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] صحیح البخاری من اصحاب جلد ۱ صفحہ [illegible] [3] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ [illegible]

موسیٰ فی قومہ[1]

ترجمہ: مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی تھی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔

ایک دفعہ آپ شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا۔

انی واللہ لانظر الی حوضی الآن وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض

انی واللہ ما اخاف ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف۔[2]

ترجمہ: میں اپنے حوض کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔

اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے مجھے تو اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جا نکلے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا۔

انی اری الفتن تقع خلال بیوتکم کمواقع المطر[3]

ترجمہ: اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا تمہارے گھروں میں فتنوں کو اس طرح آتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اترتی ہو۔

حضرت ابو ایوب انصاری کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے پاس سے گذرے۔ آپ نے فرمایا۔

فقال یہود تعذب فی قبورھا۔[4]

ترجمہ: یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔[5]

---

۱ صحیح بخاری جلد [illegible] ۲ ایضاً [illegible] ۳ صحیح بخاری جلد [illegible] ۴ صحیح بخاری جلد [illegible] کتاب الجنائز

۵ ارشاد الساری جلد [illegible]

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت کرتے ہیں ہم ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپ رو پڑے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

ترجمہ: ایک دن میں حضورؐ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے ہاتھ سے کوئی (چیز دفع کی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آ رہی تھی میں نے کہا حضورؐ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں یہ دنیا ہے جو میرے سامنے متمثل ہو کر آگئی ہے میں نے اسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا

یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپ نے عین بیداری میں دیکھے. آپ کے بعد بہت سے اولیاءؒ بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالم دنیا میں عالم برزخ کے نظارے دیکھے —— اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جا سکے تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اس عالم کی جھلک دیکھی ہے ؎

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود　　گاہ الجھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں

پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں ہوتے یہ وحی الٰہی کے پردے ہیں جن پہ حقائق و معارف اترتے ہیں. حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں۔

رؤیا الانبیاء وحی. (رواہ الترمذی)

① —— حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں نے اسے پی لیا یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اس کی سیرابی کے اثرات دیکھے:۔

ثم اعطیت فضلی عمر قالوا فما اولته یا رسول اللہ قال العلم ؎

ترجمہ: پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمرؓ کو دیا صحابہؓ نے پوچھا حضورؐ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے فرمایا— علم

؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲

(۵) ——— حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے ان پر مختلف پیمائشوں کی قمیصیں تھیں۔

ومر علی عمر بن الخطابؓ وعلیہ قمیص یجرہ قالوا ما اولت یا رسول اللہ قال الدین۔[1]

ترجمہ: اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرے اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے آپؐ نے فرمایا ——— دین۔

(۶) ——— حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے اس ڈول سے کچھ پانی نکالا پھر اسے ابوبکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے پھر ڈول بھاری ہونے لگا۔

فاخذہا عمر بن الخطابؓ فلم ار عبقریا من الناس ینزع نزع ابن الخطابؓ حتی ضرب الناس بعطن۔[2]

ترجمہ: پھر اسے عمر بن خطابؓ نے لے لیا اور اب تک کوئی جوان اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جس طرح خطاب کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈیروں میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوے تھے جو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دنیا ان سے سیراب ہوگی چونکہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے مانگ کر لیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ خود حضورؐ کو مقامات عمرؓ دکھا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رأیت کان امرأۃ سوداء ثائرۃ الرأس خرجت من المدینۃ حتی قامت بمہیعۃ وہی الجحفۃ فتاولتہا ان وباء المدینۃ نقل الیہا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۸ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۷
[3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۱ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں، مدینہ سے
نکلی ہے اور مہیعہ میں ٹھہر گئی ہے، اور وہ جگہ جحفہ ہے۔ میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ
کی وبا وہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا کہ
مجھے پوری زمین کے خزانے دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے۔ وہ
مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا، اسی وقت مجھے وحی آئی۔

فنفخهما — فنفختهما فذهبا فأولتهما الكذابين اللذين انا بينهما صاحب
صنعاء وصاحب اليمامة۔[1]

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں۔ میں نے انہیں پھونک دیا، وہ اڑ گئے۔ میں نے
ان سے دو کذاب، اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب مراد لیے جن میں ان سرزمینوں میں جو
ان دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب نکلیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ
کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔

عملاً انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں پھونکا۔ یہ حضرت صدیق اکبر کی سعادت
تھی کہ دورِ رسالت کا یہ خواب ان کے دستِ حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے ان کی خلافت
کی صداقت آشکارا ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب خود بھی وحی تھا۔ پھر اس خواب میں وحی آنا ایک اور مرتبہ
وحی کا پتہ دیتا ہے۔ اور یہ دونوں مراتب آپ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے
لیے کافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں سوتے ہوئے عالم بیداری، عالم غیب، عالم برزخ
اور آخرت کی جلووں سے آشنا ہوتے۔ اور آپ کے لیے منکشف ہوا، عالم برزخ کے کئی ایسے واقعات تھے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۱، جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۱

جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخی کوائف سے ناآشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی احوال باقی رہیں۔ جن کا علم اللہ کو ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے:-

وَمِن وَّرَآئِهِم بَرزَخٌ اِلٰی یَومِ یُبعَثُون (پ ۱۸ المؤمنون ع ۶ آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے آگے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

موت کے بعد سے لے کر قیامت تک یہ پردہ قائم رہتا ہے۔ اس میں روح اور بدن یا روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت ضعیف اور قوی تعلق[1] قائم ہوتا ہے۔ اس

---

[1] یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثار حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح کو علیین یا سجین سے لا کر داخل بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے مستقر میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذرات بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی ہوتی ہے۔ در قبر حیات دادہ حیاتے حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعۂ روح بر بدن تعلق پیدا می شود کہ تغیر و تغیر بحواس آن بسی یافتہ شود۔ (تحفۂ اثنا عشریہ ص ۲۲۲ نولکشور)۔ ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی رہتا ہے کہ آنے والے زیارت کرنے والوں کی اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں کیونکہ روح کو قرب و بعد مکانی سے اس معرفت کا مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۴۳ مطبع فاروقی دہلی) روح کا علاقہ بدن سے ساتھ بطور عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے واقف رہنے والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۴۲ تحت آیت ثم اماتہ فاقبرہ)

ہے۔ دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں
آتی۔ یہاں کی زندگی کے لیے روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ
بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تحقق ہو جاتا ہے قبر کی منزل
اسی دور میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم ایک جہت سے مراحل دنیوی سے بھی متعلق ہے
اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔[1]

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے۔ ۱۔ عام مومنات عالم برزخ میں روح و
بدن کے تعلق سے راحت قبر یا عذاب قبر کے مرحلے سے گزرتے ہیں۔ ۲۔ شہداء عالم برزخ میں جا کر حیات
سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر
برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثار حیات بار بار مشاہدہ کیے جاتے رہتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء عالم برزخ
میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں، گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہد نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک

---

[1] الحیاۃ فی اللغۃ شیء مغایر للروح لا عینہ بل ثمرۃ متعلقۃ وزعم بعض الناس انہ عین الحیوۃ
ولیس کذلک خفی النصوص ذکر الحیوۃ ولیست روحا وتعلقات الروح فی عقیدۃ السفارینی
جلد ۲ صفحہ ۲۲ عقیدۃ الاسلام صفحہ ۱۲۳ ان ملازمۃ الحیوۃ للروح امر عادی لا عقلی فہذا مما یجوز ان یتخلف
(تحفۃ المستفید صفحہ ۴۰) [2] عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی باطنی الادراک حیثیت
ہے بعض قبریں اپنی برزخی حیثیت میں میلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی
دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادگی سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں، اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں
پس حقیقت قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے یہ قبر صرف اس
منزل کا ایک پیش خیمہ ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے اس کی برزخی وسعت و تنگی کو ارباب معرفت
بھی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی
چاہیے کہ اس ظاہری قبر کو حقیقت قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغایر چیز ہے
واللہ اعلم بالصواب۔ [3] دیکھیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی دفتر ۲ صفحہ ۱۲ مکتوب ۱۶

حسی زندگی محسوس کرتے ہیں۔ وہاں احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ان کے مقتدوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوا۔ اُن کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا رب کے اشراف و اشراق سے اس میں اہل السنة والجماعت کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعبیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پورا نقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پورا واضح کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے وہ لسان شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں:

فیقال نم صالحاً قد علمنا ان کنت لموقنا به [1]

ترجمہ: اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو۔ ہمیں علم ہے کہ تو اس پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی وہ ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان دنیا کا ہی رہتا ہے لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہو آتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس کے باوجود بستر کے آثار اس کے مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ عالم برزخ میں بہت دنیا کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام عالم برزخ میں اس پردہ تمام واردات ہو رہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت میں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں۔ محدثین لکھتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible]

تضییق القبر واختلاف الاضلاع حقیق لا انہ مجاز[1]

ترجمہ: قبر کا سخت و تنگ ہونا، اور پسلیوں کا آپس میں ٹکرانا یہ حقیقت ہے کوئی مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جا سکتی ہے۔ اصحاب کہف مدتوں نیند میں رہے اور حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں رہے تھے۔ دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ بعثنا یوما او بعض یوم برزخی زندگی میں جسم کی یہ ایک کیفیت ہے اور عالم برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ ہے۔ اس عالم سے گزرنے والے اسے نیند ہی سمجھتے ہیں

قالوا یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا ھٰذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون (پ۲۳ یٰسین آیت ۵۲)

ترجمہ: کہیں گے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے۔ یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی ایک دور برزخ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا (پ۲۴ الزمر آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے۔ توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لیے یہاں نہیں لوٹتی اور نیند والے کے لوٹ آتی ہے امساک و ارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہو سکتی۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رض

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۰۳

روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

النوم اخو الموت۔[1] (نیند موت کی بہن ہے)۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پا اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من مرقدنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا ——— اور دوسری طرف ہے:

النار یعرضون علیها غدوًا و عشیا۔ (پ ۲۴ : المؤمن : آیت ۴۶)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دنیوی اعمال کے مختلف پیرایے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرایے اختیار کر لیتے ہیں، کہیں عذاب کے منظر دکھائے جا رہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر۔ برزخ کو ایک نیند کرکے سمجھا جا رہا ہے یا ہو سکتا ہے یہ نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو

حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور وہاں کے اعمال بھی جاری ہیں۔ جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر، جو نہ سمجھ میں آئے اسے لاشعوروں کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وبیدہ السداد وبیدہ الملامۃ۔

حضورؐ سے پوچھا گیا۔ اینام اهل الجنة؟ کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپؐ نے فرمایا: لا ینامون کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب و خیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

---

[1] رواہ البیہقی کما فی الجامع الصغیر ص ۲۲۲ السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۱۰

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس انسانی رکھتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموعہ کو ہی نفس انسانی کہتے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں۔

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا ہے۔ اس نفس انسانی کا طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک دنیا جو دار العمل ہے، ایک آخرت جو دار القرار ہے اور ایک برزخ جو دار الانتظار ہے۔ ان تینوں جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے

(۱) دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات قبول کرتی ہے

(۲) برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے جسم اس کے تابع ہو کر اس کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو یا بکھر جائے۔

(۳) اور آخرت میں روح و جسم کا مکمل اشتراک ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کو اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا استقلال ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لیے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعیم و جحیم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متألم ہوتا ہے اور جنت آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی

سوالات سے بھی حسب حیثیت و مرتبہ مستفید ہوتا ہے دنیا والوں کے احباب خیریتی دعاء ایصال ثواب، الغرض باطنی اس حد تک پہنچتے ہیں حتی کہ مردوں کی زیارت سے بھی مستفید ہوتا ہے پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تصرف و ادارات باطن سے از خود اثر و کیفیات حتی کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لیے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق کا تعلق بہ نسبت آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالم برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے خواہ بہ ہیئت بدن ہو یا بہ ہیئت ذرات لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم و مستقر نہیں چہ جائیکہ خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ کشفاً روحانیت سے عالم آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرا دی جائے یا مشاہدہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی لذتوں اور کلفتوں سے متلذذ اور متألم بھی ہو لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو کبھی بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزیں اور مقیم پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لیے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا تجردی طور پر انتقالی رابطہ کی ہے بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا ½ حصہ (بدن) مقیم ہے خواہ کسی حیثیت سے ہو یا بصورت ذرات، خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

---

[1] عالم برزخ از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

اہلِ برزخ کی دنیا سے اور اہلِ دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہلِ دنیا سے اور اہلِ دنیا برزخی افراد سے ملنے جلنے کے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ و اقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں یا بالفاظ دیگر میں اپنے احوال و مقامات ان تک پہنچا دوں جیسے نص قرآنی شہدا حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر ہمارے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے نص حدیث نبوی مرنے کے بعد روح کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ و اقارب اس کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو یہ موت کی شدتوں سے چھوٹ کر آ رہا ہے

بہرحال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بنا پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

۱؎ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم ۔ (پ ۴ آل عمران آیت ۱۷۰ تفسیر عثمانی)

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دو قسم کے جہانوں میں اس تقسیم بُعد کی وجہ سے یہ خواہش فطرتاً ان میں ڈال دی ہے تو اسی کی بنا پر قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تکمیل کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات و احوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہو سکیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل و طرق کیا ہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے ناقص ذہن کی رسائی ہوئی پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات و احوال کا فی الجملہ علم ہو سکتا ہے۔

(۱) ایک عینی مشاہدہ۔

(۲) دوسرے مخبر صادق کی خبر

(۳) تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔

(۴) چوتھے انکشاف قلبی

(۵) پانچویں قیاس و استنباط

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے جملوں کے اضافے سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے حد خوش و خرم نظر آتے تھے۔
چہرہ انتہائی بشاشت اور امنگوں سے پُر محسوس ہو رہا تھا، اسی حالت میں شوق و خوشی
سے بھرپور آواز میں فرمایا۔ غدا نلقی محمدا واصحابہ (کل کو انشاء اللہ ہم محمد
صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے ملیں گے) آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام
ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس و تخمین
سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلا شبہ امر غیبی ہے
عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لیے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے
گا کہ اس برزخی مقام کی حضور ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس درجہ
کامل وثوق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین حالی تھا۔ اس لیے اس
اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاتی مقام کہیں گے اور جس سے ایک
برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ نصوص میں کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام
کا نام بنام تعین نہ ہو یا افراد و اشخاص کا تذکرہ نہ ہو بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو
جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار
کے پاس سے رزق پاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں سبز پرندوں کے قالب دیئے
جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں
پانیوں اور نہروں سے متمتع ہونے کی آزادی ہوگی لیکن جنت اس وقت ان کا
قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے کی قندیلیں ہوں گی جو عرش
میں آویزاں ہوں گی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں

بیدا کرے گی۔ [1]

مزید اکرام و تشفی کے لیے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہیے ہو وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا۔ اس لیے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لیے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال برزخی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اچھا اور برے کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرما دیا گیا کہ:-

تحشرون کما تموتون وتموتون کما تعیشون۔

"اعتبار حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے۔"

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لیے جو موت سے شروع ہو کر یوم محشر پر ختم ہوتا ہے، دنیا کی عملی زندگی کو معیار شناخت فرمایا گیا ہے پس اخروی مقام کے لیے ذریعہ شناخت برزخ ہے اور برزخی مقام کے شناخت کے لیے ذریعہ شناخت دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعلقین وابستگان کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے

---

[1] دنیا سے ان ارواح کا ان کے بدنوں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ دوران کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جا سکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھو یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الٰہی کی نوعیت معلوم کرو، پھر اس قیاسی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گواہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عند اللہ بھی اچھے ہو، پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا۔ خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضورؐ نے فرمایا کہ جنت واجب ہو گئی اور علت موجب یہ فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمۂ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا لہٰذا جنتی ہو گیا، اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت برا آدمی تھا خس کم جہاں پاک۔ اسی طرح آخرت میں بھی پچھلی اقوام پر اس امت کی شہادت معتبر ہو گی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوحؑ کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیانات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیاتی ہے ایک

طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کا ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقامات میں اجمال و تفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لیے یا اس کے مقام کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہوں یا بصورت اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی علامات میں بھی اجمال و تفصیل کا فرق ہے کہ کسی کے لیے نیک ایک عمل کو شخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہوگا۔[1]

عالم برزخ کی تفصیل اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ وسعتوں کا اندازہ کر سکیں تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الٰہی حکمت کے بڑے بڑے پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے جس میں ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا اور ملنا اسی طرح واضح ہوگا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روح تنہا کی زندگی ہے اور اسی لیے اسے عالم ارواح کہتے ہیں۔ باقی تینوں جہان روح و بدن کے مختلف الدرج تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ان میں مستقل طور پر دار القرار صرف عالم آخرت ہے۔ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔

---

[1] عالم برزخ مؤلفہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب طبع لاہور

اگر آپ دنیوی حیات کے لفظ سے بچ سکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیجئے ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں بلکہ حیات (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں انتقال وہ دنیا سے ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افراد نہیں اُس جہان کے رہنے والے ہیں۔

اگر کہیں ان نفوس قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقاء ہے اور ان کی وفات سے ان کے عمل کا انقطاع رکا نہیں۔

سو ان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں ظرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم ان شاء اللہ پھر وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذاب قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لیے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہونا ضروری نہیں جس طرح وہ زندگی پردے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت و حیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوتی جو اسم موت کو یکسر اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی ہے کہ عام متکلمین تو اسے نہ پا سکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جاتی ہے جس سے قبر کے نعیم و الم کا ادراک ہو سکے قبر میں نعیم و الم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک عبوری نوع ہے جو عالم برزخ میں ہوتی ہے اسی لیے اسے حیات برزخی کہتے ہیں علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادی لکھتے ہیں:-

ان عود الاعادة ليست مستلزمة لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية والحياة جنس تحته انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لا ينافي الحياة [illegible]

اہل شہداء اور انبیاء کے لیے اس حیات برزخی میں آنے سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان کے لیے موت صرف اس معنی میں ہوتی ہے کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس کے بعد ان کے لیے موت نہیں نہ انہیں مردہ کہو نہ مردہ سمجھو

اسلام کا عقیدۂ برزخ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے یہ عالم برزخ ہے جسے عالم نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں۔ اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے بُرے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بڑے حساب سے پہلے بعض بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں کئی احتمال ہیں۔ دنیا کے مصائب وآفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں۔ جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے۔ بدن جس حال میں ہو (یکجا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا ذراتِ منتشرہ کی صورت میں) اس عذاب ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے یہ ہر کسی کے لیے مدرک اور مشاہد ہے۔ آخرت کی زندگی بھی کھلی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ پردہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عربی میں برزخ کہتے ہیں۔ یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے۔ یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان اسے خود سے سن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لیے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ محمد عبداللہ القرطبی (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

فاعلموا یا اخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و

اسماعهم من الجن والانس عن رؤية عذاب القبر وفتنته لحكمة الٰهية ومن شك فی ذالك فهو ملحد [1]

ترجمہ۔ اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے اور احادیث صحیحہ صراحت سے یہی بتلا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے (گمراہ ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے برزخی زندگی کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس کا ادراک و احساس کھلے طور پر نہیں ہوتا لیکن اس کا ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

ونحن لا نشعر به كما انا نحسب المغمى عليه ميتا وكذلك يضيق عليه الجو كضمة القبر ونحسبه متسعا ومن ذلك من خالط الايمان قلبه [2]

ترجمہ۔ اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پہ لٹکا ہو) اور یہ اس کے لیے ضمۃ القبر (قبر کا دبانا) ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں:

روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور شدید ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ

---

[1] مختصر التذکرہ ص۴۲ للشعرانی طبع مصر [2] شرح الصدور ص۵۰ مصر

پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔[1]

دنیا اور آخرت کے درمیان یہ برزخی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پردے کے پیچھے ہیں۔ دنیوی زندگی، برزخی زندگی اور اخروی زندگی یہ تین دور انسانی حیات میں ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں جہاں برزخ میں یہ ربط اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم نصوص شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب و سنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

① قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے

① پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔

② وفات کے دن (یہ سلامتی پوری برزخی زندگی کو شامل ہے)۔

③ جس دن آپ قبر سے زندہ اٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اخروی زندگی پر محیط ہوگی)

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے۔

وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا۔

(پ ۱۶، سورۃ مریم آیت ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لیے نہیں، پوری دنیوی زندگی کے لیے ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی برزخی زندگی کے لیے مانگی گئی۔ وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لیے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پردے میں ہے۔ پھر کھلی زندگی ہے آپ اس وقت اٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اٹھنا ہے۔ ان تینوں زندگیوں میں روح و بدن دونوں کے لیے سلامتی کی طلب ہے۔

---

[1] المصابیح التعلیق جلد ۴ صفحہ ۲۸

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے۔

والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا

(پ ۱۶ : مریم آیت ۳۳)

ترجمہ: سلامتی مجھ پر اس حالت بھی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی جب میں مروں اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں بلکہ تین مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایام ثلاثہ ہیں یا مراد مواطن ثلاثہ ہیں

یہاں صرف یوم پیدائش، یوم وفات اور یوم بعث مراد نہیں بلکہ مواطن ثلاثہ ہیں اور انسان ان تینوں میں بشرط عزت سے سلامتی کا طالب ہے۔ محققین نے یہاں مواطن ثلاثہ ہی مراد لیے ہیں۔

حافظ ابن جوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر لکھتے ہیں:-

فخص اللہ تعالیٰ یحیی بالکرامۃ والسلامۃ فی المواطن الثلاثۃ۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۷۱۰ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطن ثلاثہ مراد ہیں:-

وذلک السلام الموجہ الی یحیی فی المواطن الثلاثۃ۔[2]

آئیے اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں:-

---

[1] زاد المسیر جلد ۵ صفحہ ۲۱۹ [2] مدارک التنزیل جلد ۳ صفحہ ۲۱

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) یوم ولادت سے پوری دنیا کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار ہے۔ یوم الموت سے پوری قبر کی مدت مراد ہے اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور یوم ابعث حیا سے بھی آخرت کی پوری زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی تخصیص یوم ولادت، وفات اور یوم بعث کی اس لیے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان بہت کمزور، عاجز اور نہایت مضمحل ہوتا ہے، پھر کچھ سنبھل جاتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں

وخصها في المواطن التي الانسان فيها في غاية الضعف والحاجة۔[1]

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

يوم ولادت يعني في الدنيا ويوم الموت يعني في القبر ويوم البعث يعني في الآخرة۔

اور ماحصل اس دعا کا لکھتے ہیں۔

فسلمه في احواله كلها[2]

کہ دعا ہے ان تینوں احوال کے کل مرحلے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایام ثلثہ مراد نہیں لیتے۔ ان مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یوم الموت سے کل برزخی زندگی مراد ہے جیسا کہ آپ لکھتے ہیں۔

اعظم احوال الانسان احتياجا الى السلامة هي هذه الاحوال الثلثة ... فجميع الاحوال يحتاج فيها الى السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالى لطلبها ليكون مصونا عن الآفات والمخافات في كل من الاحوال۔[3]

---

[1] الجامع لاحكام القرآن جلد ۱۱ صفحہ ۸۹ [2] تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۱ [3] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۲

ترجمہ- انسان کے سب سے زیادہ حاجتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں ....
سو تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش بختی کا طالب
ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات
سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یوم اموت کو صرف یوم وفات سے خاص نہیں کرتے
اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں، اور والسلام علی (مجھ پر سلامتی ہو) سے ایک
نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے، حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی
تھی --- یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت
میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل ہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمیۃ للدلالۃ علی الاستمرار[1]

صاحب روح المعانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

فعدل الی الاسمیۃ لارادۃ الدوام والثبوت[2]

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلام کی
طلب مدت قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے[3]

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے
کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض
جماد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی
بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں اپنی قبر میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔

برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جماد بے جان ہوتا تو اس دور کے لیے اللہ سے سلامتی
کی طلب نہ ہوتی۔

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۶ صفحہ ۱۴ [2] روح المعانی جلد ۱۶ صفحہ ۸۰ [3] دیکھئے تفسیر خازن جلد ۴ صفحہ ۲۳۸

قبر میں سلام سے مراد عذاب قبر سے سلامتی ہے یا سلام تحیہ بھی مراد ہو سکتا ہے

علامہ طبری (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عام اموات کے بہت مناسب ہے کہ احوال قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے لیے اس سلام سے مراد سلام تحیہ ہے۔ ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلام تحیہ کہتے ہیں اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا (پ النساء ع) میں السلام علیکم کہنے کو سلام تحیہ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام پر اس قبری زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلام تحیہ ہی ہے۔

قرآن کریم میں یا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے موطن وفات (قبری زندگی) میں جس سلام کا ذکر ہے وہ یہی سلام تحیہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی قبر میں محض جماد یا پتھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو دوسروں کو محسوس نہ ہو لیکن [illegible] رب العزت کی طرف سے ان پر سلام تحیہ برابر اترتا ہو اور وقت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (ھ) کہتے ہیں:۔

والاظهر عندي انها التحية المتعارفة فهي اشرف وانبه من الامان لان الامان يتحصل بنفي العصيان منه وهي اقل درجاته وانما الشرف في ان سلم الله تعالى عليه[1]

ترجمہ: میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلام تحیہ مراد ہے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف میں بڑھ کر اور زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے ہی۔ اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر سلام (تحیہ) بھیجے۔

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ... روح المعانی جلد ۱۶ صفحہ ...

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری اخروی زندگی خدا کا قرب پاتے ہیں اور ان پر بے شک یہ سلام بھیجا جاتا ہے۔ انھیں کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جماد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ بعض سمجھتے ہیں رہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں بلکہ اور درجے کا نام ہے جس پر یہ اکرام و شرف اترتا ہے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

كيف تعرض صلوتنا عليك وقد ارمت۔[1]

ترجمہ۔ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

سو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے۔ برزخ میں بھی آپ پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتے ہیں۔ یہ زندگی چونکہ کامل زندگی نہیں پردے میں ہوتی ہے اس لیے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر برزخ چونکہ بعض علماء کے نزدیک مطلق دنیوی ہی سے ہے اس لیے اسے ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹

③ دنیوی پکڑ سے متصل عذاب اُخروی

قوم نوح اپنی غرقابی سے اپنی برزخی زندگی میں داخل ہوئی یہ آگ میں داخل ہونے کے مشابہ ہوا۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کیے جائیں گے یہاں ان کو اشد العذاب میں داخل ہونا ہوگا۔

مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا (پ ۲۹ ؛ نوح آیت ۲۵)

ترجمہ: وہ اپنی خطیوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں: بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت دوزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔[1]

④ انسانی زندگی کے تین دور

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ

(پ ۱۶، طٰہٰ آیت ۵۵)

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

فیہا نعیدکم سے مراد قبر میں جانا ہے قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو یا جہاں جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضروری ہے جیسے جلے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں ایک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوال قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبور ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا یہ قبریں جن میں ہم جنازہ دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۷۴۲

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ اس پر متنبہ کرتا۔ وہ تو یہی سمجھ کر یہی فیہا نعیم مقیم کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔

برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے سب دکھ درد روح کو پہنچے گا وہ عذاب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے جس سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔[1]

قبر میں مرنے کے بعد روح بے جان جسم سے رہتا ہے یا نہ؟ اس کے کچھ نئے معاملات بھی ہیں جن کی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فتعاد روحه في جسده فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك[2]

ترجمہ: پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرے عقیدے میں تیرا رب کون ہے؟

علامہ قرطبیؒ نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث احادیث کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرمائیں۔

روی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ[3]

ترجمہ: امام احمد اور امام ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے۔

ضلع مظفر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں:

ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تعاد في الجسد عند السوال۔[4]

---

[1] المصالح العقلیہ ص ۲۲۲ [2] مسند امام احمد جلد ۴ ص ۲۸۷ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۵

[3] مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۷ [4] نبراس فی شرح العقائد ص ۲۴۳

ترجمہ: احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا میت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے۔ روح تو کروٹیں نہیں لیتی۔ سو یہ قبر میں بٹھانے کے سلسلے کے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں۔ مردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے مگر ہمارے لیے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مدرک اور مشاہد نہ ہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح والنفس میں حدیث براء نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے[1] کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے۔

منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى۔

(پ ۱۶، طٰہٰ، آیت ۵۵)

حضورؐ کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

فیہا نعیدکم میں قبر پر بعض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا۔ یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لیے ٹھہرنا ہے۔

⑤ سوالات اخروی میں ثابت قدمی کی بشارت

يثبت الله الذين امنوا بالقول الثابت في الحيوة الدنيا وفي الآخرة ويضل الله الظلمين ويفعل الله ما يشاء۔ (پ ۱۳، ابراہیم آیت ۲۷)

---

[1] کتاب الروح ص

ترجمہ: اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو، قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچلا (دراہ بھلا) دیتا ہے بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دنیا سے نکل چکا لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے —— اور اس برزخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں ٹھہرائی جائیں پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں رحمت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے۔ حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے۔

ان القبر اول منازل الآخرۃ[1]

ترجمہ: بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

سلف سے دونوں قسم کے اقوال (کہ برزخ مراد ہو شمار کر دیا ادھر) منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہ ہی کلمہ توحید ان کی ثابت قدمی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ

---

[1] مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۳۷۱ و حوالہ الصفوۃ اشبہ باحوال الآخرۃ فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۱ [2] تفسیر عثمانی ص ۳۴۴

فرماتے ہیں ان رسول اللہ قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الٰہ الا اللہ[1] ... الخ
تقریباً چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی
حدیثیں منقول ہیں ..... ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ میں
آخرت سے مراد قبر لی ہے۔ اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق
قرار دیا ہے

مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے
سوالات کا جواب دینا پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا
عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور
ہے جس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں[2]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش
نہیں تو پھر منکروں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتوے کیوں نہیں دیا؟ — جواب یہ
ہے کہ علمائے محققین کا فتوے یہی ہے۔ محقق ابو شکور اسالمی کتاب التمہید میں لکھتے ہیں۔

فلما عذاب القبر للمومنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات
لان اللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیها غدوا و عشیا یعنی فرعون و
قومه دل انه کان معذبا فی ذلک الموضع و علی الکمال و من
انکر هذا فیصیر کافرا[3]

ترجمہ پس جب مومنین کے لیے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لیے واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں تو اس سے
معلوم ہوا کہ عذاب قبر حق ہے لہٰذا جو اس کا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

۱؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ ۲؎ تفسیر معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۲۳۲ ۳؎ کتاب التمہید صفحہ ۱۸۵ طبع بمبئی

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) جو بقول علامہ شامی مجتہد کے درجہ کو پہنچے ہوئے تھے، لکھتے ہیں:-

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ہذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا منکر ہو یا کراماً کاتبین کا، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاضۂ عامہ سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تواتر کا درجہ رکھتی ہے:-

عذاب القبر کان ثابتاً بالاحادیث المشہورۃ التی تبلغ القدر المشترک منہا مبلغ التواتر وکان السلف الصالح متفقین علی ذالک قبل ظہور المخالفین۔[1]

ترجمہ: عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تواتر کو پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال و جواب کے لیے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی نہیں دیکھا نہایت بے تکی بات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردات کو دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:-

---

[1] فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۴۸ مصر، تنقیح الحاوات جلد ۱ ص ۱۸۱

وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب و عذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں، اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں، ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے خلائی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا غلط ہے، جب خالق کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب و ثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان و اعتقاد رکھنا لازم ہے۔[1]

آخرت کے تمام حالات اور واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر جھجک اور بے دلیل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے، حشر اجساد کی بجائے حشر روحانی اور عذاب و ثواب جسمانی کو روحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔[2]

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم برزخ اور اس کی کیفیات کا انکار کرے تو ویضل اللہ الظالمین کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے ———— اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرنے ہی پر اس عذاب کا سامنا

---

[1] معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۲۲۴ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۵۹

ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الہون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اسی میں آگھرے۔

(۶) مرنے کے ساتھ ہی عذاب الہون کا سامنا

ولو ترى اذ الظالمون فى غمرات الموت والملئكة باسطوا ايديهم اخرجوا انفسكم اليوم عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن اياته تستكبرون ○ ولقد جئتمونا فرادى كما خلقناكم اول مرة۔ (پ الانعام ع ۱۱)

ترجمہ اور اگر آپ دیکھ پائیں وہ کس حال میں ہیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں دھکڑے ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔ تمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی وجہ سے کہ تم خدا تعالیٰ پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تمہارا اس کی آیات کو تسلیم نا از راہ تکبر تھا اور اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کرکے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار ایک ایک کرکے پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کرکے خدا کے پاس حاضری برزخ کی حاضری ہے۔ آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی۔ حشر کے ساتھ ہوگی۔ وہاں اگلے پچھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔ یہ ایک ایک کی حاضری اس سے پہلے کی حاضری ہے ـــــ اور یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گھیرے میں لے لے گا۔ یہ عذاب برزخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات برزخ کے انکار کے لیے بے محل آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تقولون علی اللہ غیر الحق کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا ان کی یہ ضد از راہ تکبر نہیں ہے۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس برزخی حیات کے انکار پر یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔

ثم انشأنٰه خلقا آخر فتبارك الله احسن الخالقين ۝ ثم انكم بعد ذلك لميتون ۝ ثم انكم يوم القيمة تبعثون ۝

(پ ۱۸: المومنون ع ۱)

ترجمہ: پھر ہم نے اسے اٹھا کھڑا کیا ایک نئی صورت میں۔ سو بڑی برکت اللہ کو ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر تم اس کے بعد مرو گے پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیر طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔ قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آگئی: كنتم تقولون على الله غير الحق۔ تم اللہ رب العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں —— قرآن کریم میں جب مرتے ہی عذاب الہون کی ایک زندگی کی خبر ہے تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ زندگی بھی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے۔ ثم انكم يوم القيمة تبعثون میں اس کلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارا حشر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔ اس میں قبر کی برزخی حیات کا انکار ہرگز نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لیے ہی بار بار پڑھ رہے تھے جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔

؎ وهل افسد الدين الا الملوك

واحبار سوء ورهبانها

⑦ مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

ولو ترٰی اذ یتوفی الذین کفروا الملٰئکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم وذوقوا عذاب الحریق ۰ ذٰلک بما قدمت ایدیکم وان اللّٰہ لیس بظلام للعبید ۰ (پ ۱۰ الانفال ع ۷)

ترجمہ۔ اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو مارتے ہیں ان کے منہ پر (تھپڑ) اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے ہیں چکھو عذاب آگ کا، یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں:۔

یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو۔ اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھنا ۔ ۔ ۔ ۔ الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وا قعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہے۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی۔ برزخ میں یہ ہوگا اور آخرۃ کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔[1]

گویا یہاں پچھلے طرح تین زندگیوں کا اقرار نہیں۔

۱۔ دنیا ۲۔ برزخ ۳۔ آخرت

یہ آیت بتاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہو گئی اور عذاب آتم نے لگا قبر میں جانے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر ۔۔۔ سو یہ روحانی عذاب

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۲۴۴

کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے یضربون وجوھھم وادبارھم اور یہ کہیں یہ صرف روحانی عذاب ہے جسمانی نہیں ــــ کیا قرآن کریم کی بات جھٹلائی جا سکتی ہے؟ نہیں ــــ

ومن اصدق من اللہ قیلا

برزخ کا جسمانی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سن نہ سکیں یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے۔ مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو ان پر تعجب نہ کرنا چاہیے انہیں تسلیم کرنے۔ ایمان بالغیب کا مطلب یہی ہے اور یہی ڈرنے والوں کی شان ہے۔

ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب

(پ ۱ آیت ۲،۳)

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں وہ ہدایت ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لاتے ہیں بن دیکھے۔

(۸) قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون (پ ۱۸ المؤمنون آیت ۹۹،۱۰۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی کو موت تو کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیج دو شاید میں کچھ بھلے کام کروں جو میں چھوڑ آیا تھا ـــ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہوگا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزا قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔[۱]

دُنیا ــــ برزخ ــــ آخرت۔ یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات، احساسات اور لوازمات میں فرق ہو سکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہو سکتا ہے لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ افراد قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتا ہے۔ کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ حکایتاً عن لسان عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام علیٰ یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیّاً۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں۔ دُنیا، برزخ اور دار قرار ــــ اور ہر مقام کے لیے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کا تابع کیا۔ اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرتب کئے ہیں جو زبان اور اعضاء سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا۔[۲]

۲۔ اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری

---

[۱] تفسیر عثمانی ص ۳۷۳

[۲] جسموں کو روح سے لاتعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا۔ یہ ہے مولانا تھانویؒ کا عقیدہ۔

ہوں گے یعنی دکھ اور تکلیف روح کو پہنچے گا تو وہ صاحبِ روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔

۲۔ روح کا تعلق بدن سے گو نا مجاہدات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر محسوس وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔[1]

۳۔ یہیں یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہیے اس چشم سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی جتایا ہے کہ بس تو وہ خاک سے روح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔[2]

۵۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کر سکتا ہے اور روح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے وہاں استقرار ہو یا سیر اور یہ ٹھیک ایسی قسم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے یہاں یہ مسئلہ عام طور پر مسلم مسئلہ ہے بجز اس گروہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔[3]

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں انہیں قبر پر آنے والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت میں مانع نہیں ہوتے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں۔

ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ روح کو قرب و بعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا۔[4]

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔

---

[1] المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۱۵ [2] ایضاً ص۱۲۵ [3] ایضاً ص۱۲۶ [4] تفسیر عزیزی پ۳۰ ص۱۰۳ دہلی۔

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری مستند علمی ارشادات نبوت ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیات برزخ کی خبر دی گئی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلک محدثین کی وضاحت کر دی جائے۔ تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکام میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً وخلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

امام سلیمان بن اشعث ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی دقت نظر کی بنا پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپ کی مرویات مجتہدہ کو ایک جامع ذخیرہ علم کہا۔ آپ نے معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ اور جہمیہ و خوارج کے بالمقابل عقائد اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپ اس میں یہ باب لائے ہیں۔

فی المسئلۃ فی القبر و عذاب القبر۔

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے۔ ذکر اعمال تولے جائیں گے۔ پھر دجال کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے مابین اختلافی مسائل تھے۔ معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذاب قبر کے امام ابو داؤد نے عذاب قبر کو کتاب السنۃ میں ذکر کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلم (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفۃ المنافقین واحکامہم اور کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا کے تحت اثبات عذاب قبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گو یہاں دو جگہ باب

باندھے ہیں لیکن آخری باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت اور باب لن یدخل احد الجنۃ بعملہ بل برحمۃ اللہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث ایک ہے اور کتاب صفۃ المنافقین کے تحت ہے اور وہی عالم برزخ میں میت کو جنت یا دوزخ کے ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں۔ صحیح مسلم کا باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ واثبات عذاب القبر والتعوذ منہ بتاتا ہے کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں مجموعی ہے۔ اسے محض ایک انکشاف یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر حجت تمام کی ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم میں کتاب الفتن ہے[1]

حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے باب باندھے ہیں ان میں آپ نے باب التعوذ من عذاب القبر بھی لائے ہیں۔ آپ نے اس میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے التعوذ من عذاب القبر کا باب ہے پھر باب الاستعاذۃ من عذاب جہنم۔ یہ ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے یہی عذاب برزخ ہے اور یہی عذاب قبر۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں یہ نو بھی مرفوع ہیں اور حضورؐ سے مروی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وفی الباب عن علی وزید بن ثابت وابن عباس والبراء بن عازب وابی ایوب وانس وجابر وعائشۃ وابی سعید کلھم رووا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عذاب القبر[2]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶
[2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صحاح ستہ ایک طرف رہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں :۔

۱ —— الکبائر و علامات النفاق

۲ —— الوسوسہ

۳ —— الایمان بالقدر

۴ —— اثبات عذاب القبر

۵ —— الاعتصام بالکتاب والسنۃ

آپ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لاکر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے۔ عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے محدثین کی یہ تنبیہ معتزلہ کے بدعتی عقائد سے بچنے کے لیے ہے۔

محدثین کا مسلک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات بلند صحابہؓ سے مروی ہو اس کے تواتر میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دس بندگان کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثین کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آئیے حدیث کی روشنی

میں عالمِ برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جاننے کی کوشش کریں کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب و عذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟ —— اس کے بعد ان شاء اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے پچھلے چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

(۱) —— حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستتر من البول واما الآخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا نصفین فغرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یا رسول اللہ لم فعلت ھذا قال لعلہ یخفف عنھما ما لم ییبسا۱؎

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا عادی تھا پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کئے اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیئے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: شاید جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں ان سے عذاب ہلکا رہے۔

اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں:-

(۱) —— یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں، حدیث کی اول درجے کی کتابوں میں ہے۔

(۲) —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو شخصوں کو اپنی قبروں میں عذاب ہوتے پایا، جنہیں ظاہری قبروں میں دبایا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں

۱؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۵ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۴۱

سے بالکل لاتعلق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔

③ —— پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی انہی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے کیا آپ یہ شاخیں مقام تعین پر رکھ رہے تھے؟ —— یہ اسی نشان قبر کی بات ہے۔

④ —— یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذاب آخرت کہتے ہیں یہ عالم برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذاب قبر کہتے ہیں۔ یہ عذاب اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

② —— حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں۔

بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حائط لبنی النجار علی بغلۃ لہ ونحن معہ اذ حادت بہ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ او خمسۃ او اربعۃ . فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر فقال رجل انا قال فمتی مات ھؤلاء قال ماتوا فی الاشراک فقال ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منہ[1]

ترجمہ۔ حضورؐ ایک خچر پر سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپ کے ساتھ تھے کہ خچر بدکا ایک بار قریب تھا کہ وہ حضورؐ کو گرا ڈالتا۔ وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں آپ نے پوچھا کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں آپ نے پوچھا یہ کب کے مرے ہیں؟ اس نے کہا دورِ شرک کے۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جا رہے ہیں یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۶ سنن ابی داؤد جلد ص

بیان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں۔ نہ غیب جاننے کی یہ بات اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے

(۶) —— انسان و جن کا اس عذاب قبر کو نہ سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمت الٰہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لیے کہ حضور کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے سو اس قسم کے جاہلی استدلالات کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت یہ واقفیت حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں۔ یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں۔ نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۳) —— حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المسلم اذا سئل فی القبر یشهد ان لا الٰه الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فذلک قوله یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیٰوة الدنیا وفی الاخرة۔[۱]

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے۔ یہ وہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں اور آخرت میں اور یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)

(۴) —— حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبره وتولی عنه اصحابه انه لیسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فیقعدانه فیقولان ... واما المنافق والکافر ... فیقال له لا دریت ولا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربة فیصیح صیحة یسمعها

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۳، سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۵۲

من يليه غير الثقلين. متفق عليه۔[۱]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا، پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں اور وہ چیختا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر غور رہے۔

(۱) — یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔

(۲) — فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے رکھا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے سجین میں اس کے پاس آتے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔

(۳) — وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں۔ نہ یہاں کے حواس سے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آ رہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔

(۴) — کافر و منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں۔ سمعها من يليه — سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جائیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص۲۵ ابوداؤد جلد ۲ ص۱۴۵ سنن نسائی جلد ۱ ص۲۸۸

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

قال قال رسول اللہ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداة والعشی ان کان من اہل الجنة فمن اہل الجنة وان کان من اہل النار فمن اہل النار فیقال ہذا مقعدک حتی یبعثک اللہ الیہ یوم القیامة[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی مر جائے تو اسے عالم برزخ میں اس کا ٹھکانہ وہاں اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے صبح و شام دکھایا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر جہنمیوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے جائے

قیامت تک کا یہ عرصہ عالم برزخ کا عرصہ ہے۔ اس میں میت مدفون صبح و شام اپنا آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ پا رہی ہے۔ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جا رہے ہیں صرف روح ہی جائے گی کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جا رہا ہے۔ ہذا مقعدک فافہم۔

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدہما المنکر وللآخر النکیر فیقولان ..... وان کان منافقا ..... فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیہا معذبا حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک رواہ الترمذی۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۵ سنن نسائی جلد ۱ ص ۲۹۰ [2] مشکوٰۃ ص ۲۵

ترجمہ: آنحضرت نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے منکر و نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اگر منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر تنگ ہو جا وہ اس پر سخت آتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس قبر سے اٹھا دے۔

(۲) —— حضرت ابوہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی۔

استعیذوا باللہ من خمس ۱. من عذاب جہنم ۲. وعذاب القبر ۳. وفتنۃ المحیا ۴. والممات ۵. وفتنۃ المسیح الدجال [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے پناہ مانگو ۱. عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا) ۲. عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا) ۳. زندگی کے فتنہ سے ۴. موت کے فتنہ سے (یہ کہ خاتمہ خیر پہ ہو) اور ۵. مسیح دجال کے فتنہ سے۔

(۳) —— آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپ نے کہا۔

ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ۔ الحدیث [۲]

ترجمہ: میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال میں رہا۔ وہ کہتا ہے میں اسلام پر رہا۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتا ہے کہ آپ ہمارے پاس روشن معجزات کے ساتھ آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے۔

(۴) —— حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[۱] سنن نسائی جلد ۔ ص ۔ [۲] سنن ابن ماجہ ص ۳۱۹

اذا دخل المیت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فیجلس یمسح عینیه ویقول دعونی اصلی رواہ ابن ماجہ [1]

ترجمہ: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر لایا جاتا ہے وہ بیٹھ کر آنکھیں پونچھتا ہوا اٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

کاش اگر یہ کہ ہم قبر یا قبر میں نماز پڑھنے کا ذوق پیدا کرسکیں کیسے ہیں فرشتہ حالت پر غور کرے۔

(۸) —— حضرت جابرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کردی گئی۔ حضورؐ دیر تک تسبیح پڑھتے رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہی، ہم نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی —— پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ [2]

ترجمہ اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے کشادگی بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گذرنا پڑتا ہے اور یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس بختی کو معاف فرما دیتے ہیں

حضورؐ جہاں کھڑے رہے ہیں اسی گڑھے کے پاس بھی جا کر عرب عام میں گڑھا کہتے ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہوتا ہے جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں

(۹) —— حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں:۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطیبا فذکر فتنۃ القبر التی یفتتن فیھا المرء فلما ذکر ذلک ضج المسلمون ضجۃ رواہ البخاری [3]

---

[1] مشکوٰۃ ص ۲۴ [2] ایضاً [3] ایضاً

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جائے گا۔ آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اسکی گھبراہٹ) چیخ اٹھے۔

کیا حضورؐ اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے۔ سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں۔ آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں کیا فرمایا تھا اس نے بتایا کہ آپ نے کہا:-

قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریباً من فتنۃ الدجال۔[1]

ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہو گی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب التعوذ من عذاب القبر باب باندھا ہے۔ ام خالد کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے انہوں نے حضورؐ سے روایت کیا ہو

لم اسمع احدا سمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیرھا۔[2]

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے (عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا۔ نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

(۱۰) —— ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی عورتیں آئیں اور مجھے بتایا۔ اھل القبور یعذبون فی قبورھم کہ فوت شدگان کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہودی کی تصدیق کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ میں نے حضورؐ سے سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان دونوں نے سچ کہا ہے۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۹۰ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۲

انہم لیعذبون عذابا تسمعہ البہائم کلہا۔

ترجمہ۔ وہ ایسا عذاب پا رہے ہیں جسے سب چوپائے سن رہے ہیں سوائے انسانوں اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے

ام المومنین کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں اس دعا کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعوذ بک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

یہاں (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر ——— کیا یہ سجین میں عذاب سننے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں ان تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی بدن کی بات چلا رکھی ہے اور ان ظاہری قبروں کو وہ قبر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) یہ چوپائے ان عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سنتے۔ ان کے مثالی ابدان مقام سجین پر لے جائے جاتے ہیں۔ وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سنتے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔ نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سنتے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سنی تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام سجین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت بہت اونچی ہے۔ آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام سجین کی آوازیں سن رہے تھے۔ آوازیں وہاں سے آ رہی تھیں مگر آپ کو اس طرح محسوس ہو رہا تھا گویا انہی قبروں سے سن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا: یہ کن کی قبریں ہیں؟ ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روشن شہادتوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں بلکہ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قسمت باری کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ آئیے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ عذاب قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے مگر اس میں وہ لاتعداد ہنگامے ہوتے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

ان جلیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آئیے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لیے چلیں۔

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (م ۹۱ھ) جیسے صحابی اور اہل مدینہ کے بہت سے تابعین کی زیارت بھی کی تھی۔ آپ کے درس و تدریس کا دور دوسری صدی کا نصف اول ہے۔ آپ نے کوفہ و بصرہ کے جبر و قدر کے معرکے اور معتزلہ و خوارج کے فتنوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ آپ نے عقائد سنت کے تحفظ کے لیے اور امت کی سمت کو خالص بدعت سے بچانے کے لیے عقائد اسلام پر ایک

لہ [illegible] مطبوعہ الکوفہ۔ (تذکرۃ [illegible])

چھوٹا سا رسالہ لکھا۔ عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی روایت کو یوں ذکر کرتے ہیں:-

واعادة الروح الی العبد فی قبره حق۔[1]

ترجمہ۔ اور روح کا بندہ کی طرف لوٹایا جانا برحق ہے

تیسری صدی جلیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں:-

الایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر و
الایمان بملک الموت یقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور
فیسألون عن الایمان والتوحید۔[2]

ترجمہ۔ حوض کوثر، شفاعت، قبر میں منکر و نکیر کا آنا، عذاب قبر اس بات پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھا جاتا ہے (یہ سب امور برحق ہیں)۔

پھر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) اور امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آئیے اس سے منتقل کر چوتھی صدی میں دیکھیں۔ حافظ ابن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:-

ذکر قبض روح المومن ثم اعادة روحه فی جسده واتیه الملکان فیجلسانه
فی قبره فیقولان من ربک۔[3]

ترجمہ۔ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر روح قبر میں اس کے جسم میں لوٹائی جاتی

---

[1] شرح الفقہ الاکبر ص۱۲۲ [2] کتاب الصلوٰۃ للامام احمد بن حنبل ص۴۲ [3] تفسیر ابن جریر جلد ۱۳ ص۱۴۲

اب ذرا چھٹی صدی میں چلئے۔

علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ

ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قولہ العامۃ۔[1]

ترجمہ۔ اور جسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور اہل سنت کے قول کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن احمد (۶۷۱ھ)

ان عذاب القبر و نعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ و لکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن و الانس عن رویۃ عذاب القبر و نعیمہ۔[2]

ترجمہ۔ عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے کانوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں کہ وہ اسے دیکھ نہیں پاتے۔

علامہ قرطبی کی دوسری عبارت:

وقد اجمع اھل السنۃ ان المیت یحیٰی بعد لفتۃ القبر و یحس بالعقوبات الملازمۃ و لو کان فی بطون السباع و الطیور او کان قد حرق و ذری فی الریح و تفرق کل ذرۃ بالاخر او کانت متفرقۃ۔[3]

---

[1] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۶ [2] مختصر تذکرہ القرطبی صـ ۳۹ [3] ایضاً

ترجمہ: حسب اہل کشف، یہ بات متحقق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے جس سے پسلیاں
کھ ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے مگر وہ میت درندوں اور پرندوں
کے پیٹوں میں بھی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہو گئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو اس میت
کا ایک ایک ذرہ درد، الم و عذاب قبر کو محسوس کرتا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں
ہی کیوں نہ بٹی ہو۔

امام نووی (م ۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں برزخی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں:۔
ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة
الروح اليه او الى جزء منه وخالف فيه محمد بن جرير
وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال
اصحابنا هذا فاسد لان الألم والاحساس انما يكون في الحي
قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاؤه كما
نشاهد في العادة او اكلته السباع او حيتان البحر او نحو ذلك
فكما ان الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك
فكذا يعيد الحيوة الى جزء منه وان اكلته السباع والحيتان[1]

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کے نزدیک عذاب اسی دنیا والے جسد کو یا اس جسد کے
بعض حصے کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک
جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام اور جو فرقہ کرامیہ
کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا
لوٹنا اس کے لیے شرط نہیں ہمارے اصحاب (اہل السنۃ والجماعۃ) کا کہنا ہے
عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶

جیسا کہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں یا اسے وحشی درندوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے کھا لیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات منتشرہ کو حشر کے دن جمع فرمائے گا اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اس پر قادر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کسی ایک حصہ بدن میں کیفیت حیات لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نووی نے محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش کیا ہے انہیں اصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دونوں کو علیحدہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں۔ ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قائل اصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہیئے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری نہیں ابن جریر کرامی ہے جیسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں کہ امامیہ اور شیعہ دونوں تقیہ کے قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں ـــــ مگر ہم صاحب نبراس سے اتفاق نہیں کر سکتے جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔ ہاں امکان ہے کہ نبراس ص۲۳۲ میں یہ اضافہ کسی نقل نویس کا ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳ ص۲۳ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔

امام نسفی (۷۱۰ھ) بھی لکھتے ہیں۔

عند العامۃ توضع فیہ الحیوۃ بقدر ما یتالم والحیاۃ المطلقۃ وقیل توضع فیہ الحیوۃ من کل وجہ[1]

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے کہ وہ نعیم و الم کا ادراک کر سکے وہ مطلق حیات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر پہلو سے اس میں حیات لوٹائی جاتی ہے۔

---

[1] الکافی شرح الوافی ص ـــ

قاضی عضد الدین الایجی (۷۵۶ھ) صاحب مواقف

احیاء الموتی فی قبورهم ومسئلة منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلها حق عندنا واتفق علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق علیه الاکثرون بعده[۱]

ترجمہ: مردوں کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ منکر ونکیر کے (ان سے) سوالات۔ اور عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لیے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة من الناس وانکره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن . . . وکلاهما غلط والاحادیث الصحیحة ترده ولو کان ذلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص[۲]

ترجمہ: احادیث صحیحہ متواترہ منکر ونکیر کے سوال وقت روح کے بدن میں لوٹائے جانے کی خبر دیتی ہیں لیکن سوال بدن سے بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ گئے ہیں وہ کہتے ہیں منکر ونکیر کا سوال صرف روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی ہیں اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال وجواب صرف روح سے ہو تو قبر کا روح سے کوئی اختصاص نہ ہوتا۔

---

[۱] شرح مواقف ص [illegible] مع الشرح [۲] شرح حدیث النزول ص [illegible]

بل العذاب والتنعیم علی النفس والبدن جمیعاً باتفاق اهل السنة والجماعة۔[1]

ترجمہ: قبر کا نعیم و عذاب باتفاق اہل سنت روح و بدن دونوں کے لیے ہے۔

غور فرمائیں اگر روح کا بدن مدفون سے کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم و عذاب پر کیسے ایمان لایا جا سکتا ہے۔

فقد صرح الحدیث باعادة الروح الی الجسد وباختلاف اضلاعه وهذا بین فی ان العذاب علی الروح والبدن مجتمعین۔[2]

ترجمہ: حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کی بھی تصریح ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھا ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

ان مذهب سلف الامة وائمتها ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذلك یحصل لروحه وبدنه۔[3]

ترجمہ: سلف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو عذاب قبر کو ثابت نہیں مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر حیات کے لیے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی حیات کا تحقق ہو سکتا ہے۔ پھر عذاب قبر کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں:

ویجوز ان یخلق الله فی جمیع الاجزاء او فی بعضها نوعاً من الحیوة

---

[1] شرح حدیث النزول ص۷۲ [2] فتاوی ابن تیمیہ جلد ۴ ص۲۸۹ [3] کتاب الروح ص۷۲

وإذا ثبت التعذيب ثبت الإحياء والمسألة لأن كل من قال بعذاب القبر قال بها[1]

ترجمہ: اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و جواب کا ثبوت بھی مل گیا کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب قبر کا اقرار کرے وہ قبر کی اس زندگی کا اقرار کرتا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) پہلے کرامیہ کا رد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن پر مانتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتلاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔ اور پھر لکھتے ہیں:۔

وخالفهم الجمهور فقالوا تعاد الروح إلى الجسد أو بعضه كما ثبت في الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تتفرق أجزاؤه لأن الله تعالى قادر على أن يعيد الحياة إلى جزء من الجسد ويقع عليه السؤال كما هو قادر على أن يجمع أجزاءه[2]

ترجمہ: اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے بعض حصوں کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف روح پر ہوتا تو بدن کو اس کے ساتھ کوئی اختصاص نہ تھا اور اس کے لیے میت کا اس حال میں ہونا کہ اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں عذاب قبر میں مانع نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جسد کے کسی حصے میں زندگی لوٹائے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد ہو جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع کر دے۔

---

[1] شرح مواقف جلد ۸ صفحہ ۳۱۷ [2] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۸۲

پھر آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

قد ثبتت الاحادیث بما ذھب الیہ الجمہور کقولہ (علیہ السلام) انہ لیسمع خفق نعالھم وقولہ (علیہ السلام) تختلف اضلاعہ لضمۃ القبر وقولہ (علیہ السلام) یسمع صوتہ اذا ضرب بالمطراق و قولہ (علیہ السلام) یضرب بین اذنیہ وقولہ (علیہ السلام) فیقعدانہ وکل ذلک من صفات الاجساد[1]

ترجمہ۔ بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور کا یہ ارشاد کہ مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور کا یہ ارشاد کہ قبر کے بھینچنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے نکل جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ وہ ہتھوڑے سے پیٹنے کی آواز سنتا ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے مابین ضرب لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی کیفیات نہیں۔

علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)

ان الارواح تعاد الی اجساد عند المسئلۃ وھو قول الاکثر من اھل السنۃ[2]

ترجمہ۔ بے شک ارواح سوال وجواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل السنۃ کا ہے۔

ولا یمنع فی رد الحیٰوۃ الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاعادۃ والمسئلۃ والعذاب وان لم یکن مشاھداً لنا[3]

---

[1] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ [2] شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۴۶ [3] ایضاً جلد ۸ صفحہ ۱۴۶

ترجمہ: اور بعض حصۂ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کو زندوں سے اختصاص اور قبر کا سوال وجواب اور قبر کا نعیم وعذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں گو ہم ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ)

الحق ان المیت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیوۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اہل السنۃ حتی لو کان متفرق الاجزاء بحیث لا تتمیز الاجزاء بل ہی مختلطۃ بالتراب فعذب جعلت الحیوۃ فی تلک الاجزاء التی لا یأخذہا البصر وان اللہ تعالیٰ علی ذلک لقدیر[1]

ترجمہ: حق یہ ہے کہ میت کو عذاب قبر ہوتا ہے اور اس کے لیے اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا یکجا ہونا اہل السنۃ کے نزدیک عذاب قبر کے لیے شرط نہیں ہے میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو جائے یہاں تک کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جا سکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے عذاب قبر ہوتا ہے حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر پا نہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

وتوضیحہ انا نمنع اقتضاء ذلک عود الحیوۃ الکاملۃ الی جمیع البدن وغایۃ ما یقتضی اعادۃ الحیوۃ الی الجزء الذی بہ فہم الخطاب ورد الجواب والانسان قبل موتہ لم یکن یفہم بجمیع بدنہ بل بجزء من باطن قلبہ واحیاء جزء یفہم الخطاب ویجیب ممکن مقدور علیہ وان لم ندرک خلافا لما یلوح بادیا[2]

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۲ ص ۴۴ [2] مسامرہ شرح مسایرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۱

ترجمہ۔ اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذاب قبر کے لیے بدن میں پوری حیات کے
لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس
جزو بدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دے کر سمجھ سکے۔ اس سے
پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کرنا سمجھتا تھا صرف باطن قلب ایک حصے
سے بات کر پاتا تھا اور سبب اس کے کسی ایک حصے کا تعلق دنیا سے آ جاتے
سوال و جواب کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لیے ممکن اور مقدور
ہو جاتا ہے اور برزخ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔
اب دوسری صدی کی شہادت بھی لیجیے:۔

امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) حافظ ابن تیمیہؒ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت
السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغوني وحكى
عن ابن جرير فانكره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح
بلا بدن قاله ابن حزم وآخرون منهم ابن عقيل وابن الجوزي
وهو غلط والا لم يكن للقبر بذلك اختصاص۔[1]

ترجمہ۔ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے متواتر احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف
لوٹنے کی خبر دیتی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے
ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی
ہے لیکن جمہور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ
ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ
اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے مذاہب

---

[1] شرح الصدور ص۲۱

روح جا پڑتی، قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذاب قبر کے تعبیر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے علامہ جلال الدین الدوانی (۹۰۸ھ) لکھتے ہیں عذاب قبر کے وہی قائل ہیں جو میت مدفون کے زندہ کئے جانے کے قائل ہوں یہ زندہ کیا جانا اعادہ روح کے بغیر محض انفعالی روح بھی ہو سکتا ہے صورت احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن عذاب قبر کے لیے بدن یا ذرات بدن میں زندگی کا لوٹایا جانا برحق ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

فمنهم من اثبت التعذيب وانكر الاحياء وهو خلاف العقل وبعضهم لم يثبت التعذيب ... وهذا انكار لعذاب القبر ومنهم من قال باحيائه لكن من غير اعادة الروح ومنهم من قال بالاحياء باعادة الروح معا ولا يلزم ان يرى اثر الحيوة فيه حتى ان الماكول في بطون الحيوانات يحيى ويسأل وينعم ويعذب ولا ينفي ان يكون لان من اخفى النار في الشجر الاخضر قادر على اخفاء العذاب والنعيم۔[1]

ترجمہ: ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر میت کے زندہ کئے جانے کے منکر ہیں یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں جو سرے سے میت کے قبر میں عذاب پانے کے قائل نہیں یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے اور ایسے بھی جو میت کے زندہ کیے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر اعادہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اعادہ روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے ہیں اور عذاب قبر کے لیے یہ لازم نہیں کہ اس میں اور میت میں آثار حیات دیکھے بھی جا سکیں۔ وہ شخص جسے کسی جانور نے کھا لیا ہو وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اس سے وہیں سوال ہوتا ہے وہیں اس کی نعیم قبر یا عذاب قبر ہوتی ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہیے جو ذات باری سبز درخت میں آگ کو چھپا سکتی ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ عذاب قبر و نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نہ اسے پا سکیں اور نہ اسے سن سکیں۔

---

[1] حاشیہ عقائد عضدیہ ص ۹۳ طبع مجتبائی

علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (م ۹۷۳ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف ــــ لکھتے ہیں علامہ حلبی روح کے پورے بدن میں لوٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبری اور امام الحرمین بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لوٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے سب قائل تھے وہ لوٹایا جانا پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں:

لان الحلبی یقول ترد الروح الی جسده کله وابن جریر الطبری و
امام الحرمین یقولون ترد الروح الی ما بقی منه[1]

ترجمہ: علامہ حلبی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور
ابن جریر الطبری اور امام الحرمین اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لوٹایا جانا
مانتے ہیں۔

فقہاء احناف میں علامہ شمس الدین القہستانی (م ۹۵۰ھ) سے کون واقف نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

والمعذب فی القبر حی بقدر ما یتألم به وهو اقرب الی الحق[2]

ترجمہ: اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے کہ جو الم عذاب
پا سکے اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبدالرؤف المناوی (م ۱۰۳۱ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لوٹائی جاتی ہے مستفاد روحه فی جسده لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لوٹنے کے قائل ہیں جمہور کا مذہب یہی ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانی سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں:

---

[1] الیواقیت والجواہر صفحہ ۳۹ جلد دوم   [2] جامع الرموز جلد ۱ صفحہ ۲۹۲

يجمع بأن مقرها القبر متصلة لا مثل ولها اتصال بباقيه و تحيل
جزم به القاضي ؎

ترجمہ: دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو میت کے اوپر کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری ؒ (م ۱۰۱۴ھ) فقہ و حدیث کے جامع امام تھے۔ آپ نے حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:

واعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم ويتلذذ ولكن اختلفوا هل يعاد الروح اليه ..... والمنقول عن ابي حنيفة التوقف الا ان كلامه هنا يدل على اعادة الروح اذ جواب الملكين فعل اختياري فلا يتصور بدون الروح ؎

ترجمہ: اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک قسم کی حیات پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعیم قبر پا سکے۔ ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات اعادۂ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر۔ حضرت امام ابو حنیفہ ؒ سے اس میں توقف منقول ہے مگر آپ کی عبارت یہاں اعادۂ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور وہ بدون اعادۂ روح کے تصور میں نہیں آ سکتا۔

ملا علی قاری نے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ اس کے خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں؟ یہ آپ کے سوچنے کی بات ہے۔

؎ شرح فقہ اکبر

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں، جھگڑا اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاری ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او بكله۔[1]

ترجمہ: اور حضرت امام ابو حنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے، وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ، وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں۔ پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیۃً رد کر دیا ہے۔

فتعاد روحه في جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء البدن فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض ... فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج الى صحة النقل۔[2]

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں ... پھر یہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جا سکتی، اس کے لیے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہوگا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا کھلا انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

حتى يرجعه الله في جسده اى يرده اليه كاملا في بدنه۔[3]

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسم میں پھر سے لے آئے۔ اس سے مراد اس روح کا کامل طور پر بدن میں لوٹنا ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ ۱۹۱ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۵ [3] ایضاً صفحہ ۴۱

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عالم اموات کے لیے بے شک ابھی نہیں ہوگا۔ واذا النفوس زوجت کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیۃً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔ ملا علی قاری ان ناقصان دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

کما توهمه بعض ارباب النقصان حتى جعلوا عذاب القبر روحانیا لا جسمانیا والصواب ان عذاب الآخرة ونعیمها متعلقان بهما[1]

ترجمہ جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض ایک روحانی چیز سمجھتے ہیں جسمانی نہیں مانتے ـــــ صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم و الم تو ایک طرف رہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بغیر جسد تقوم میں آتے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا گیا ہے۔ محدث کامل علامہ سندی نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے اس میں آپ کو وصف نماز سے موصوف بتایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے یہ وہ اوصاف ہیں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہوسکتی۔ یہ تو جسم کی شان ہے کہ وہ محل بنائیں سے پھر اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی[2]

---

[1] مرقات جلد ۱ صفحہ [2] زہر الربیٰ علی سنن النسائی جلد ۱ ص

اب آئیے آپ کو گیارہویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کا مسلک کیا تھا۔
اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) ہیں۔ آپ بدن مثالی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقاد تناسخ سے بھی بُرا ہے۔ اس کے بعد آپ یوں رقمطراز ہیں:۔

پس بدن مثال را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گزیر نہ ــــــ و بدن ثانی را چون حیات ثانی اثبات مے نمایند حشر در حق او در دنیا ثابت گشت۔ انگاہ کہ معتقد اہل نقل روح معلوم نیست کہ بعذاب و ثواب قبر قائل باشند و بحشر و نشر معتقد بود۔ افسوس ہزار افسوس این قسم بطلان خود را بشیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا۔

ترجمہ: اس دنیا سے بدن کو احکام برزخ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذاب ثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدن ثانی کے سبب یہ لوگ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا ہی میں واقع ہو گیا میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کیے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہے کہ وہ عذاب ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر و نشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس ہزار افسوس! اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ یہ آپ کو پیر طریقت بنا کے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔
وآنچہ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات از احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است از عذاب گور و ضغطہ آں و سوال منکر و نکیر و فنائے عالم و انشقاق سماوات و انتشار کواکب و پیدا شدن زمین و کوہہا و پارہ پارہ شدن اینہا و حشر و نشر و اعادہ روح بجسد و زلزلہ ساعت و اہوال قیامت

۱؎ مکتوب دفتر دوم مکتوب ۵۸ ص لکھنؤ

وحساب اعمال وشہادت جوارح باعمال مکتسب؎

ترجمہ: اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے یہ حق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دبانا — اور منکر ونکیر کے قبر میں سوالات — اور پوری دنیا کا فنا ہونا — اور آسمان کا پھٹنا اور ستاروں کا انتشار — اور زمین کا پہاڑوں کا اڑنا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا اور حشر ونشر اور روح کا جسم میں پھر سے لوٹ آنا — اور قیامت کا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب — اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب امور حق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"اختلاف کردہ اند کہ عذاب قبر بر زندہ کردن میت است و در مقابلہ داشتن روح بار دیگر یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافت کنہ حقیقت آن راہ نباشد و حق آنست کہ باحیاء است۔ چنانکہ ظاہر احادیث دال است برآں؎"

ترجمہ: اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے رکھنے سے — یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے — اور ہمیں اس کی کنہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

؎ مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷ ص — ؎ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص

تصریح مے کنم بوجود حیات مر میت را چنانکہ در احادیث وارد و یافتہ۔ [1]

ترجمہ: مجھے یقین ہے کہ میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اپنے مسلک پر حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امثال هذه الاخبار لها ظواهر صحيحة واسرار خفية ولكنها عند
ارباب البصائر واضحة فمن لم ينكشف له حقائقها فلا ينبغي ان
ينكر ظواهرها بل اقل درجات الايمان التسليم والتصديق فان قلت
فنحن نشاهد الكافر في قبره مدة ونراقبه ولا نشاهد شيئا من
ذلك فما وجه التصديق على خلاف المشاهدة فاعلم ان لك ثلاث مقامات
في التصديق بامثال هذا احدها وهو الاظهر والاصح والاسلم ان
تصدق بانها موجودة وهي تلدغ الميت لكنك لا تشاهد ذلك فان
هذه العين لا تصلح لمشاهدة الامور الملكوتية۔ [2]

ترجمہ: اس طرح کی روایت جن کے ظاہر معانی یہ وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے ہوئے حقائق بھی ہیں گو وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں سو جس پر یہ حقیقتیں کھلی نہ ہوں اسے نہ چاہیے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق کرے۔ اگر تجھے یہ خیال گزرے کہ ہم کافر مردوں کو قبروں میں ایک مدت تک دیکھتے ہیں اور رکھوالیاں بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی انہیں سانپ کاٹ رہے ہوں ایسی کوئی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے تو اس کی

---

[2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص ۔ مترجم ص ۸۵

کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں، تو جان لے کہ
تیرے ان دو باتوں کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور
وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے
کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) میت کو
ڈس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا، کیونکہ اس دنیا کی آنکھ امور ملکوتی
(برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبروں میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں
جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے ہرگز نہ ہوں بلکہ ان احادیث کے ظاہر
پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر میت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں اگرچہ ہم اسے دیکھ
نہیں پاتے ــــ یہ کس میت کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔
اب یہ ان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکیہ کمزور ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ بعد
زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں۔

فلا يمكن ان الموت انفكاك لنفوسهم عن الابدان بالكلية بل تنفك
تدبيرًا ولا تنفك همًّا[1]

ترجمہ: ان کی موت میں انفکاک روح عن البدن (روح کا بدن سے جدا ہونا)
کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلق تصرف (جس سے روح بدن میں
تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (دھیان اس کا ادھر
ہی رہتا ہے)۔

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے
ہوئے انفکاک روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ وہ یہاں یہ لفظ تعلق توجہ کے معنی

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ ص

میں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بتاتے ہیں کہ نسمہ جو روح اور بدن کے مابین ایک برزخی وجود ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے۔ موت کے وقت نسمہ بدن سے جدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا ایک رخ اُدھر ضرور رہتا ہے۔ جسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

ولما كانت النسمة برزخا متوسطا بين الروح الالٰهي والبدن الارضي
وجب ان يكون لها وجه الى هذا ووجه الى ذالك والوجه الذي يميل
الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض البهيمية۔[1]

ترجمہ: اور جب نسمہ ایک برزخی چیز ہے جو روح الٰہی اور بدن زمینی کے مابین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رخ ادھر روح کی طرف ہو اور ایک رخ ادھر بدن کی طرف ہو۔ اس کی جو جہت عالم قدس کی طرف جھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جو جہت زمین کی طرف جھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں عالم برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں تشدد تنا کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں:۔

حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔[2]

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے۔ لیکن انبیاء اور شہداء کے دھڑ قبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ ان کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے: ع بریں عقل و دانش بباید گریست

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۲۲ [2] مسالک العلماء ص ۵۸

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفی کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطی نے ان کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ دراصل نچلے طبقے کے بارے میں ہے۔

هي متصلة باجسادها فتعذب الارواح وتتألم الاجساد[1]

ترجمہ: وہ ارواح ان کے اجساد سے متصل رہتی ہیں (اس اتصال سے مطلب جو ارواح کو ہوتا ہے ابدان کو تکلیف پہنچتا ہے) ارواح عذاب پاتی ہیں اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلق اتصال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق کا ہے جس میں ارواح ملاء اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروف سیر ہوں ان کے ابدان پر تاثیر کرتی ہیں۔ نچلے طبقے کے لیے اتصال ہے اور کاملین کے لیے اشراق۔ اور یہ اشراف ہے جس سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی جو رنگ اتصال کو اشراق کے معنی میں لیتا ہے تو یہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔ اتصال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیات شہداء یا حیات انبیاء سے بحث نہیں کر رہے۔ زیر بحث موضوع عذاب قبر ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ نچلے طبقے کے لیے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحبؒ بھی پھنس گئے اور صدیوں میں آملے۔ جن کا متفقہ عقیدہ ہم آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں کہ قبر میں راحت و الم صرف روح کے لیے نہیں، بدن کے لیے بھی ہے۔ عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے جیسا کہ علامہ نسفیؒ نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کاملین کے لیے یہ تعلق اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں ملے تو اسے دلیل انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ہم سے ہوا میں دو قضیے تول

---

[1] نقلاً من شرح الصدور للسیوطی ص ۱۲۴

پیش آمدہ صورت نہ رکتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس پہ آگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عام اموات کے لیے تو تعلق روح بالبدن (اتصال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کاملین کے لیے اشراق ملے تو اسے دلیل انکار نہ بنائیں۔ جب ایک طبقے کے لیے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لیے ان کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہوگا۔ عدم ذکر کو یہاں ذکر عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصل طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا۔ جن کے عدم ذکر کو ذکر عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

لا مانع من تعلقها ببدن برزخی مغایر لهذا البدن الکثیف[۱]

ترجمہ۔ روح کا تعلق اس بدن کثیف (یعنی عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغایر کسی بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لیے کون سی نص مانع ہے۔ یہ منصف مزاج روایت سامنے رکھ کر اب جسمانی تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانائی نہیں ہے۔

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۲۱

اب آئیے بارہویں صدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں۔ شرح عقائد نسفی کی شرح میزان العقائد میں لکھتے ہیں :-

فیعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسد وکذا اذا صار ترابا یکون روحه مع ترابه والروح والتراب یتألمان۔ [1]

ترجمہ: سو اس گوشت پوست کو (اس عنصری بدن کو) روح کے اتصال سے عذاب ملتا ہے اور روح کو بدن کے اتصال سے عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان ذرات سے متصل ہو گی اور روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے۔

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا ابطال حضرت شاہ صاحب کا خاص موضوع رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں آنا ہے اور مجرموں سے اس کا عذاب یہاں پانا ہے۔ سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ عدل، رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی آخرت کے ساتھ رجعت کا عقیدہ لگایا۔ روافض اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح ہنستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند — حضرت شاہ عبد العزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی قیام و قعود اور حرکت اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ پائی گئی۔

آپ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ روح آں میت را بجسد دیگر ادراک آلام و تلذذ آں و حاصل شود در بدنے از ابدان عنصریہ یا مثالیہ متعلق مے سازد و ایں کار سرانجام

[1] میزان العقائد ص ۹

سے فرمایند و محسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آنہا نمے کند
زیرا کہ ذرات شمس ہیں حالانکہ و جن را بحواس ادراک نمے کنیم چہ جائے کہ
حرکات معینہ او۔ قطع است باشتباہ عند المتیقنین[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس جسم میں کہ وہ اس سے تکلیف راحت پا سکے کسی
عنصری بدن یا کسی مثالی بدن میں جو اسی کے لیے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کلام کو عذاب قبر کے
پر لوٹ لیتے ہیں اور ان حرکات کا نہیں دکھائی دینا یا ان کے واقع نہ ہونے پر دلالت
نہیں کرتا ہم تو فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک
نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے
ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپ نے ابدانِ عنصریہ اور ابدانِ مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ
جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ہاں ابدانِ مثالیہ کے اقوال موجود ہوں
گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں فریقوں کو انہی کے انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے
چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہلِ سنت کا مختار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے چند
سطر بعد لکھتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ قادر است برآنکہ ... روح آں میت را بواسطہ تعلقے کہ
بہ بدن خود پیدا کردہ منعم و معذب کردہ باشد[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے جو اس کا اپنے
(عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم و عذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں اور روح انبیاء و اولیاء کا مقر علیین ہے۔ لیکن
ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۸۴ [2] ایضاً

والوں کے آنے سے مستانس ہوتے ہیں ان سے انس پاتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

تعلقے بقبر نیز ارواح را میماند کہ باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود[1]

ترجمہ: ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے لیے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی حاضری کو پہچانتے ہیں اور مانوس ہوتے ہیں — یہ اس لیے کہ روح کا مکانی قرب و بعد اس دریافت میں مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مُردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں ہے دفن کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں -

و در دفن کردن چوں اجزائے بدن تنہا مرکب است باشد علاقہ روح با بدن بزراہ نظر و عنایت بجانب او ماند و توجہ روح بزائرین و مستانسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است[2]

ترجمہ: میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے بذراہ نظر و عنایت بجانب بدن رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے والوں پر بڑی آسانی سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے متعین ہونے کے باعث گویا روح کو بھی ایک مقام متعین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے بدنِ عنصری سے یا کسی جسمِ مثالی سے؟

اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے لیں۔

---

[1] فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۲۸ [2] ایضاً ص ۷۷

ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ می باشد زیرا کہ مدت
دراز دریں بدن موجود اند[۱]

ترجمہ۔ ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ
ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔

اور پھر لکھتے ہیں:

ثابت شد کہ روح باقی است و او را تعلقے خاص با اجزاء بدن بعد مفارقت
از وے و تغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بداں علم و شعور بزائران
قبر و احوال ایشاں دارد[۲]

ترجمہ۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن سے مفارقت اور کیفیت
کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے
قبر پہ آنے والوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل مذہب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے
ہیں کہ اونچے درجے کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں
گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت
عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دنیوی زندگی تھی رجعت
میں عالم برزخ کا نہیں دنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور جسم کا وہی حقیقی تعلق ہوگا
جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جیسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ
ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں شیخ احسائی
(م ۱۲۴۲ھ) نے مسائل امریہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابوبکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔[۳]

---

۱ فتاوے عزیزی جلد ۱ ص ۱۳۲ ۲ ایضاً جلد ۲ ص ۱۰۸ ۳ تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۲۳ فارسی ص ۲۹۹ طبع اردو

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایران) کے صفحہ ۴۷۳ سے ۴۹۰ تک اس پر مفصل بحث کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف حقیقی تصور رکھتے تھے۔ آپ نے اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں یہ ایک نہایت لطیف رابطہ ہے جو روح کو بدن سے رہتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم و راحت کا ادراک کر سکے یہ ادراک اس بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطے سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لیے بمنزلہ آلہ ہے۔ جس سے کسی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا یا اس دین قیم کے پیروکاروں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کہا اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے کی حصار جاننا چاہیے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے احوال اولاً بدن پر وارد ہوتے ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لیے بدن کی بقا اور کیا سلامتی ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں۔ بدن یا اجزائے بدن اس کے ذیل میں الم و راحت پاتے ہیں۔ سو وہاں عذاب قبر کے لیے بقائے بدن یا بدن کی سلامتی ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس طرح کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا ۔۔۔ ہاں وہ علاقہ جیسے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے

آپ شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

معذب نیز روح باشد و اما ترتب حقیقت عذاب بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے
پیدا مے شود کہ تعذیب و تنعیم بدن ہمراہ آں مے باشد تا معنی حیات متحقق باشد۔
ترجمہ: پھر یہ حقیقت کہ زندہ کرنا اصطلاح میں اسی حقیقت سے عبارت نہیں ہے تاکہ اس کے لیے غذا
کا کھانا اور بدن کا نشو و نما ہو بلکہ حیات کے حقیقی معنی متحقق ہونے کے لیے یہاں صرف یہ ہے
کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس سے بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لیے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشو و نما والی نہ ہو
پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن ـــــ حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر
تصریحات کی روشنی میں اس کا مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن
پر نہیں ـــــ کہ اس کے لیے بدن کی سلامتی شرط معتبر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے
گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے کوئی بھی علاقہ بھی نہیں
ہے ـــــ کسی مصنف کی عبارات کی تشریح اس کے اپنے مقاصد اور بیانات کی روشنی میں
ہی ہونی چاہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن
کی سلامتی عذاب قبر کے لیے لازمی نہیں۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد۔[1]

ترجمہ: معذب دراصالۃ روح ہے نہ کہ بدن تاکہ بقائے بدن اس عذاب کے لیے
ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجیب اس آخری عبارت کو اس کی اس تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحبؒ
کا موقف قرار دے اور سمجھے میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر بھی
نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سوچے کہ رب العالمین کے حضور اسے
اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہوگا یا خیانت کا اقرار کرنا ہوگا۔ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ روح

---

[1] تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۱۲۳

وعین القدرة ارادة لم یدیم سلام الزائر یجیب المنکر والنکیر و نحو ذلک مما ثبت بالکتاب والسنة . . . قال النسفی فی بحر الکلام هی متصلة بالاجساد ولکنها کالشمس فی السماء ونورها فی الارض۔ [1]

ترجمہ: مرجح تعین یہ ہے کہ مومنین کی روحوں کا مستقر علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ کفار کی روحوں کا مستقر مقام سجین ہے لیکن سب کے باوجود روح کا جو تعلق اپنے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا رہے اور اسی حیثیت سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا ہے، زائرین کے سلام کے اور منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتا ہے اور اسی طرح کی اور باتیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہوئی ہیں۔

علامہ نسفی بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف تلامذہ سیدنا کی بات نہیں، علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) بھی اسی عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا یرد تعذیب المیت فی قبره لانه توضع فیه الحیوة عند العامة بقدر ما یحس به الالم والبنیة لیست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحیوة فی تلک الاجزاء المتفرقة التی لا یاخذها البصر۔ [2]

---

[1] تفسیر مظہری جلد ۱ ص ۱۴۲ [2] رد المحتار جلد ۲ ص ۲۰۱

ترجمہ: اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات مرد دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لیے بدن کا مکمل ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجزائے متفرقہ میں مرد دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوعیت سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پا سکے۔

قال اهل السنة والجماعة عذاب القبر حق وسؤال المنكر ونكير حق وضغطة القبر حق ..... فيعذب اللحم متصلا بالروح متصلا بالجسم فيتألم الروح مع الجسد[1]

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال برحق ہے اور قبر کا دبانا بھی برحق ہے ..... جسد کو عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسد کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہیے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے، احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

فيه مشروعية الاستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسؤال التثبيت له لانه يسئل فى تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر

---

[1] شامی باب الجنائز جلد ۱ صفحہ ۲۱۵

وفيه ايضا دليل على ان الميت يسأل فى قبره وقد وردت به
ايضا احاديث صحيحة فى الصحيحين وغيرهما وفيه ايضا
ما يدل على ان السؤال فى القبر لا يختص بهذه الامة كما فى حديث
زيد بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة تبتلى فى قبورها و
بذلك جزم الحكيم الترمذى۔ [1]

ترجمہ: اس حدیث سے میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لیے دعائے مغفرت کی
مشروعیت اور اس کے لیے ثابت قدمی کی درخواست کیونکہ اس وقت اس سے پوچھا
جاتا ہے۔ اور اس میں حیات قبر کا ثبوت ہے اور اس پر بہت کثرت سے
احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچی ہیں۔ اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے
کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر کئی صحیحین اور دوسری کتابوں میں
صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت
سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ اس
امت کے لیے قبر کی ایک آزمائش ہے حکیم ترمذی نے اسی پر جزم کیا ہے اس کے قائل ہیں
یہاں یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیات فی القبر کا ثبوت حد تواتر
کو پہنچتا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حق نہیں کہ سلام میں تواتر سے جو منکر ہے اس کا انکار قطعیات
متواترہ کا انکار ہے۔

قاضی شوکانی نے دفن کے بعد قبر کے پاس ٹھہرنے اور میت کے لیے دعا کی صرف
مشروعیت کی نشاندہی کی ہے شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے امام شافعی کی مشہور
کتاب منہاج میں ہے۔

ويسن ان يقف جماعة بعد دفنه عند قبره ساعة يسألون له التثبيت۔ [2]

---

[1] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۹۶ [2] منہاج جلد ۱ صفحہ ۳۶۱

ترجمہ: مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لیے دعا کرتے رہیں، ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔

مشکوٰۃ کی شرح زاد المحتاج میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاص کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے۔[1]

اذا دفنتموني فاقيموا بعد ذلك حول قبري ساعة قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها حتى استانس بكم۔[2]

ترجمہ: جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرے رہنا جتنے میں ایک اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت بانٹا جا سکے۔ اتنا وقت اس لیے ٹھہرنا کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانی نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گزرہ اور فی پر اس امت کی خصوصیت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

اخبر النبي صلى الله عليه وسلم عن عذاب امته في قبورهم۔[3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آپ کی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔

اب آگے چلیے۔

عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) بھی اسی کے مصدق ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :۔

واختلف في هذه الحيوة فذهب كثير من السلف الى انها حقيقية بالروح والجسد ولكنا لا ندركها في هذه النشاة۔[4]

---

[1] زاد المحتاج جلد ۱ صفحہ ۳۱۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ [3] حجۃ اللہ البالغہ جلد صفحہ مترجم صفحہ [4] روح المعانی جلد ۲ صفحہ

ترجمہ: اور اس قبر کی حیات میں اختلاف ہے۔ سلف صالحین کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ یہ روح و بدن کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔

حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوعیت کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سے میت کو عذاب قبر ہوتا ہے

والجمهور على عود الروح الى الجسد او بعضه وقت السؤال على وجه لا يحس به اهل الدنيا الا من شاء الله تعالى منهم[1]

ترجمہ: اور جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت میت کی طرف یا اس کے جسم کے بعض حصہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو بکھر چکے ہوں اور متفرق ہو کر پھیل چکے ہوں ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو پھر یکجا کر دے گا اور اس پر زندگی وارد ہوگی۔ یہ کوئی مسئلے کا حل نہیں ہے جب ہم اسے (روح کو) کسی اور بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے سے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لیے اور آپ نے تعبیر بھی یہی اختیار کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ جب اس کا ایک اور حل ممکن ہے تو ہم اس جھگڑے میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں۔ ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ دوسرے مقامات پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ منکرین پر حجت ہو سکے اور جس طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آ سکیں۔

---

[1] روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ ۵۵

اما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع عدم بنيته وتفرق اجزائه
وذهاب هيئته وان لم يكن ذلك بعيدًا من قدرة من يبدء الخلق
ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل
ولا عظيم منة[1]

ترجمہ: اور اس ریزہ ریزہ ہونے جسم میں بکھاؤ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا
اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشتا ہے اور پھر
اسے لوٹائے گا۔ لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں۔ نہ اس
میں کوئی خاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال وجواب اور اس کی نعیم
وعذاب ایک دوسری صورت میں بھی تمام ہو سکتا ہے)
یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی متذبذب ہے
یہ آپ فیصلہ کریں۔ عقیدہ کے بیان میں آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے، وہ یہ ہے۔

اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل
هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه الاصلية لا يمنع السوق
يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على ما اختاره جمع و
اعلم ايضًا ان الروح على القول بتجردها لا مستقر لها لا في
داخل العالم او خارجه كما سمعت وانما المستقر حيث هذا البدن
الذي تتعلق وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من
ان تتعلق نفس ببدنين فاكثر بل هو واقع عندهم و ذكر
بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلي والآخر مثالي
يظهر للعيان على وجه خرق العادة[2]

---

[1] روح المعانی جلد ۲۱ صـ ... [2] ایضًا جلد ۱۵ صـ ۱۹۳

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)

ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح[1]

ترجمہ قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جسم سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے

فان البدن بدون الروح جماد لا حراک له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الی الآخر فلما اشترکا فی الکسب اشترکا فی الاجر والوزر[2]

ترجمہ: بدن بغیر روح کے ایک جمادی چیز ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے پس جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں تو یہ دونوں نیک اعمال کے اجر اور برے اعمال کی سزا میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

ثم لا حاجة فی اثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفیة ان العذاب علی البدن المثالی دون المادی وحینئذ لا نبعد ان لم نشاهد احدا یعذب فی قبره فان الاحسن ان یقال انه من عالم الغیب واقامة الدلائل العقلیة علیه جهل ومن یطیق ذلک[3]

ترجمہ: عذاب قبر ثابت کرنے کے لیے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے تجویز کی ہے کہ عذاب تو بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور اس صورت میں بدن مثالی کی تجویز پر استبعاد نہیں رہتا اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب پاتے ہوئے نہ دیکھ سکیں۔ سب سے زیادہ بہتر بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں جو ہماری نظر سے اوجھل ہے۔ اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کر بھی کون سکتا ہے۔

---

[1] فیض الباری جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] ایضاً صفحہ [illegible] [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ [illegible]

و جملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد جواب بر زائر برابر اند تخصیص با نبیاء و صلحاء نیست ؎

ترجمہ: جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر برزخ کے علم و شعور و ادراک سماع اور عرض اعمال میں اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں برزخ کی زندگی میں انبیاء و صلحاء کی تخصیص نہیں۔

برزخ کی یہ حیات سب کو حاصل ہے مگر ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات و مقامات کے مطابق ہے۔

امید ہے نواب صاحب کی اس تصریح کے بعد غیر مقلد حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسد عنصری دونوں کو شامل ہے۔ اللہ رب العزت جسد میت میں ایک ایسی برزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم و لذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے۔ جو چیز مطلوب ہے وہ جسد بدن عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے۔ وہ جس راہ سے بھی ہو اہل سنت کو کسی ایک پہ اصرار نہیں۔

اہل مطالعہ کتب سے یہ دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت سے باہر نہیں۔ ہاں انکار اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ کے گروہ میں جا چکا ہے۔ ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا۔ محدثین ان حدیثوں پر استشہاد کرتے ہیں جن میں قبر میں مردے کے دوبارہ لوٹائے جانے کا ذکر ہے مگر یہ لوٹایا جانا دنیا کی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے بدن مدفون میں اتنی حیات مانی جا سکے جو وہاں کی الم و راحت کا ادراک کرے۔

بھی تو ہمارے لیے ضروری نہیں۔ کوئی بیرونی فکری حملہ ہو تو متکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا
جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی ذریعے

پیشتر اس کے کہ ہم زیادہ روز مرہ کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے علمی موقف پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے علمی مزاج پہ کچھ بات کی جائے اور پھر یہ بات بھی جانے کہ ہم لوگوں (متأخرین) کے لیے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے۔ ان راویوں کے حالات اسماء رجال سے ملتے ہیں۔ دیانت اور یادداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تحقیق ہے ممکن ہے اور قرائن و دیگر قریب کے حالات سے یہ پختہ ہو جائے قرآن کریم نے ہمیں یہ اصول تعلیم دی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا
قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین ۝

"ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کی تحقیق کرو (اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفی میں کسی قوم سے جا الجھو اور پھر اپنے کیے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریق واردات یہ ہے کہ جونہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا اچک لیا کہ یہ روایت کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو جب تک اس کے خلاف واضح اسباب

جرح نہ آجائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبین السبب نہیں تو دونوں طرف کے اکثر جرح و تعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا ——— جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق واردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں کیا حضرت امام شافعیؒ پر یحییٰ بن معینؒ کی جرح نہیں کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گذرے۔

ما من الائمۃ الا وقد طعن فیہ طاعنون وھلک فیہ ھالکون۔

ترجمہ ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گذرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ روات کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور معدلین میں قوت اور غلبہ دیکھی جائے۔ اندھے کی لاٹھی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر رہے کہ تصحیح حدیث صرف تعدیل رواۃ سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح و تعدیل سے بھی ہوتی ہے اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:۔

اذا العمدۃ فی زماننا لیس علی الرواۃ بل علی المحدثین والمقیدین والذین عرفت عدالتھم وصدقھم فی ضبط اسماء السامعین[1]

ترجمہ ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت معلوم ہو چکی

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴

اور ان کا مصداق راویوں کے ضبط و اعتماد میں جانا جا چکا۔

فن کے عارفین، ورثائے، ناقلین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کو نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی صداقت کو دو سطروں میں الگ نہ کر سکیں گے۔ جرح و تعدیل کے مقتدر امام عبدالرحمن بن مہدی (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:۔

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلل الحديث من اين قلت هذا؟ لم يكن له حجة۔[1]

ترجمہ: حدیث کی معرفت ایک دل میں اتری صداقت ہے، آپ اگر کسی علل حدیث کے ماہر سے پوچھیں کہ یہ بات تم نے کہاں سے کہی ہے؟ تو شاید وہ بھی اپنی بات پر حجت قائم نہ کر پائے۔

حافظ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

ان الجرح انما جوز فی الصدر الاول حیث کان الحدیث یوخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار ۔ ۔ ۔ ۔ واما الآن فالعمدة علی الکتب المدونة۔[2]

ترجمہ: جرح پہلے دور میں اس لیے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی، کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں ۔ ۔ ۔ لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ دائرہ جرح کو حدیث کے کن کن ماہرین فن نے قبول کیا ہے۔

آئیے اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) جو حضرت امام بخاریؒ

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۱۳ [2] الکاوی فی تاریخ السخاوی کما فی الرفع والتکمیل صفحہ

حدیث حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا
اقرار کیا ہے ــــ حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔

وفی هذا الحدیث فوائد کثیرة لاهل السنة وقمع المبتدعة۔ ؎۱

ترجمہ۔ اور اس حدیث اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب
اکھاڑ ہے۔

حاکم (م ۴۰۵ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے
تھے جو عذاب قبر کے منکر تھے۔ ابن حزم (م ۴۵۶ھ) بھی اس کے قریب ہوئے جو عذاب قبر
کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث براء روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی
تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک
عذاب قبر اور اس کے روح و جسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سوا اور کوئی
نہ تھا۔ کل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر ص ۔۔) دوسرا راوی سلیمان
بن مہران الاعمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۲) تیسرا راوی منہال بن عمرو ہے یحییٰ بن معین
کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب جلد ۱۰ ص ۳۱۹) شعبہ اس کی روایت نہ لیتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ
ان کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی۔ یہ ہو سکتا ہے کسی نے
بے پر کی اڑا دی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے۔

لم یصح عنه ذلک وجرحه بهذا تعسف ظاهر وقد وثقه ابن معین
والعجلی وغیرهما ؎۲

؎۱ مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۹ ؎۲ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۱۹

حدیث کی تصحیح کرنیوالے اور اسے قبول کرنے والے محدثین

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے اسے اپنی کتاب کتاب الزہد والرقائق کے ص۱۲۱ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) میں دیکھیے علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابو داؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آئیے اب چوتھی صدی میں دیکھیں۔ امام ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر جلد ۱۳ ص۱۲۱ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:

ھذا حدیث صحیح الاسناد[1]

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) نے مستدرک میں لاکر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی —— ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ علی المستدرک۔

علامہ ابوالمظفر الاسفرائنی (۴۷۱ھ) بھی لکھتے ہیں:

واخبر انھم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور ما لا یحصی من الآثار والاخبار[2]

ترجمہ: اور آنحضرت نے خبر دی ہے کہ اموات کو انکی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کئے جانے پر اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] الترغیب والترہیب جلد ۴ ص۲۲۰ [2] التبصیر ص۱۵۰

ساتویں صدی کے علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں:۔

وروی الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحیح عن البراءؓ [1]

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد سجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازب (صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:۔

ورواہ الامام احمد وغیرہ وھو حدیث اجمع رواتہ اھل العلم علی شہرتہ و استفاضتہ وقال الحافظ ابو عبد اللہ بن منده ھذا الحدیث اسناد متصل مشہور رواہ جماعۃ عن البراء [2]

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوتے ہیں اور حافظ ابو عبد اللہ بن منده نے کہا ہے اس حدیث کے سب روات آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہے اسے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

فالاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال [3]

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر و نکیر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:۔

وھو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ [4]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک جماعت کی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] مختصر تذکرہ قرطبی للشعرانی ص۱۴ [2] شرح حدیث النزول ص۳۳ [3] ایضاً ص۵۸ [4] اجتماع جیوش اسلامیہ ص۴۰

هذا الحديث مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم أحدا من أئمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه أصلا من أصول الدين في عذاب القبر ونعيمه ومسائلة منكر ونكير وقبض الأرواح وصعودها الى بين يدي الله ثم رجوعها الى القبر۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے۔ اسے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو۔ بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب و ثواب اور سوال نکیرین اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اللہ کے حضور حاضر ہونے اور پھر سے قبر پہ چلے آنے کے باب میں ایک اصل ٹھہرایا ہے۔

فالحديث صحيح لا شك فيه۔[2]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ سبکی (۷۵۶ھ) کہتے ہیں:

ورجال اسناده كلهم ثقات۔[3]

ترجمہ: اس روایت کے راوی سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاد ہیں، نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

رواه احمد ورجاله رجال الصحيح۔[4]

---

[1] کتاب الروح ص۵۹ [2] ایضاً ص۵۹ [3] شفاء السقام ص۱۵۶ [4] مجمع الزوائد جلد ۳ ص۵۰

ترجمہ: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔[1]

فعادة الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث۔[2]

ترجمہ: روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔

دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔

وقال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح بالبدن وقت السؤال[3]

ترجمہ: اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر حدیثیں ہیں کہ احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں۔

زاد في حديث البراء فتعاد روحه في جسده۔[4]

ترجمہ: اور حدیث براءؓ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔

سیدنا ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں۔

فتعاد روحه في جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه۔[5]

ترجمہ: یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرماتی ہے۔[6]

---

[1] دیکھیے فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۰۰ [2] فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۳۸ [3] شرح الصدور صفحہ ۵۰ مصر
[4] فیض القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۹۸ [5] مرقات جلد ۲ صفحہ ۴۱ [6] مکتوبات دفتر ۳ مکتوب ۹۹ صفحہ

واختلف في ان الميت يعذب بالاجساد في القبر او يجعل الروح في مقابلته بنوع آخر ما يعلمه الله ولا نسأله والاظهر الاصوب انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث[1]

ترجمہ: اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر میں اس کے جسم کے ساتھ ہوتا ہے یا روح اس کے جسم کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے اور کسی دوسری طرح سے عذاب پاتی ہے یا کسی ایسے طریقے سے جسے خدا ہی جانتا ہے ہم نہیں جانتے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھیر لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔

تیرہویں صدی کے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں۔

فیعاد روحه في جسده وكذا يقال في الكافر فيعاد روحه في قبره قال ابن عبد البر هذا الصحيح ما قيل[2]

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسم میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لوٹائی جاتی ہے ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) نے اس کے تواتر کا دعوے کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں قیل وقال کی حاجت نہیں۔

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر[3]

ترجمہ: اور اس بارے میں احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حد تواتر کو پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں۔

والجمهور على عود الروح الى الجسد[4]

ترجمہ: جمہور اہل اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

---

[1] تنقیح اللمعات جلد ۱ ص۱۱۱ [2] تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص۲۶۵ [3] نیل الاوطار جلد ۴ ص۶۱ [4] روح المعانی جلد ۸ ص۶

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) سے پوچھا گیا میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہونا ہے تو اس کے قبر میں ملنے کا کیا فائدہ؟ ــــــ حضرت علامہ نے جواب دیا:

الحکمۃ ما ھو مقرر عند اھل السنۃ والجماعۃ من ان البدن ینعم بانواع النعیم کالروح وحینئذ فبقی تحصل بہ النعیم الی ان ـــــ فان البدن بینہ و بینھا غایۃ الارتباط والمناسبۃ۔[1]

ترجمہ: جو چیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اسی میں ہے کہ بدن بھی روح کی طرح مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور جب تک یہ باقی ہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان ختم ہو کیونکہ بدن اور روح کے مابین ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟

فاجاب بانہ ـ فی البخاری انہ یسئل قاعدًا وکذا فی ابن ماجہ۔[2]

ترجمہ: آپ نے جواب دیا یہ بات صحیح بخاری سے ملتی ہے یہی ہے کہ اسے بٹھا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور قول مہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃً بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی مربوط رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وچوں قسمے از مبتدعہ و اہل ہوا کہ اکثر معتزلہ و بعضے روافض باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و بدمیت و شبہہ کردہ اند کہ مشرکی از اں جملہ تواتر رسیدہ

---

[1] فتاویٰ کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۔ [2] ایضاً

دراں ورود یافتہ است و سلف صالح پیش از ظہور اہل بدعت و انکار ایشاں ہمہ اتفاق داشتہ اند بر ثبوت آں و اعتقاد بداں ۔۔ و اختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح با روے یا بجزئی دیگر کہ پروردگار خواہد مارا بدریافت کنہ حقیقت آں راہ نباشد و حق آں است کہ باحیاء است، چنانکہ ظاہر احادیث دال است بر آں۔[1]

ترجمہ: اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کرنے والے کہ معتزلہ ہیں اور کچھ رافضی بھی ہیں عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور شریعت کے معاملہ میں بہت سی احادیث کہ ان کی قدر مشترک تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتیوں کے ظاہر ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے

اور ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے جسم کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں ـــــ اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر اتنا بھی تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ الم و راحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے۔ لیکن یہ حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور ان میں الم و راحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرے سے نہیں نکال سکے گا۔ انہیں چاہیے کہ کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر برحق ہے اور الم و راحت در میت برحق ہے۔ حضرت شیخؒ لکھتے ہیں:-

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۱۲۴

اگر ہمیں قدر بداند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بداں چیزے از الم

وراحت دریابد در اعتقاد صحیح کفایت است۔ ؎

ترجمہ: اگر اتنا ہی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ مردے میں ایک ایسی حالت پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ اس

سے الم و راحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیح کے لیے یہ بات بھی کافی ہو سکتی ہے۔

لیکن اگر ہم اسکو بالکل ہی جماد محض یعنی بے شعور مان لیں تو پھر اسکے مبتدع ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کر دی ہے

اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام معتزلہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے

اظہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیۃؒ فی بعض مناسکہ.

ثم یاتی الروضۃ بین القبر والمنبر فیصلی بھا ویدعو بما شاء ثم یاتی

قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیستقبل جدار القبر ...... ویقف متباعدًا

کما یقف لو ظہر فی حیاتہ بخشوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف

مستحضرًا بقلبہ جلالۃ موقفہ ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ و

برکاتہ السلام علیک یا نبی اللہ وخیرتہ من خلقہ السلام علیک یا

سید المرسلین وخاتم النبیین وقائد الغر المحجلین اشھد ان لا الہ

الا اللہ واشھد انک رسول اللہ ۔ ؎

؎ اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۷۱۵ ؎ الصارم المنکی ص ۱

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جسم و روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تعاون سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر ہوا کی غذا ہو تو یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور نشوونما اس کے آثار میں سے ہے۔

اس جہان سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ وعلیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے سکتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات النبی کی بحث میں عوام کے لیے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائٹل پہ حیات النبی کے نیچے یہ لکھ دیئے یعنی حضور کی حیات برزخی کا بیان۔ مبادا کوئی اس حیات سے بالکل دنیا کی زندگی مراد سمجھ لے۔

وفات کے بعد پھر اسی دنیوی زندگی میں آنا یہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ رجعت کہتے ہیں۔ اہل السنت کے ہاں وعدۂ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا۔

------ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دنیوی صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے۔ گو یہ اس عالم کے لیے کوئی زندگی نہیں۔ آپ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لیے بے شک حسی ہے لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے۔ نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔

ایک سویا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں بیٹھے کر دیکھ رہا ہے مگر اس کے پاس بیٹھے

والے اس کے جسم میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ ہم
خواب کا لمبا سلسلہ بیداروں کے نزدیک مرئی یا عمل ہو اور پھر حرکت تک محسوس نہ ہو کیا وہ اس
پر قادر نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر یہاں (اس دنیا) کے لوگوں کو بالکل ساکن ہی
دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ کی وہ حیات آپ
کے حق میں پوری حسی ہو آپ اسے اسی طرح طرح محسوس کریں جیسا کہ اس عالم میں آپ
نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو۔ اللہ رب العزت بے شک
اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے گزارے، جن کا
احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دنیا والوں کو اس بدن اطہر میں کوئی حرکت محسوس
نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا۔ اس طرح نرم و نازک اور
تازہ و شاداب رہتا جیسا کہ وہ روضہ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی
اسی طرح ہے۔ جیسا کہ رکھا گیا تھا:

وهو اليوم كما وضع۔[1]

ترجمہ۔ اور وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسد اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے۔ جیسے آج سے چودہ سو
سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسد پاک کو وہاں برزخی حیات موصول ہے جس سے
آپ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سنتے ہیں۔ آپ عالم برزخ
میں اپنے جسد اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ اپنی قبر مبارک میں نمازیں
بھی پڑھتے ہیں اور آپ کے لیے قبر مبارک کی وہ وسعتیں نہیں جو ہمیں روضہ مبارک کی دکھائی
دیتی ہیں۔ اس کی مسافتوں اور لطافتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جو ہیں یا اللہ رب العزت

---

[1] ہدایہ باب الجنائز جلد ا صـ

جو بین حجاب اور کدورت کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء نہیں یہ بحث ضمناً آگئی ہے۔ حیات انبیاء پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداء کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو برزخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں۔ نہ اس میں تصرف آب و ہوا ہے نہ مادی نشو و نما ہے۔ برزخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے

بدن عنصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں۔ اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح کا وجود کسی طرح ایسا نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے۔ روح و بدن کے تعلق کی یہ ایک جدید نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

ان الروح تعاد الی الجسد و ذلک ان یحدث لها نوع غیر التعلق الذی کان لها فی الدنیا بالبدن وهو نوع اخر وغیر تعلقها به حال النوم وغیر تعلقها به وهی فی مقرها بل هو نوع خاص للمیت۔ [1]

ترجمہ: بیشک روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر ربط ہوتا ہے۔ اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اسے بدن کے ساتھ حالت نیند میں حاصل تھا اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد سے اپنے مقر میں رہتے ہوئے حاصل تھا۔ یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا میت کی طرف پھر لوٹنا ہے اور یہ ایک خاص شخص کی میت سے ہے روحانی تمام پہلے تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بیٹھ جاتی ہے

شرح عقائد میں ہے:-

---

[1] کتاب الروح ص۷۲، ص۵۸

ويجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعاً من الحيوة

قدر ما يدرك الم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم اعادة

الروح الى بدنه ولا ان يتحرك ويضطرب۔[1]

ترجمہ: جائز ہے یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میت پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک
طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی
لذت پا سکے اور اس کے لیے لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف دوبارہ لوٹے اور
نہ ضروری ہے کہ وہ حرکت کرے اور اٹھے بیٹھے۔

یعنی عذاب قبر کے لیے مطلق حیات چاہیے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے۔

یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں۔ مگر علامہ عبد العزیز پرہاروی
لکھتے ہیں:۔

ان الحیوۃ المیت لیست کحیوۃ غیرہ باعادۃ الروح فی الجسد اعادۃ
کاملۃ۔[2]

ترجمہ: میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جسد میں
کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادہ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے
تعلق سے ہے مگر یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہیں۔ روح و بدن کے تعلق کی ایک جدی نوع ہے
حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں:۔

ھذہ الحیوۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ۔[3]

ترجمہ: قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

لا تشبہ حیوۃ الدنیا۔ وہ حیات دنیوی زندگی کی سی نہیں۔[4]

---

[1] شرح عقائد التفتازانی ص۱۰۲ [2] نبراس ص۲۲۲ [3] فتح الباری جلد ۳ ص۲۴ [4] ایضاً جلد ۳ ص۲۰۱

الحيٰوة في القبر للمسئلة ليست كالحياة المستقرة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن وتدبيره وتصرفه وتحتاج الى ما يحتاج اليه الاحياء بل هي مجرد اعادة لفائدة الامتحان كما وردت به الاحاديث الصحيحة[1]

ترجمہ: قبر میں سوال و جواب کے لیے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں ہے کہ جو دنیا میں عادی حالت میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس کا بدن میں تدبیر کرتی ہے اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندے محتاج ہوتے ہیں جیسے غذا اور نشوونما بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعادہ روح ہے جس سے سوال و جواب کا فائدہ پیدا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں:۔

قال الامام القرطبي: اختلفوا في انه يخلق فيه حيوة مطلقة كحيوة قبل الموت او حيوة بقدر ما يحس الالم والصحيح هذا[2]

ترجمہ: امام قرطبی فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا کر دی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے سے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی ہے جس سے وہ عذاب قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں:۔

ولكل روح بجسدها اتصال معنوي لا يشبه الاتصال في الحيوة الدنيا بل اشبه شيء به حال النائم وان كان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا يجمع بين ما ورد ان مقرها في عليين او سجين

---

[1] فتح الباری جلد ۳ ص۱۶۲ [2] مسامرہ شرح مسایرہ جلد ۱ ص۱۹

وبين ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور ان ارواحهم افنية القبور[1]

ترجمہ: اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے وہ سونے والے کا حال ہے۔ اگرچہ پیغمبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقر علیین میں یا سجین میں ہے اور اس میں جو ابن عبد البر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت سے کہتے ہیں :۔

درقبر احیاء اماتت حقیقیہ نیست ..... کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں شدہ باشد[2]

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں۔ اس قبر کی زندگی میں نہ بدن کو دیہاں کی غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشو ونما ہوتی ہے۔

اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہاں دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے۔ لیکن صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر الم یا راحت کا ادراک ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے۔ جس میں روح نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ اس عالم میں رد الروح الی الجسد اسی درجہ میں ہے نہ کہ کاملاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان حشرات سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور جسم کو بھی اسی

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ [2] تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۲۸۲

بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا۔ اس لیے اس کو بعض علماء نے حیاتِ برزخی کو دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیاتِ دنیوی نہیں برزخی ہے۔ یہاں نہیں عالمِ برزخ میں ہے۔ یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

نہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دلوں ایسا پیرایہ بیان اختیار کیے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر زندہ ہیں تو باقی صحابہ کرامؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا کیا یہ حضورؐ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے۔ اگر آپ زندہ ہوتے تو صحابہؓ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ

جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ وعظ کر رہے ہیں۔ یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

(۲) ——— اگر صحابہؓ حضورؐ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابیؓ نے یہ کیوں نہ کہا۔ چلو حضورؐ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ

یہ مشورہ لینا اور دینا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں۔ حیات النبی کے

تا قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں ـــــ اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرفیت دنیوی نہیں ہے۔ اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

(۳) ـــــ حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ کی آواز سنائی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ

یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ اگلے جہان کی آواز یہاں سنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ شاید یہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقال دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

(۴) ـــــ یہ میں کار میں بیٹھا ہوں۔ شیشے بند ہیں۔ میں باہر کے منظر کو دیکھ تو رہا ہوں سن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سن نہیں پاتا تو سوچئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سنتے ہوں گے۔

تبصرہ

شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان کے فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ

آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں —— نہیں، علمائے دیوبند آپ کے انتقال و دفن کے قائل ہیں۔ حضور کے جسم کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی —— اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر[1]

جہان دنیوی سے صرف علاقہ ظرفیت نہیں۔ آپ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں لیکن آپ کے اپنے حق میں وہ حیات جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لیے مدرک اور مشاہد نہیں۔ الا یہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھا دے۔

بریلویت کی یہ چار طریقوں کی دروغ بیانی ہے ان پر تفصیلی بحث سے معلوم ہوگا کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی جہت سے آپ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں —— معاذ اللہ ایسا ہرگز نہیں۔ اس جہت سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہل سنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے اس بیان کو اگر غور سے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا عجب بہت سے نقلی اختلاف سے بچ نہیں جاتے

حیات دنیوی ظاہری کا اس دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ قرآن پاک کی اس صریح مخالفت کون مسلمان کرسکتا ہے؟ ہم بھی قائل ہیں حیات برزخی

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص... امام فخرالدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئيات۔ سو یہ ادراک اگر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ہی کے قائل ہیں۔[1]

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اسے حیات دنیوی نہ کہا جائے۔ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا ملزم نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ حضور کو اس دنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقال دارین کا قائل نہیں۔ (استغفر اللہ) ایسا شخص اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے۔ وہ ہرگز اہل حق سے باہر نہیں۔ قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جا سکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل محض اس لیے گذارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات النبی میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے کہا جائے۔ المہند میں حیات برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو انہی معنی میں سمجھا جانے چونکہ علمائے دیوبند اس سے مراد لیتے ہیں ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقال دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً ہمارے دین کی آواز ہے تو پھر طرفین کو بھی وہ تقریریں ترک کر دینی چاہئیں جنہیں ہم ابھی مختصر تبصرہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشتت عوام کا سبب تو ہو سکتی ہیں۔ لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں وکفی باللہ شہیداً۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دنیوی زندگی کہا جا سکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی

[1] منقول از رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص۳۲ ، جنوری ۱۹۶۰ء

بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تعبیر کے اعتبار سے اسے دنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

یثبت اللہ الذین امنوا منکم بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔ (پ ۱۳۔ ابراہیم۔ ع ۴ آیت ۲۷)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لیے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطا فرماتا ہے۔[1]

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال وجواب ہے۔ قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے۔ سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ ایک کھلی دنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دنیوی زندگی ہے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی (۵۹۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دنیوی زندگی کا یہی معنی کرتے ہیں:۔

الحیوۃ الدنیا زمن السؤال فی القبر والاخرۃ السؤال فی القیامۃ۔[2]

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال وجواب ہوں گے۔

تفسیر خازن میں ہے:۔

---

[1] دیکھیے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۸۰ جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ [2] تفسیر زاد المسیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۱

الحیٰوۃ الدنیا یعنی حیاۃ فی القبر عند السؤال [1]

ترجمہ: یہاں حیات دنیا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال وجواب کو فی الآخرۃ سے متعلق کہا ہے لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دیوبند نے ہی کیا ہو۔ بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے۔ اس کو دونوں طرح عرصۂ حیٰوۃ دنیا میں یا عرصۂ حیٰوۃ آخرت میں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں [2]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے مواطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے [3]

برزخ صغرے چوں یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوت و متفاوت خاص داند الانبیاء احیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد۔

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے اس سے اس میں ترقی کی گنجائش ہے۔ برزخ کے مقامات بھی لوگوں کے لحاظ سے بہت مختلف ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

---

[1] تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۸۔ تفسیر قرطبی جلد ۹ صفحہ ۳۶۳ [2] تفسیر عثمانی صفحہ ۳۳۲ [3] مکتوبات دفتر ۳ مکتوب ۹۲

برسر مطلب آمدیم

اصل بحث عام اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذاب قبر پر بحث کر رہے تھے
درمیان میں ہی کا مسئلہ ضمناً آ گیا کیونکہ حیات طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔ اب ہم پھر اصل بات
کی طرف لوٹتے ہیں۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ عذاب قبر اور نعیم قبر کو روح اور بدن دونوں
سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدن عنصری سے ہے محض بدن مثالی سے نہیں۔ وہ
جتنے بھی ہوں مقدور باری ہیں لیکن حکمت الٰہی اسی میں ہے کہ عذاب قبر اسی بدن سے متعلق
ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو یا اس کے ذرات منتشرہ ہوں، جو کل قیامت
میں آخرت میں معذب ہوگا — دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے۔ عذاب برزخ بھی اسی
بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہئے اور ضروری ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر
ہو۔ عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں — جمہور
اہل السنۃ کا مختار یہی ہے کہ عذاب قبر روح اور بدن کو شامل ہے۔ یہ حقیقت اعادہ روح
سے قائم ہو یا تعلق روح سے۔ اس میں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔ محدثین اعادہ
روح کے قائل ہیں اور متکلمین معتزلہ، کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لیے وسعت تعبیر کے
قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیات برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو نہیں پا سکتا
برزخ میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔ ہاں یہ ہم اس سے ٹھیک
زندگی مراد نہیں جو اس جہان سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں۔ مگر یہ برزخی
زندگی بھی بعض پہلوؤں سے مطلق دنیوی میں سے ہو۔

حیات برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیا دار العمل ہے موت پر زندگی عمل کٹ جاتی ہے۔ انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیات برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

فنبی اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورہم یصلون شرح فی ذکر الحیوٰۃ
افعالہا الاصلیۃ والمراد مع اجسادہم فان اجسادہم محرم علی
الارض[1]

ترجمہ: سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء
احیاء فی قبورہم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں اعمال حیات کے
بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ
ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمال حیات مراد ہوں یا اجساد حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالم برزخ عالم تکلیف نہیں یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (پ۱۴ الحجر آیت ۹۹) حکم الٰہی ہے اور اسی وقت تک کے لیے ہے جب تک موت نہ آجائے۔

سو عالم برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں، قرب الٰہی میں اور بڑھنے کے لیے ہے۔ یہ ذوق عبادت کی مزید لذت پانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جیسے کہ سلامتی اس جسم کا ایک آلہ ہے۔

---

[1] عقیدۃ الاسلام ص۴۲

جہاں آخرت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل جاری ہے یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء کی حیات برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جسم کی سلامتی انہیں اس لیے ملی ہے کہ اس میں اس کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ انبیاء وہاں اپنی نقل و حرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سن سکتے ہیں۔ ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھا دیں یا سنا دیں۔

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو یہاں ہی جانے نہ دیتے۔ آپ یہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ انک میت و انہم میتون پورا ہوتا اور آپ پھر براہ راست آخرت میں چلے جاتے۔ یہ درمیان برزخ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امتداد حیات کا موقع دیا گیا تھا۔ مگر آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیات دنیوی پر ترجیح دی۔ حضرت ابو مویہبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور نے مجھے فرمایا:-

ولاحمد ایضا من حدیث ابی مویہبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اوتیت مفاتیح خزائن الارض والخلد ثم الجنۃ فخیرت بین ذلک وبین لقاء ربی والجنۃ فاخترت لقاء ربی والجنۃ[1]

مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں، سو کہ میں قیامت تک رہوں پھر آگے جنت ہے۔ مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کو چن لوں۔ میں نے لقاء رب اور جنت کو منتخب کیا ہے۔[2]

---

[1] دیکھئے صحیح بخاری ص۶۴۱ [2] فتح الباری جلد ۸ ص۱۱۱ عن احمد

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں:

انہ لم یقبض نبی حتی یری مقعدہ من الجنۃ ثم یخیر فلما نزل بہ و رأسہ علی فخذی غشی علیہ ثم افاق فاشخص بصرہ الی سقف البیت ثم قال اللھم الرفیق الاعلیٰ فقلت اذا لا یختارنا وعرفت انہ الحدیث الذی کان یحدثنا وھو صحیح۔[1]

ترجمہ: کوئی نبی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیا میں رہے یا جنت کو اختیار کرے۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللھم الرفیق الاعلیٰ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ ہمارے پاس نہ رہیں گے میں نے جان لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کرتے تھے کہ نبی کو دنیا میں رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے وہ یہی ہے اور یہ کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پا لیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو بھی ایسا ممکن تھا اور قرآن و شریعت اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کی دنیوی زندگی کا امتداد تھا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ کی دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے عمل کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قرب الٰہی میں اور آگے بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلۂ طاعات میں مشغول ہے اور یہ برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے جو ہماری آنکھوں سے مستور ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو یہ بھی ممکن تھا۔ اس صورت میں آپ صعقہ اولیٰ میں انک میت وانھم میتون کا وعدہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۴۱

پورا کرتے۔ دوسری صورت ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے۔ اس صورت میں آپ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی۔ اور اس میں کوئی شرک کا پیوند نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ پر وفات پر جھکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الٰہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں۔ وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور رفعتِ حیات کے لیے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا تاکہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے۔ جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ دنیا میں ایک دفعہ کا کیا ہوا وضو جو نماز کو بعد الوفات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے، قیامت تک کی نمازوں کے لیے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطف ہے۔ اس اعتبار سے آپ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتوارث کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک پہنچتی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ جنہیں مردہ کہنا سخت منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیئے گئے ہیں انبیائے کرام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں۔ اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا سا جسد ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں۔ طلائی قندیلوں میں گھومتی ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آ سکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں کسی چلنے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا امر ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر کرا دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی (شہداء سے) اونچا ہے۔ کیا برزخی سیر کے لیے ان کی روحوں پہ آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضورؐ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پہ نہیں ہو سکتا؟ کیوں نہیں۔

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کو برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں دیکھنا پا لیا جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمارے لیے مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہو گا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آ رہی ہے۔

انبیاء کا سلسلۂ عمل رکا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلۂ عمل رکا نہیں ان کی عبادات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ عبادت کا عمل ہمارے سامنے سے ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں اور اسباب ان کے چھپنے کے ہیں کا جہاں یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے۔ وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھیئے حضور ختمی مرتبت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ شہداء کے لیے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء کے لیے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں:۔

سرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال ای واد ھذا فقالوا وادی الازرق فقال کانی انظر الی موسیٰ فذکر من لونہ وشعرہ شیئا۔[1]

ترجمہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق۔ آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۴

معراج کا حضرت موسیٰ کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تائید میں تھا کہ آپ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے۔ عالم مثال اور مثالی ابدان کے حلیے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کیے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر مستبعد نہیں ہے وہ بلا بسس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔[1]

صحیح بخاری میں ہے:

اما موسیٰ کانی انظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی۔[2]

ترجمہ: موسیٰ گویا میں دیکھ رہا ہوں آپ وادی میں اترتے لبیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لبیک کہنا اعمال عمرہ و حج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد و ثنا کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ بسس برزخی زندگی میں ان کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی آپ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے عملی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری دوسری حدیث فاذا موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

وان حقیقۃ الصلوٰۃ وھی الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح فقط۔[3]

ترجمہ: نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجا لانا ابدان

---

[1] دیکھئے فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۳۴ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ [3] مرقات جلد ۵ صفحہ ۱۵۱

سے ہوتا صرف اداء عبادت سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

الانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجوا قال القرطبی حببت الیھم العبادۃ فھم یتعبدون بما یجدون من دواعی انفسھم [۱]

ترجمہ: انبیاء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے ——— تو یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں عبادت کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر وادیٔ عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے گزرنے کی خبر دی۔ آپ نے کہا :۔

مر بہ ھود وصالح علیھما السلام علی بکرات خطمھا اللیف ازرھم العباء وارد یتھم النمار یلبون یحجون البیت العتیق۔ [۲]

ترجمہ: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے گزرے ہیں ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی ——— ان کی لنگیاں ——— عبا اور چادریں ——— اون کی تھیں تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف کرنے جا رہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) بھی لکھتے ہیں :۔

اسنادہ حسن۔ [۳]

---

[۱] فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۴۳ [۲] مسند ابو یعلیٰ والطبرانی ایضاً [۳] البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۲۸

محدث شہیر حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔[1]

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام کے معمولی معاملات جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی برزخی سیر میں اس دنیا پر بھی آ نکلتے ہیں۔ تاہم ان کا جہان عالم برزخ میں رہتا ہے۔ ذکر ہے جہاں معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سُرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے۔ آپ اس عالم (برزخ) میں ۔۔۔۔ نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور ۔۔۔۔ کبھی فرماتے کانی انظر الیہ۔ گویا میں ابھی کر دیکھ رہا ہوں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا۔

ولقد اٰتینا موسی الکتٰب فلا تکن فی مریۃ من لقآئہ۔

(پ ۲۱، السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ۔ اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ ایک حقیقت ہے کوئی دھوکہ یا نظر بندی نہیں ہے[2]

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ معراج کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کو دیا گیا اور لیلۃ الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔ جب آپ کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری جماعت انبیاء سے بھی ہوئی۔ مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ نے حضرت موسیٰ کو ہی پایا تھا۔

---

[1] دیکھئے البدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱   [2] تفسیر عثمانی صفحہ ۵۵۹

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی و قراءۃ القرآن عند الترمذی [1]

ترجمہ۔ بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دینا مروی ہے۔

حیات انبیاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اراد بالحیوۃ فعل الاعمال والا فکثیر من فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین۔ [2]

ترجمہ۔ حدیث میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے یعنی زندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا، اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال معطل ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں ملا علی قاریؒ تصریح فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں تو مردوں کے اعمال حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں:۔

الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح [3]

ترجمہ۔ یہ مختلف قسم کے افعال بجا لانا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے ـــ صرف ارواح سے نہیں۔

حیات شہداء کی بحث میں حیات انبیاء کی یہ بحث ضمناً آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیات انبیاء ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا ہمیاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی اس کے بعد ہمارے

---

[1] فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۳ [2] عقیدۃ الاسلام ص ۲۰ [3] مرقات جلد ۱ ص ۸۳

یہ کرم فرما معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے۔ فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے انبیاء سے ملاقات

ہم حضرت نوحؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پردے میں زمین پر آنا اور حضورؐ کا انہیں دیکھ پانا پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ ان میں موسیٰ علیہم السلام کی ملاقات بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں صراحت سے کہا گیا ہے:۔

فلا تکن فی مریۃ من لقآئہ۔ (پ ۲۱، السجدہ۔ آیت ۲۳)

ترجمہ: آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک و تردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام اسی طرح کھڑے تھے جس طرح ارواح الشہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء نے حضورؐ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پا سکتا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے۔

جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں متجسد ہوتی ہیں۔ انبیاء کی ارواح ان نبیوں کی اصل صورت میں متجسد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح واجساد کے ساتھ تھی۔

محدثین نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو۔ اور ہو سکتا ہے انبیاء کرام اپنے اجساد اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح واجسام دونوں سے ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

واما الذین صلوا معہ فی البیت المقدس فیحتمل الارواح خاصۃ ویحتمل الاجساد بارواحھا۔[1]

---

[1] فتح الباری جلد ۷ [illegible]

ترجمہ: وہ انبیاء جنہوں نے بجسد ذات حضورؐ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہو سکتا ہے کہ وہاں صرف ارواح متجسد ہوئی ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع اجساد پہنچ گئی ہوں۔

بل ان الارواح تشکلت بصورۃ اجسادھم او حضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ تشریفا له وتکریما ویؤیدہ حدیث عبدالرحمن بن ہاشم عن انس ففیہ وبعث له آدم ومن دونه من الانبیاء ع[1]

ترجمہ: ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ سب حضورؐ کی تشریف و تکریم کے لیے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ کے لیے حضرت آدمؑ اور دوسرے سب انبیاء اٹھائے گئے (حاضر کیے گئے)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام حضورؐ کے اعزاز و اکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ پہنچائے گئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت مل جاتی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب لوگ تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آ پہنچنا مان سکتے ہیں۔ وہ قدرت ایزدی سے ان انبیاء کے یہاں آنے اور پہنچنے پر بھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ تخت ابھی عالم دنیا میں تھا۔ لیکن انبیاء کرام کی یہ جماعت تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پا سکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبروں سے نکلیں بھی اور باذن الٰہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں ——— الخ

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ [illegible]

یہ فاصلہ اور آنا جانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس و مشاہد ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء کا اصلی اجساد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان حقائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لیے تیار رہیں۔ یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لیے تھے ـــــ اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لیے اور تھے ـــــ تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

صلوٰتهم في اوقات مختلفة وفي اماكن مختلفة لا يرده العقل وثبت به النقل فدل ذلك على حياتهم۔[1]

ترجمہ: ان کا بیت المقدس میں نماز ادا کرنا اور آسمانوں میں بھی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ملاقات انبیاء پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدون اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

واسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن آلهة يعبدون۔ (پ ۲۵: زخرف ع ۴ آیت ۴۵)

ترجمہ: اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا کیا ہم

---

[1] فتح الباری کتاب الانبیاء ج [illegible] ص [illegible] مطبوعہ دہلی

نے بتلائے ہیں رحمٰن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضورؐ کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لاکر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء سے پوچھنا مطلوب نہیں۔ ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کسی پیغمبر نے بھلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کیے ہیں۔

یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا ان کے علوم اور کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔[1]

اول معنی حقیقی اور ظاہری معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں تحریف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبی (م ۶۷۱ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی[2] — ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہری معنی کہا گیا ہے۔

قیل هو على ظاهره بان جمع له الرسل ليلة الاسراء وقيل المراد امم من ای اهل الكتابين۔[3]

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لیے معراج کی رات

---

[1] تفسیر عثمانی ص [illegible] [2] دیکھئے تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص [illegible] [3] تفسیر جلالین ص [illegible] مصر

جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی اسلامیہ علماء ہیں یعنی یہ کہ آپ ان کی امتوں سے پوچھئیے۔

جلالین میں دوسرے مقام پر صراحۃً لفظوں میں اسے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے۔

فلا تکن فی مریۃ (شک) من لقائہ وقد التقیا لیلۃ الاسراء[1]

ترجمہ: موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (حضور اور حضرت موسیٰ) لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

وفی الجلالین قیل ہو علی ظاہرہ بان جمع لہ الرسل لیلۃ الاسراء[2]

ترجمہ: جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے کہ معراج کی رات آپ کے لیے تمام پیغمبر اکٹھے کیے گئے تھے

نبیوں سے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہییں۔ شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

والسؤال ھٰھنا مجاز عن النظر فی ادیان الانبیاء۔[3]

ترجمہ: انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھیے۔ امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں۔

فالقانون انہ یجب حمل کل لفظ ورد فی القرآن علی حقیقتہ الا اذا قامت دلالۃ عقلیۃ قطعیۃ توجب الانصراف منہ ومن لم یعرف شیئا لم یخض فیہ[4]

---

[1] تفسیر جلالین ص۳۵۵ [2] جلد ۴ ص۱۲۹ [3] تفسیر صفوۃ التفاسیر جلد ۳ ص۱۵۱
[4] تفسیر کبیر جلد ۲ ص۸

ترجمہ: اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا ہے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جائے جو اسے اس کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھتا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی پر کیسے آئے گا۔

علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:۔

فلما فرغ من الصلوٰة قال له جبرئيل اسئل يا محمد من ارسلنا فكذا قول الزهري وسعيد بن جبير وابن زيد قالوا جمع له الرسل ليلة الاسراء وامر ان يسألهم[۱]

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو جبریل نے آپ سے خدائی حکم پہنچاتے ہوئے کہا اے میرے رسول! جو رسول ہم نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔ زہری، سعید بن جبیر و ابن زید کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لیے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

عن سعيد بن جبير قال ليلة اسرى به لقى الرسل وفيه ... واسئل من ارسلنا[۲]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضور کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کرتے ہیں۔

---

۱ معالم التنزیل جلد ۳ ۲ درمنثور ص ۱۱

اخرج الطبرانی وابن مردویہ والضیاء فی المختارۃ بسند صحیح عن ابن عباس انہ قال فی الآیۃ ای من لقاء موسیٰ واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العالیۃ انہ قال کذلک فقیل لہ او لقی علیہ الصلوٰۃ والسلام موسیٰ قال نعم الا تریٰ الی قولہ تعالیٰ واسئل من ارسلنا ... والمراد بذلک لقاءہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاہ لیلۃ الاسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرہما وروی نحو ذلک عن قتادۃ وجماعۃ من السلف وقال المبرد وبعض استحسن الزجاج ہٰذہ الآیۃ وکان المراد حسب قولہ فلا تکن فی مریۃ من لقائہ علیٰ وعدہ تعالیٰ نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلقاء موسیٰ وتکون الآیۃ نازلۃ قبل الاسراء۔[1]

ترجمہ: طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے سند صحیح سے نقل کیا ہے کہ آپ نے اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تفسیر کی ہے اور ابن ابی حاتم ابو العالیہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں۔ کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ سے معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت قتادہ (رحمہ اللہ) اور بعض سلف صالحین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مبرد کے نزدیک بھی یہی ظاہر ہوتی ہے جب آپ نے زجاج کا اس آیت میں امتحان لیا اور یہی مراد لیتی ہے اور اس آیت میں فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر رہے گی) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو موسیٰ سے ملاقات کرنے کا وعدہ دیا تھا یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی اور یہ ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا۔

---

[1] روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ ۱۳۶

عن قتادة قال صلى الله عليه وسلم ليلة أسري به لقي آدم وخازن النار قلت هذا

هو الصحيح في تفسير هذه الآية۔[1]

ترجمہ۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان انبیاء سے سوال کرنا معراج کی رات متوقع میں نہ تھا۔ آپ آدم علیہ السلام سے ملے میں (خزن النار کی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے

ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر بنتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ) سعید بن جبیر (۹۵ھ) زہری (۱۲۴ھ) ابو العالیہ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے بلا واسطہ شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۴۱ھ) امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی صدی کے امام طحاوی (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) بغوی (۵۱۶ھ) امام نسفی (۵۳۷ھ) امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ھ) قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)

نویں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ) شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ)

---

[1] تفسیر کبیر امام رازی جلد ۷ صفحہ ۳۴ مدارک صفحہ قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۳۳

اس کے مختلف افعال کو وجود میں لاتے ہیں اور یہ اجسام سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضورؐ کی پہلے انبیاء سے شب معراج ملاقات تھی یہ کوئی خواب کی بات نہیں حضورؐ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی دوسرے حضرت عیسیٰؑ کے، اور یہ قدرت خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی بات جو دوسرے انبیاء سے ملاقات ہوئی اس میں آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں۔ پھر آپ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام سے کوئی ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء سے اسی طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی یہ ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔

حافظ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:۔

فکذلک عیسیٰ اذا نزل الی الارض یری الانبیاء و یجتمع بھم و من جملتھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ عنہ ما احتاج الیہ من احکام الشریعۃ[1]

ترجمہ: اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی

---

[1] الحاوی للفتاوی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱

ہیں۔ سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضورؐ سے ملاقات

حافظ ابویعلیٰ (۳۰۷ھ) حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ۔[1]

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) بھی اسے حافظ ابویعلیٰؒ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

انہ علیہ السلام یاخذ الاحکام من نبینا صلی اللہ علیہ وسلم شفاھا بعد نزولہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ الشریف وایدہ بحدیث ابی یعلیٰ والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد لاجیبنہ۔[2]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہو کر ان سے مراجعۃ احکام کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید حضرت ابی یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور سلام کہیں!

---

[1] مسند ابی یعلیٰ جلد ۱۲ صفحہ ۸۱ المطالب العالیہ؟ جلد ۴ صفحہ ۲۳ [2] روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۵

یا مجھ کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضورؐ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے حضورؐ نے فرمایا۔

فليسلكن فج الروحاء حاجا او معتمرا فليقفن على قبري فليسلمن علي ولأردن عليه [1]

ترجمہ حضرت عیسیٰ روحاء کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پہ بھی ضرور ٹھہریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام لوٹاؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ فج روحاء سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے۔

ليهلن ابن مريم بفج الروحاء حاجا او معتمرا او ليثنيهما [2]

ترجمہ حضرت عیسیٰ فج روحاء کے مقام سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے یا تلبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قران کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی برزخی زندگی میں ـــــ البتہ لیلۃ الاسراء کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات اپنی دنیوی زندگی میں تھے ـــــ اور بعض علماء کی رائے ہے کہ حضرت عیسیٰ اس رات شرف صحابیت بھی پا گئے کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ آپ بھی اپنی دنیوی زندگی میں تھے، ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسراء میں حضورؐ کو دیکھا تھا ـــــ مگر آپ چونکہ پھر سے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لیے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہی رہا۔

---

[1] الحاوی جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۰۸

نوٹ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے چھینتے نہیں۔ ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دور محمدی ہے اور قانون شریعت محمدی ——— حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر استقلالی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی امور پر قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو کہ اس میں کوئی بنیادی حکم نہ ہو) نہ آئے گی۔ یہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء اور حضور خاتم الانبیاء سے ہوں گی اور حضور ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی ——— لیکن کب؟ جب حضور چاہیں ان کی دنیوی زندگی یا عملی اختیار یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حنفیہ کا ہی موقف نہیں، فقہ شافعی کے جلیل القدر امام علامہ یوسف الاردبیلی ؒ (۷۹۹ھ) فقہ شافعی کی مشہور کتاب "کتاب الانوار لاعمال الابرار" میں لکھتے ہیں۔

وکان صلی اللہ علیہ وسلم یوخذ عن الدنیا عند تلقی الوحی ولا تسقط عنہ الصلوٰۃ وغیرھا ومن راٰہ فی المنام فقد راٰہ حقا ولکن لا یجب العمل بما یسمعہ الرائی منہ لعدم ضبطہ ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد۔[1]

---

[1] کتاب الانوار جلد ۲ صفحہ مطبوعہ مصر ۱۳۹۲ھ۔

جب برزخ مواطن دنیوی میں سے ہے تو عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں انبیاء کرام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہاں معراج کی رات معلوم ہے کوئی امر بعید نہیں ہے اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے بگو کہ ہم ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید۔

ان اعمال کو جو ان حضرات کے عالم برزخ میں جاری ہیں ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لیے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزل مواطن دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں:

> برزخ صغرے چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد
> واحوال اہل آں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد والانبیاء یصلون
> فی القبور شنیدہ باشند وحضرت پیغمبر ما علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام شب
> معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتہ دیدہ
> کہ در قبر نماز مے گزارد[1]

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف لوگوں کے لحاظ سے بہت متفاوت ہیں۔ آپ نے حدیث انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں سنی ہوگی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

---

[1] مکتوبات مجدد صاحبؒ نمبر ۱۷

ہائے ہم کس کے سامنے یہ داغ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے انداز گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے ۔ واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (پ ۱۴ الحجر آیت ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم برزخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں یہ حضرات انبیاء تلذذاً مصروف عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شان ارتقائی ہے ۔ یہ قرب عالم خلق کے قبیل سے ہے قرب عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے ۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پہ آگے چل کر بحث کریں گے ۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لیے ہے تو پھر یہ جنت میں یاد الٰہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یاد الٰہی کا ثبوت

وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا (پ ۸ الاعراف ع ۵ آیت ۴۳)

ترجمہ ۔ اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشی ۔

وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض (پ ۲۴ زمر آیت ۷۴)

ترجمہ ۔ سب تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم سے پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا ۔

ولہ الحمد فی الاخرۃ (پ ۲۲ السبا ع ۱ آیت ۱)

ترجمہ ۔ اور اسی ذات کے لیے آخرت میں حمد ہے ۔

دعواھم فیھا سبحانک اللھم (پ ۱۱ یونس ع ۱ آیت ۱۰)

ترجمہ ۔ ان کی پکار جنت میں ہوگی سبحانک اللھم وبحمدک ۔

وقیل الحمد للہ رب العلمین (پ ۲۴ زمر ع ۸ آیت ۷۵)

ترجمہ ۔ اور وہاں آواز سنی جائے گی الحمد للہ رب العلمین ۔

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ حمد باری کی صدائیں ہوں گی یا الٰہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایجادی وہاں بھی قرب نئی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سبحانک اللّٰھم بھی پڑھیں الحمد للہ رب العالمین بھی پڑھیں تحیات کلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوق عبادت کے لیے نہیں پڑھی جا سکتیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاما تسبیح و تحمید پر لگایا جائے گا۔

یلھمون التسبیح والتحمید[1]

ترجمہ۔ ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کریں۔

عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الٰہی میں مزید سبقت کے لیے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں امت کے لیے استغفار بھی ہو رہی ہے۔

حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم[2]

"ترجمہ میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لیے بہتر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے ہوں ان پر میں حمد باری بجا لاتا ہوں جو برے ہوں ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

سوم جو آپ کی وفات ایک امر آنی ہے نہ کہ ایک پورا مرحلہ ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔

یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوباً نہیں، امت پر شفقت اور رحمت کے لیے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں برابر امت کے لیے دعائیں فرماتے ہیں۔

---

[1] رواہ مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ [2] رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۴۳۷

انبیاء کے اموال باقی ہیں اور املاک بھی باقی۔

انسان کے تصرف میں پاس کا بدن ہے یا مال ہو۔ اس پر جتنی بدنی و مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی۔ موت پر انبیاء کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی نہ تقسیم ہوں گے مقصود یہ ہے اموال کا تصرف ویسے ہی ہو جیسے ان کی زندگی میں ان اموال کا ہونا تھا۔ جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامۂ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا۔ کیونکہ ان کا سلسلۂ عمل اس جہان سے کٹا نہیں ہے۔ اس وجہ تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ توریث ہوگی نہ تملیک۔

ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ موت و وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا۔ اس پر حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی کے الفاظ میں پڑھئے:

> آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد آپ کی وفات کے بھی جائز نہیں۔ جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتی کہ شہداء کی

---

[1] لا عدۃ علی ازواجہ لانہ حی فتحرم تزوجھن بالحیاۃ رد المحتار علی الدر المختار جلد ۳ ص۲۴۲، لا عدۃ علیھن لانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وکذلک سائر الانبیاء (حیات جلد ۴ ص۱۵۹)

کہ حیات بعد شہید ہونے کے مراتب مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے ان نبی اللہ حی یرزق۔[1]

یہ نکاح اس لیے ناجائز نہیں کہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے۔ ورنہ ازواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا —— حالانکہ انہوں نے تاحیات افراد امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا جا سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اوروں کی وفات جیسی نہیں —— آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث ان شاء اللہ ہم آگے جاکر حیاۃ انبیاء میں کریں گے۔

انبیاء کے برزخی احوال اور ان کی برزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آ چکی ہے اب ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ارواح شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمانوں پہ حاصل ہے کیا اس کی آہٹ کبھی زمین پر بھی سنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

جمعہ کے دن مومنین کی روحیں ان کی قبروں کے قریب آتی ہیں۔[2]

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) بھی اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں:۔

جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا ہے تو وہ روحیں پہچان لیتی ہیں۔

اس پر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

جب عام مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا۔[3]

---

[1] [تفسیر عزیزی] صفحہ ۵۱ [2] زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ [3] وفاء الوفاء صفحہ ۱۳۵۲

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی — برزخ میں دونوں کے عمل جاری ہیں۔ دونوں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور میت کے مراتب بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ اہل شہداء کے متروکات ان کی ملک میں نہیں رہتے۔ انبیاء کی حیات ان سے بھی قوی ہے ان کے متروک ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

اتصال روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مانی جا سکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:۔

لیس المراد بالحی ههنا ما یعاد فیه الروح ویصدر عنه الافعال الاختیاریة بل ما یدرک الالم واللذة فلذا خلق الله فیه ادراکا... فیکون حیا لا جمادا۔[1]

ترجمہ: یہاں زندہ ہونے سے مراد نہیں جس میں روح لوٹا دی گئی ہو اور جس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی مراد ہے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحت پا سکے۔ سو جب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہوگا زندہ ہوگا (گو کسی درجے میں زندہ ہو)۔

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے۔ ورنہ حدیث براء بن عازبؓ گو علماء اہل سنت کے ہاں تواتر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تواتر پر بحث سے کوئی وقت میں ثالثی تشکیک لے اعادہ روح کی بجائے اتصال روح کا موقف اختیار کر لیا اور معتزلہ پر حجت تمام کر دی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

هذا جواب اشكال اورده المعتزلة۔[2]

ترجمہ: یہ ایک اشکال کا جواب ہے جو معتزلہ پیش کرتے ہیں (یہ صورت بطور جواب اختیار کی گئی ہے)

---

[1] حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی ص۔ [2] نبراس علی شرح العقائد ص ۲۲۲

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:-

بسیارے از اشاعرہ و حنفیہ در اعادہ روح تردد کردہ اند و گفتہ لازم روح و حیات راسخ نمودہ شد [1]

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لیے روح کا عود کر آنا ضروری ہے۔

اعادۂ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادہ کوئی مستمرہ نہیں یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے یہ اعادہ مستمرہ نہیں۔ احتمال ہے کہ اس دولت کا ادراک ہوتا ہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادۂ روح کے خلاف پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پ ۲۴ الزمر آیت ۴۲ میں ہے:-

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی۔

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچتا ہے ان کی نیند میں۔ پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنا ٹھہرایا اور دوسروں کو بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کرتا ہے موت والے کی روح کو روکتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور نبضیں چلتی ہیں۔

پس موت کے لیے دو چیزیں لازم ہوئیں۔ ۱۔ روح کا بدن سے نکلنا اور ۲۔ آثار حیات

---

[1] جذب القلوب ص ۱۸۷ نقلاً عن المسامرہ

کا باقی رہتا ہے ـــــ نیند والے سے آثار موت متحقق نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔[۱]

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دنیا میں اس حالت میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن میں کسی ان کے طویل فاصلوں کے باوجود متحقق نہ ہوں تو یہ ایک جزوی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثار حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جا سکے گا کہ میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃً زائل بھی نہ ہوئی اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ روک رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے روکے رکھنا) قیامت تک کے لیے ہے۔ سو قبر میں تعاد الی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہریہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں

---

۱ تفسیر عثمانی صفحہ [illegible]

جواب اہل سنت

① —— قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم دنیا کے اعتبار سے ہے۔ امساک (موت والے کی روح روکے رکھنا) اور ارسال (نیند والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا) دونوں اسی جہان کے عمل ہیں۔ جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دنیا کی ہیں۔ قبر میں روح کا لوٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دنیا کے حالات میں سے نہیں۔

عالم آخرت میں روح کا بدن میں لوٹنا توکرامیہ کے ہاں بھی مسلّم ہے۔ سو امساک ان کے ہاں بھی ہمیشہ کے لیے نہیں، فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں —— پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال و جواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے۔

② —— موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے۔ موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کٹتا ہے اور اس سے وہ زندگی نہیں ملتی جو اسے پہلے اس دنیا میں حاصل تھی۔ قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ای یقبضها عن الابدان بان یقطع تعلقها تعلق التصرف فیها عنها۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ارواح کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حالت میں غذا اور تنمیہ و تغیر کی صورت نہیں ہوتی۔

---

[1] روح المعانی جلد ۲۴ صـ

حضرت مولانا تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) بھی لکھتے ہیں:-

ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔[1]

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادۂ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تواتر کے درجے کو پہنچی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:-

فامساکه سبحانه التی قضی علیها الموت لا ینافی ردها الی جسدها المیت فی وقت ما ردًّا عارضًا لا یوجب له الحیٰوة المعهودة فی الدنیا واذا کان النائم روحه فی جسده وهو حی وحیاته غیر حیاة المستیقظ فان النوم شقیق الموت فهکذا المیت اذا اعیدت روحه الی بدنه کان له حال متوسطة بین الحی والمیت فتامل هذا یزیح عنک اشکالات کثیرة[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے منافی نہیں بشرطیکہ یہ لوٹانا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی ——— اور جب سونے والے کی روح باوجودیکہ اس کے جسم میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی

---

[1] بیان القرآن جلد ص — [2] کتاب الروح ص۴۳

یہی ہے مومن میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں لوٹائی جائے تو اس کا حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل ہے ـــ اس پر غور کرو یہ (ان شاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات زائل کر دے گا۔

روح و بدن کے برزخی تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کو لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرم فرما دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں یہ عام اموات دفن ہوتے ہیں۔ ان کی اصل ضد انبیاء کی قبور سے ہے۔ ان کے مزارات کو یہ جہاں تک حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضۂ جنت ماننے کے لیے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لیے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر (جو مدینہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جد و جہد اور جوش و ولولے سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں ـــ اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر نہیں وہ عالم بالا میں کوئی اور مقام ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آگیا ـــ جب یہ بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی قبر ہے ـــ اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ کرتے ـــ یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے بدرجہا افضل ہے اور یہی وہ جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کر سکتی۔

قبر کی وسعت و فسحت کو اس ظاہری قبر سے کلیۃً جدا رکھنا اور کسی وجہ بھی اس ظاہری قبر سے متصل نہ ہونے دینا ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے معتزلہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمالیں۔

معتزلہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملی تو اقرار کر بیٹھے ہیں کہ میت کی قبر میں برزخی زندگی برحق ہے اور یہ الم و راحت کی کیفیتیں بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لیے یہاں کھودا جاتا ہے۔ یہ کوئی عالم برزخ کا مقبرہ ہے یہاں کوئی نہیں جانتا کس کی قبر کہاں ہے۔ ——— ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار ——— متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لیے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لیے ——— اثبات شریعت کے لیے فقہاء و محدثین ہی امت کے استاد ہیں ——— ہم کوشش کریں گے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن و حدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر یا عذاب قبر پر مسلک محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے۔ اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتلائے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لیے متکلمین نکلے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ اس کے ایک پہلو کی پہلی کی خبر مزید تھی۔ افسوس کہ ہمارے دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسالک باطلہ کے مدعی ہوئے۔ حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔ قبر کا ایک باطنی پہلو تھا جسے معتزلہ اور کرامیہ کو لاجواب کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔

قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں۔

۱۔ واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا (پ ۲۵ الزخرف) ۲۔ ولقد آتینا موسیٰ الکتب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ (پ ۲۱ السجدہ)

۳۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات (پ ۲ البقرہ) ۴۔ بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین (پ ۴ آل عمران)

یہ آیات گو اس موضوع پر عبارۃ النص نہیں لیکن ان میں اس پر دلالۃ النص موجود ہے۔

پانچ باتیں معلوم ہوئیں۔

① قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالۃ النص سے ثابت ہے۔

② انبیاء کرام کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لیے کافی ہے۔

③ انبیاء کی یہ حیات بعد الوفات ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سب علماء حق قائل گزرے ہیں۔

④ جن علماء نے قرآن سے حیاۃ الانبیاء ثابت کی ان کے پیچھے ملتے ہیں زادھم اللہ شرفاً ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔

⑤ ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لا تشعرون ورنہ ان کے لیے ہم ان کی اس زندگی پر غور کریں

قبر کی حقیقت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

قبر کا شریعت نے اس کی دلالت لغوی کے ورا کوئی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا، یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے[1] لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک بہت وسعت بتائی جو اس دنیا سے پردہ غیب میں ہے۔ سو اس سے ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جانے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں تو یہ قبر اس میت پر تنگ ہو چکی۔ ورنہ یہی گڑھا عالم غیب[2] میں ایک پورا باغ ہے —— تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے[3] صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دنیا سے بھی اور برزخ سے بھی۔

---

[1] رواہ ابن ماجہ ص۳۲۵ [2] فیقال للارض التئمی علیہ فتختلف اضلاعہ۔ فلا یزال فیہا معذباً حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک رواہ الترمذی جلد ۲ ص۱۲۰ [3] القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران

[4] حضرت شیخ محدث دہلوی لکھتے ہیں والمراد بالقبر عالم البرزخ وھو عالم بین الدنیا والآخرۃ لہ تعلق بکل منہما (تکمیل الموت جلد ص۱۲۸) قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق دارد بہر دو و مقام نہ آن گو کہ مردہ در و گور کنند (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص۱۲۸) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو

صلوٰۃ (نماز) کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے۔ زکوٰۃ کے ایک لغوی
معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ حج کے ایک لغوی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت
ہے۔ پھر شرعی تخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے واسطے ہیں جس طرح لغوی تخاطب
میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے ـــــ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح
نہیں قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں۔ ہاں اس کی وسعت و فسحت اور اس کے عجائب و
کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفون
(یا اس کے ذراتِ منتشرہ) سے اشراف و اشراق کا کوئی لطیف و الطف رشتہ ہوتا ہے

قرآن و حدیث میں قبر کسے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے۔ بنگال
کی طرح دور کے چکر دینا ـــــ دور ـــــ دور ـــــ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ
بات باطنی فرقے کے رنگوں کو تو جچتی ہے۔ اہل علم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام
اطلاقات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں گھو جائیں۔ جب شریعت نے قبر کی وسعت و فسحت
کے بارے میں برزخی حقیقت کو پہلا اختیار دیا ہے تو اس بحث میں علماء محققین کو تنگ بخشے

دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی
گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں۔ کئی متنبی تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہاں
ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مرتبط ہوتے ہیں اس کا برزخی کنارا و عالم برزخ
سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مرتبط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں
تو یہ تعبیر صرف ان مُردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جا سکا۔ اس
میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ ان کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب
اسی جگہ محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ لیس المراد به الحفرة التي يدفن
فيه الميت فرب ميت لا يدفن كالغريق والمحروق والمأكول في بطن الحيوانات يعذب
وينعم. (تنقیح المسائل جلد ۱ صـ ۱۲۱)

کی کیا ضرورت ہے۔

آیئے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور ثابت کریں کہ یہ لفظ کبھی بھی کسی عالمِ غیب کی وادی پر بھی بولا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ایک آنے والے وقت کی خبر دی گئی ہے ــــ فرمایا۔

(اذا القبور بعثرت۔ (پ ۳۰: الانفطار، آیت ۴)

جب قبریں کرید دی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والے ہر جان جان لے گی اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔

مردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہ گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مردے زندہ کر کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اوپر آ جائے گی سب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالمِ غیب کی کسی وادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر بھی کبھی ان پر حاضری دیتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی۔

اذا بعثر ما فی القبور۔ (پ ۳۰: العادیات آیت ۹)

ترجمہ: جب اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مردے کو کہاں پر رکھا جاتا ہے؟

قرآن پاک میں ہی دیکھئے:۔

ثم اماته فاقبره۔ (پ ۳۰: عبس آیت ۲۱)

ترجمہ: پھر اسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر کو گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔

یہ مردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اتر رہا ہے آخرت کا یہی معلوم ہو رہا

یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں — وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کے لیے کوئی دعا کی جائے۔

لا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره۔ (پ ۱۰، التوبہ آیت ۸۴ ع ۱۱)

اور یہی اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس کی قبر پر کھڑے تھے۔

و تقم علی قبره۔[1]

ترجمہ: اور آپ اس کی قبر پر ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لیے دعا کریں یہ قبر اسی گڑھے کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کر سکیں نہ یہاں ہو سکیں نہ وہاں جا سکیں۔ قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم کا ایک دروازہ ہے یا جنت کا کوئی باغیچہ، اس کی وسعت و تنگی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قبر اسی کا نام ہے۔ قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سوا اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا۔ آگے اس کی ایک برزخی وسعت ہے۔ مخالفین کی یہ بات کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟

بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں کا انکار کیسے جائز ہو گیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ ہدایت نہیں تو اور کیا شرارت ہے۔

جب اس قبر کا برزخی کنارہ شریعت کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی دوسرے حصے پر پہنچی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا انکار کیسے نکل آیا؟ برزخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹

قبر احادیث کی روشنی میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا[1]

ترجمہ: میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اس کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا:-

ان المیت اذا وضع فی قبرہ[2]

کہ میت جب قبر میں اتاری جائے ..... الحدیث

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے ——— یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ علیین کی جگہ کے لیے ہے۔

③ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا:-

یھود تعذب فی قبورھا[3]

یہاں قبور کیا انہی گڑھوں کو نہیں کہا گیا ہے ——— کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی۔

④ آپ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی؟

ان اولئک اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا۔[4]

ترجمہ: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس) جائے عبادت بنا دیتے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۱۲ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۸۶
[4] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۹

⑤ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جیسے کہ صحیح مسلم جلد اصفحہ ۴۴۶ کا باب: ما بین قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنبرہ —— الفاظ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں:

ما بین قبری ومنبری روضة من ریاض الجنة. متفق علیه[1]

ترجمہ: جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

قرآن میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں؟

⑥ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے۔

قاتل اللہ الیهود اتخذوا قبور انبیائهم مساجد.[2]

ترجمہ: اللہ یہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا۔

⑦ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

عن ابن عمر مرفوعاً من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی[3]

ترجمہ: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

⑧ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا: جس کی ضرورت ہے مگر کس لیے؟

---

[1] متواتر السراج المنیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۲ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۰۱ [3] رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱

لقبورنا و بیوتنا" ہماری قبروں کے لیے اور گھروں کے لیے۔[1]

یہاں قبر انہی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور وہ اس میں دفن کیا جاتا ہے نہ کسی پڑے کے جہان کو۔

(۹) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے:-

یا اھل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر۔[2]

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سو انہی قبروں کے پاس جا کر یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

(۱۰) ایک شخص کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا:-

لا تؤذ صاحب القبر ولا یؤذیک۔[3]

ترجمہ: تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں ہے جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ رہے ہیں تو اور اس سے کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اہل یقین میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذا رسانی کے لیے جا سکتا ہے؟

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر۔[4]

ترجمہ: یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۱ [2] رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴ [3] رواہ الطحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۹۶
[4] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۶

(۱۲) آپ کا یہ بھی ارشاد ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی شریعت میں قبریں یہاں تک مکمل بنائی جاتی تھیں کہ ان پر بیٹھا جا سکتا تھا؟ ایسی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں پہلی ہی کر رہے ہیں۔

لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها۔ [1]

ترجمہ: تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

(۱۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

اذا وضعتم موتاكم في قبورهم فقولوا بسم الله وعلى ملة رسول الله۔ [2]

ترجمہ: جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ۔

مخالفین کیا اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ تم اپنی میتوں کو لے کر ان کی قبروں پر بیٹھا کرو کیونکہ قبر تو اسی جگہ میں ہے۔ یہاں کے انگریزی حصوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفراللہ

(۱۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے:

لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج۔ [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور ان پر عبادت گاہ بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائرات قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی بستی میں زیارت قبور کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ ان ظاہری قبروں پر جایا کرتی تھیں جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

(۱۵) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ [2] مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ [3] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ [illegible] ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۳ نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۲۲ ابن ماجہ صفحہ ۱۱۳ والمشکوٰۃ صفحہ ۷۱ وغیرہ کتب حدیث

بعد نزول وفات پاکر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے لفظ قبر سے مدفن کی جگہ مراد لی تھی یہی مدینہ منورہ کا روضۂ مطہرہ یا اطلاق ضمیں کی کوئی مراد تھی ـــــ اس پہ بھی فرصت میں غور فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر۔[1]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد بھی ہوگی پینتالیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی۔ وہ میری قبر کے پاس میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے اور ہم دونوں ابوبکر و عمر کے مابین ہوں گے۔

(۶) ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے۔

لیأتین عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری ... لاجیبنہ۔[2]

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور آئیں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لیے) ٹھہرے اور مجھے سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

(۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ یہ کہہ رہے تھے:

اللّٰھم لا تجعل قبری وثنا یصلّی الیہ فانہ اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔[3]

ترجمہ: اے اللہ میری قبر کو معبود نہ بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں۔ اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جائے عبادت بنا لیا۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰ [2] روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۳۲ الحاوی للسیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ صفحہ ۴۰۶ [illegible] جلد ۱ صفحہ ۱۷۲

من زار قبري وجبت له شفاعتي ؎

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازم ہو گئی۔

اس لیے قبر کی زیارت کرنے سے بڑا اجر ہے یہی ہے جسے ہم روضۂ رسول کہتے ہیں

(۶۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے:

الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام ؎

ترجمہ: کل روئے زمین (میرے لیے) مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام (جائے غسل) کے۔

(۶۹) پھر آپ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ نے علیین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے جس کا مشاہدہ کیا تھا:

مررت على موسى ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره ؎

ترجمہ: جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میں موسیٰ پر گزرا وہ سرخ ٹیلے کے پاس تھے میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

پھر یہ کہے جاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسم عنصری تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا اور اس پر ایک مثالی جسم کھڑا نماز پڑھ رہا تھا ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ رکھ کر خود بھی بھٹکتے اور دوسروں کو بھی بھٹکا رہے ہیں العیاذ باللہ۔

(۷۰) حضور کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرما دیتے ہیں ؎

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں کس قدر اور کیسا احساس ضرور ملتا ہے کہ وہاں کی روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے وہ سرور و لذت اور عذاب محسوس کرے روشنی اور اندھیرا دونوں پایا جاتا ہے۔ پھر حضور نے وہاں کی روشنی کو کیسا محسوس کیا ذرا کچھ سوچیں۔

؎ رواہ البزار والدارقطنی عن ابن عمر مرفوعا۔ قال القاری فی شرح الشفاء صححہ جماعۃ من ائمۃ الحدیث جلد ۲ صفحہ ۱۴۲

؎ المصنف جلد ۱ صفحہ ۴۰۵ ؎ سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ ؎ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ ؎ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ ؎ سنن کبریٰ جلد ۴ صفحہ ۴۹

قبر کا اطلاق ——— صحابہ کرامؓ کے بیانات میں

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اسی گڑھے پر لگی تھی یا عالم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر ——— اس پر غور فرمادیا اور کبھی یہ دیکھیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں۔ حدیث میں صاف طور پر انہیں قبر کہا گیا ہے۔ سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انهما لیعذبان۔[۱]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے (یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ اُحد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت فرماتے ہیں:۔

کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد۔[۲]

ترجمہ: حضورؐ تین تین اور دو دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے تھے۔

③ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:۔

القبر القبر۔[۳] یہ سامنے قبر ہے قبر ہے

یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔

④ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ:۔

۱؎ مشکوٰۃ ص ۴۲ صحیح بخاری جلد ا ص ۱۸۳ صحیح مسلم جلد ا ص ۱۴۱ ۲؎ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۹۸ ۳؎ صحیح بخاری جلد ا ص ۶۱

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادخل رجلاً قبرہ لیلاً واسرج فی قبرہ۔[1]

ترجمہ: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

(۵) حضرت بریدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پہ کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ۔

واوصی بریدۃ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریدان۔[2]

ترجمہ: حضرت بریدۃ الاسلمیؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی کہ گاڑھا جائے۔

(۶) حضرت عمرو بن عاصؓ نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور میری قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا ٹھہرا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جا سکتا ہے تاکہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں۔ آپؓ نے فرمایا۔

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمہا حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع بہ رسل ربی۔[3]

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد ٹھہرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو جائے میں تم سے (دل) مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

من السنۃ ان تأتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قبل القبلۃ وتجعل ظہرک الی القبلۃ وتستقبل القبر بوجہک۔[4]

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۱۱۲ جامع ترمذی جلد ۱ ص۱۲۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۸۱ [3] صحیح مسلم جلد ۱ ص۷۶ [4] مسند امام اعظم ص۱۲۶

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پہ قبلہ کی طرف سے آؤ پھر تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور تمہارے چہرے کا رُخ قبر کی طرف رہے۔

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قبر امرأۃ بعد ما دفنت۔ [1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پہ اس کی نماز (جنازہ) پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے، وہ دونوں کے مابین برزخ ہے۔ اس کی بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پہ سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آرپار ہو جاتی ہیں یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ فتختلف اضلاعہ۔

ترجمہ: پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا۔ وہ زمین اس پہ مٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آرپار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر نہیں آرہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں، زبان شریعت کے ان عام اطلاقات کا کھلا انکار اور تواترات سے ایک کھلا انحراف ہے۔ مخالفین جب بیہودہ دلیل سے ظاہر شریعت کا انکار کرتے ہیں تو اس میں وہ قبروں کے پاس بیٹھے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

[1] رواہ الترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶

معنی قبر پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شہادت

اب آئیے یہی اطلاق حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے سنیں جن کا صحابہؓ کے بعد تابعی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ حافظ ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) سے منقول ہے۔

عن ابی حنیفة ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلة۔[1]

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) حاضری دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث و فقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے۔ دینی کلام میں متواتر کی تشریحات کا رد اور استدلال میں عقل و امکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں وہ حدیث و فقہ کی اصطلاح میں ہیں اور متکلمین جب معتزلہ کے اسکانی سوالات کے اپنے جواب میں پہنچتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مُردوں کے لیے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پتہ دینا ہوتا ہے۔ اس موقع پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے۔ یہ عالم برزخ کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، نہ یہ کہ یہ حدیث و فقہ کی اصطلاح ہے:۔

ولیس المراد بہ الحفرة التی یدفن فیہ المیت فرب میت لا یدفن کالغریق والمحروق والماکول فی بطن الحیوانات یعذب وینعم ویسأل۔[2]

ترجمہ: قبر سے مراد یہی گڑھا نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا جسے جنگل کے حیوانات

---

[1] العرف الشذی صفحہ ۲۴۲ [2] تنقیح اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۸۲

پھر آپ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی قبر پر ٹھہرے اور فرمایا :۔

اللّٰھم ان عبدک ونبیک یشھدان ھؤلاء شہداء فأتوھم وسلموا علیھم فلن یسلم علیھم احد ما قامت السموٰت والارض الا ردوا علیہ [1]

اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں۔ لوگو! ان کے پاس آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ عالم برزخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین نہ تھی۔ اہل علیین یا سجین نیکوں اور بدوں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو ملاء اعلیٰ کے دفتر کا نام علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لیے حاضری دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سجین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ اور مٹی کا گھر ہے۔ جسے متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث فیریہ طلاقات صحابہؓ اور امام ابو حنیفہؒ کی شہادت آپ کے سامنے ہے۔ اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ تمام لوگوں کو منادی دیتی ہے قبر کی اس فریاد کو ان لفظوں میں نقل فرمائی۔

انا بیت الغربۃ وانا بیت الوحدۃ وانا بیت التراب وانا بیت الدود رواہ الترمذی۔ [2]

ترجمہ۔ میں غربت کا گھر ہوں۔ تنہائی کا گوشہ ہوں۔ میں مٹی کا ٹھکانہ اور کیڑوں کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح کے مسکن ہیں ــــ یاد رکھیے قبر خود قبر ہے۔ اور وہ یہی ہے

---

[1] وفاء الوفاء صہ ۹۳۱ [2] مشکوٰۃ صہ ۳۴

معنیِ قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا مفتی نور محمد صاحب کے سامنے یہ تحریر لکھی۔ اور حضورؐ کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کیے۔

> وفات کے بعد نبی کریمؐ کے جسدِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اسی حیات کی وجہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔[1] محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی کہ یہ ظاہری قبر یا برزخ دو منازل نہیں ہیں بلکہ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی واردات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں۔ وہاں صرف ایک محض بے جان نعش اتری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لیے دعا کرنا کس لیے ہے؟ وہاں تو مرنے والا نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں درست قبر صرف اس لیے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے نکالی ہے۔ تذکیر آخرت سے ہمیں

---

[1] دیکھیے ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص۵۲ ماہ اگست ۱۹۶۲ء

بیکار نہیں، یہ تو بہت فائدے کے لیے ہے۔ لیکن کیا مرحوم کے فائدے کے لیے وہاں جانا اور اس کے لیے دعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

مگر جب نیک شخص بے جان دھرا پڑا ہے اور یہ قبر نہیں جب یہ پیام ترتیم کی مہیات گزر گئی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لیے دعا اس کا کیا معنی رہتا ہے۔

قبر پر دعا کے لیے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے۔

ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ۔

(پ ۱۰ التوبہ : ع ۱۱)

ترجمہ۔ اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دعا کے لیے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے ——— کس لیے؟ دعا کے لیے ———
حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دعا کی ——— یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

فما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ علی منافق ولا قام علی قبرہ حتی قبضہ اللہ۔[1]

سیدنا حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ التثبیت فانہ الآن یسئل۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لیے اللہ سے ثابت قدمی مانگو کہ اب پوچھا جا رہا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۸۲ [2] سنن ابی داؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶

اگر یہ سوال و جواب کسی قبر پہ نہیں تو اس قبر پہ کھڑے ہو کر اس کے لیے دعا کیوں؟
کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کے جنازہ میں موجود تھے آپ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو آپ قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم کے لیے دعا فرمائی۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه[1]

ترجمہ: جب آپ ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑا ہے تو فاتح مصر سیدنا حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے جلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (٦٥ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے دفن سے فارغ ہو جاؤ، تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا تاکہ میں تمہاری حاضری سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر و نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب دے سکوں:۔

ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى استأنس بكم واعلم ماذا اراجع به رسل ربي[2]

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ کیا قبر جہاں لوگوں نے اس وقت آپ کو اتارا ہے یہ سوال و جواب جس پر ہونا ہے کیا آپ کا خیال ہے کہاں ہوں گے؟ علیین میں یا اس قبر پر — اگر اس قبر پر نہیں یہ محض ایک گڑھا ہے تو خدا را انصاف کیجئے حضرت عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کر کے کس طرح ان سے مانوس ہونے کے طلب گار ہیں۔

---

[1] رواہ ابو داؤد، فتح الباری جلد ٣ صفحہ ١٢١ [2] صحیح مسلم جلد ١ صفحہ ٧٦ مسند احمد جلد ٤ صفحہ ١٩٩

سوال وجواب اسی قبر میں

قبر کا سوال وجواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں ؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنتی ہی نہیں سو اس سے سوال کہاں ہو گا ؟ حضرت ملا علی قاری رحمہ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے (اذا سئل فی القبر) لکھتے ہیں کہ حضور نے لفظ قبر کی تخصیص اس لیے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اُتاری جاتی ہیں سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بنا پر ہے۔ ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے مچھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہو گی اور وہیں اس سے سوال ہو گا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

اذا سئل فی القبر التخصیص للعادة او کل موضع فیہ مقرہ فھو قبرہ۔[1]

ترجمہ جب قبر میں سوال ہو قبر کی تخصیص اس لیے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا سہ وہ جگہ جہاں اس میت کا مقر ہے وہی اس کی قبر ہے وہیں یہ سوال وجواب ہوتے ہیں۔

یہاں لفظ او (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے

افسوس کہ بعض نادان اس عبارت کو سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے اس سے علیین اور سجین کے مقامات مراد لے لیے۔ کاش کہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاری رحمہ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال وجواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے آپ اس بحث میں لکھتے ہیں۔

(وفی الاخرة) ای البرزخ وغیرہ وقیل فی القبر عند السوال وھو الصحیح کما فی الصحیح۔[2]

---

[1] مرقات جلد ا صفحہ ۱۹۱ [2] ایضاً

ترجمہ: آنحضرت صلعم عالم برزخ کا ذکر فرما رہے تھے جہاں سوال ہوتا ہے پوچھا گیا کہ کیا قبر میں عقل دی جائے گی آپ نے فرمایا ہاں ثابت بھی

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قبل ہمیشہ ضعف عقل کے لیے نہیں آتا کبھی صحت پر عکس بھی

ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لیے ثابت قدمی کی

دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

فیہ مشروعیۃ الاستغفار للمیت عند الفراغ من دفنہ وسؤال التثبیت

لہ لانہ یسئل فی تلک الحال وفیہ دلیل علی ثبوت حیاۃ القبر

وقد وردت بذلک احادیث کثیرۃ بلغت حد التواتر وفیہ ایضاً

دلیل علی ان المیت یسئل فی القبر وقد وردت بہ ایضاً احادیث

صحیحۃ فی الصحیحین وغیرھما وورد ایضاً ما یدل علی ان السؤال

فی القبر مختص بھذہ الامۃ کما فی حدیث زید بن ثابت عند مسلم

ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا وبذلک جزم الحکیم الترمذی۔[1]

ترجمہ: اس میں میت کے لیے دفن سے فراغت کے بعد طلب مغفرت کی مشروعیت اور اس کے لیے ثابت

قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہوتا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت

کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر بہت احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی

حد تک پہنچی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت سے سوال و جواب قبر میں ہوتے ہیں

اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی

روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح

مسلم میں زید بن ثابت کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک امتحان کا

سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادر الاصول) اسی کے قائل تھے۔

---

[1] نیل الاوطار جلد پنجم صہ ۱۴۹

مقر اموات بھی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں، یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

قرآن کریم میں ہے۔۔

الم نجعل الارض کفاتا ۝ احیاء وامواتا ۝ (پ۲۹ المرسلات آیت ۲۵، ۲۶)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا ؟ جو کہ سمیٹ کر رکھنے والی ہے زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت و تکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر آتی ہے۔ عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے۔ قیامت تک کے جملہ حالات بس یہیں گذریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لیے اٹھنا ہوگا۔

حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی یہی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا ۔ ۔ ۔ جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت و حیات اور سختی و نرمی کے مناظر پیش کرتا ہے، کیا وہ میدان حشر میں سختی و نرمی اور نجات و ہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا۔[1]

جب انسانوں کی تکلیف و راحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات و ہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہوگی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد قیامت سے پہلے کی)

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۵۵

کیا اس زمین سے جدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا عذاب مرنے کے مختلف مناظر راحت قبر یا عذاب قبر اس زمین میں وقوع نہیں کر سکتا جسے اس دنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سن سکیں۔

آپ ارواح کے مقر علیین و سجین کو ٹھہرالیں آپ کو کون روکتا ہے لیکن ابدان یا ابدان کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اسے زمین سے جوڑے رکھیے تو اس کے لیے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدان ان برزخی حالات سے یقیناً گزرتے ہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبریں دی گئی ہیں کیا مرنے کے بعد یہی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں۔ اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لیے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نے نہیں کہا؟

منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى ؕ

ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے جنہیں باقاعدہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت و الم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے مابین ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ اٹھتا ہے، مگر بعض خاصان خدا کے لیے وہ کبھی کبھار اٹھتا بھی ہے یہ یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کی کوئی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لیے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

احباب گرامی قدر! تم اس برزخی زندگی کے لیے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں لگ گئے۔ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہو سکتی؟ کیا تم اسی لیے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی ہمیں نظر نہیں آ سکتی پردے میں ہے اس لیے اس کا ماننا مشکل ہے کیا یومنون بالغیب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن و حدیث چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لو گے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے۔

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس قیدی کا زمین میں ہی کہیں نہیں۔ اگر کسی جلنے والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکلا کہ وہ قیدی زمین میں کسی غیر مرئی صورت میں بھی کہیں نہیں؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لیے کہ ان جگہوں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہراً کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملتی تھی۔

قرآن و حدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے کسی فوق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعویٰ یہ ہو۔

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔

(پ ۲۷، القمر آیت ۱۷)

معنی قبر پر سعودی پیشوا امام عبدالعزیز اوّل کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بیانات سے نقل کر آئے ہیں اس بارہ میں متاخرین میں بعض علماء اسلام نے قبر سے یہی ظاہر قبر کی مراد لی ہے نجد کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اوّل لکھتے ہیں:

صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعا استسقاء کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لیے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالک سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔[1]

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی نا کہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضراء میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ حضور کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔ کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء نجد کے عقیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پہنچتی ہے مگر کسی سے نہیں دیکھا جا سکتا علماء اسلام میں سے آپ کی اس قبر میں حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ اسی حیات سے اس دنیا والوں کے اعتبار سے دنیوی نہیں نہ ہو سکتے ہیں ہونے کے باعث برزخی ہیں۔ قبر پر آنے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

جہاں افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے مخالفین حضور کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جہاں آپ کا بدن مبارک

---

[1] رسالہ ہدیہ سنیہ مترجم مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۴۷ء مطبوعہ امرتسر

بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ نستغفر اللہ العظیم — جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ معاذ اللہ کسی اور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ کو برزخی حیات بھی ہرگز حاصل نہیں۔ ولم یقل به احد من السلف والخلف من علماء اہل السنۃ والجماعۃ.

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے بیٹے امام عبد اللہؒ کی شہادت

آنحضورؐ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر منصوص ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہداء سے بلا شک و ریب افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرتؐ پر قبر پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے۔ آپ زائرین کے صلوٰۃ و سلام کو کہاں سن رہے ہیں۔

سرخیل علماء نجد شیخ محمد بن عبد اللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبد اللطیف کا تھا اس سے اہل علم نا آشنا نہیں۔ آپ نے مسئلہ عذاب قبر اور مقام قبر بڑی وضاحت سے لکھا ہے:-

① شہادت در بارہ عذاب قبر

ہم قبر کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور نیک عمل والوں کو ملنے والے پر ایمان لاتے ہیں[1]۔

② شہادت در بارہ مقام قبر اور حیات قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ — اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے — اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں[2]۔

---

[1] الدرر السنیہ مجموعہ بالاعتبار صفحہ مرتبہ ۱۳۸۱ھ [2] جو مقالہ رسالہ از رسائل مذکورہ صفحہ ۱۳۔

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم میں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آتے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ولو ترى اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائكة باسطوا ايديهم

اخرجوا انفسكم (پ الانعام ع ۱۱ آیت ۹۳)

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھرے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔

فرشتوں کا ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے۔

یضربون وجوههم وادبارهم (پ الانفال ع ۷ آیت ۵۰)

ترجمہ۔ فرشتے پیٹتے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے یہ اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا۔ وہ اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور سہہ بھی رہا ہے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آرہے۔ مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہان) کے درمیان برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ایک دفعہ مدینہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کا اختصام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرۂ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملاء اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا دل آشنا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہیں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذن الٰہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام اور ان سے نچلے درجے کے اولیاء کیا وہ بھی ملاء اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں یا نہیں ۔۔۔۔۔۔ تو سنئے اللہ تعالیٰ نے بار ہا یہ پردے ہٹائے ہیں۔ انہیں اس ملاء اعلیٰ سے ایک خاص انس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اتر کر بھی ان سے مل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملاء اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ یرید صورۃ التماثیل التی فیہا الارواح[1]

ترجمہ: فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذوی الارواح کی تصاویر تھیں جن میں روح ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبرئیلؑ دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سنی تو باہر نکلے۔

فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو بجبریل قائم علی الباب فقال ما منعک ان تدخل قال ان فی البیت کلباً وانا لا ندخل بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ[2]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا دیکھتے ہیں کہ جبرئیلؑ دروازے پر کھڑے ہیں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۸ [2] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۶۱

آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے۔ انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب حضورؐ غزوۂ خندق سے واپس آئے، ہتھیار اتار دیے اور غسل فرمایا تو آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا۔

أتاه جبريل فقال قد وضعت السلاح والله ما وضعناه اخرج اليهم قال فالى اين قال ههنا واشار الى بني قريظة فخرج النبي صلى الله عليه وسلم اليهم[1]

ترجمہ: آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ نے کہا کدھر؟ حضرت جبریل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ہو لئے۔

احد کے روز دوسرے کاملین کے لیے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں میں نے جنگ احد کے دن حضورؐ کے دائیں بائیں وہ شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے۔

رأيت يوم احد عن يمين رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن يساره رجلين عليهما ثياب بيض يقاتلان عنه كاشد القتال ما رأيتهما قبل ولا بعد[2]

ترجمہ: میں نے جنگ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۱ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۵۸۰ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۲

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں :-

فرشتہ اپنی اصل ہیئت و صورت میں سامنے آجائے تو اس کی ہیبت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا ۔ ۔ ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

وانہم قد یظہرون لافاضل الآدمیین فیبشرونہم وینذرونہم[2]

ترجمہ: اور فرشتے اس زمین پہ اور نیچے درجے کے لوگوں کے لیے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارت اور کبھی نذارت کی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں :-

اذا لہم اجتماعات کیف شاء اللہ وحیث شاء اللہ[3]

اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فوراً عذاب اترتا ہے ـــــ اس لیے الٰہی حکمت مقتضی ہوئی کہ خدا کا پیغام انسانوں پہ اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی لباس میں:

وقالوا لولا انزل علیہ ملک ولو انزلنا ملکا لقضی الامر ثم لا ینظرون ۵ ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیہم ما یلبسون ۵ (پ ۷: الانعام ع ۱ آیت ۹)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اترا اس پہ کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ

---

[1] معارف جلد ہشتم ص۲۱۹ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ا ص۱۴ [3] ایضاً ص۱۵

آنا سے تو اسی وقت منقطع ہو جاتا۔ پھر وہ ہیبت نہ پا سکتے اسی لیے اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں ہی بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔۔

اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لیے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب و ہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ملاء اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ پہ ملاء اعلیٰ کے کچھ بھید اتار دیئے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہانوں کا ارتباط تو ختم ہوا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی جسد اطہر ایک برزخی پیرائے میں فترۃ حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کونسا علم و دانش کا تقاضا ہے۔ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا اس کے بھی تو آخر کچھ مستثنیات ہیں یا نہیں؟ وکفیٰ باللہ شہیدا برزخ کے بعد عالم آخرت ہے۔ اور یہ بھی نبی پاک کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

---

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۱۹۲

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم ہی سے بخوبی کی جاسکتی ہے۔[1]

معراج کی رات حضورؐ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال ہی میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہو سکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصلی اجسام تھے جو بقدرت الٰہیہ وہاں لا جمع کئے گئے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے جو علماء وہاں اصل اجساد کی حاضری کو قدرت خداوندی کا معجزہ نہیں ایک لائق استہزاء تصور کرتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں۔[2]

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

وہاں آپ نے شب رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ ان کے سامنے ایک اچھا صاف ستھرا گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جا رہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل لٹکی تھیں، یہ سب واقعات بے شک ان اشخاص و اعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس سے ابھی صحت کر کے دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور حسن کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ آپس میں مل رہے تھے۔ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

باقی انبیاء کرام روحانی حیثیت میں کیسے ہو سکتا ہے اجساد اصلیہ ہوں اور ہو سکتا ہے

---

[1] سیرت النبی جلد ۳ صفحہ ۷۹۵ [2] دیکھئے تمثیل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لہ (تفسیر بیضاوی صفحہ ۴۴۲ مصر) مثل لی النبیون فضیلت بعمر (تفسیر مظہری جلد ص) [3] ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲ میں دیکھئے۔

مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس برزخی سیر میں روح کی مخالفت میں تھا تو اب وہ جسد عالم برزخ میں کیوں روح کے حکم میں نہیں۔ معاذ اللہ بے جان ہو گئے جس پر بچہ ہے استغفراللہ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فرمایا ایک عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص جاری کیے گئے اور مثالی صورتیں آپ کو مختلف اشکال و صور میں متشبہ کر کے دکھائے گئے آپ نے متعدد حقائق و معانی اور مجسمین و مثمثلین کو مختلف اشکال و صور میں دیکھا لیکن یہ ساری صورت حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیر برزخی میں اپنے اصلی جسد اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہنچے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

وكل ذلك بجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في مواطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد احكام الروح[1]

ترجمہ آپ کا یہ سارا سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسد اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالم شہادت (اس کی دنیا) اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجے میں ہیں۔ اس میں عالم شہادت اور عالم مثال دونوں جمع تھے اور جسد اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوتے تھے۔

آپ کی یہ سیر معراج بتاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسد اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہیں پہنچ چکا تھا جہاں جاتے جبرئیل کے نوری پر جلتے تھے۔ یہ خاکی جسد اطہر اس سرحد تک ایک

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۰۶ جلد ۲

آن میں پار کر گیا۔ اب تم جب امیر حبیب مدینہ میں مقتدی ہو، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور حجاب نہیں کہ روح اقدس کے تعلق سے تازہ حیات ہو وہ آفتاب قبر میں بے جان و حس پڑا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کیا ہی کے لیے وللآخرة خیر لک من الاولی کی بشارت پہلے ہی دی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لیے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تمہید میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف پیش کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلو ہیں ان میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک حصہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈال لیتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

اما عند علماء الشرع فليس هناك الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد يخطر بالبال ان ما سماه الصوفية عالم المثال هو الذي سماه اهل الشرع عالم المثال . . . ولم يبق فرق الا في التسمية واما ما سماه الصوفية الارواح المجردة فلم يبحث عنه العلماء[1]

ترجمہ: لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم اجساد اور کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجردہ رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

---

[1] فیض الباری جلد ص

اسلام میں ابدانِ مثالیہ کا تصور

جو حضرات کوائفِ برزخیہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالمِ غیب کی کسی اجنبی وادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اسی قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (١٢٣٩ھ) لکھتے ہیں:۔

دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے ازراہِ نظر و عنایت متصل رہتا ہے۔۔ ۔۔ بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔[1]

اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذاب قبر کے لیے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دوسری قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ سو انہیں اس بدن مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ روح کا بدن اس دوسری جگہ میں عذاب پا رہا ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کیے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر جانے والے شرک کو دور رکھنے کے لیے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر اشاعت توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، یہ آپ ان سے تحقیق کریں۔ ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں کہیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی۔ شریعت میں عالمِ روح اور عالمِ اجساد کے سوا ہمیں کسی مثالی دنیا کا پتہ نہیں ملا۔ مثالی صورتیں تو ملیں لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے۔ معراج کی رات آپ نے جو کچھ بیان کو ہوتے دیکھا وہ ابدانِ معذبہ کی مثالی صورتیں تھیں۔ اصل عذاب قبر اصلی زمین ایک جگہ ہو یا متعدد قبریت میں منقسم ہو کر ہو رہا تھا۔

---

[1] تفسیر عزیزی پ ٣٠ صلا

علماء شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ ملاحظہ کر چکے، ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے وہ اپنے کشف سے دیا ہے۔ حضرات صوفیہ کرام کے ہاں تعبیرات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں۔ کلامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر۔ لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لیے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس جسد عنصری کو نہایت احتیاط سے بچا لیا ہو۔

تعجب ہے بعد کے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے، وہ شہداء کرام کی حیات برزخی کو پرندوں کی صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں۔ انسانوں کی مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی شکل ہو —— روح متجسد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو۔ پرندوں کو اجساد مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجسد ہو تو یہ عالم ارواح کی ایک صورت ہوگی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہوگا —— اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجسد ہو۔ اس کی متعدد صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے بعض اولیاء جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات، مواجید و کشوف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ کے محققین ہی جب عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بنا دلائل قطعیہ پر ہونی چاہیے صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں، اور مسائل کی بنا بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہیے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر ——— حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں۔

> صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ یہی اتنا کافی ہے کہ ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ اس میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابوبکر شبلیؒ اور ابو الحسن نوریؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچے صوفیوں نے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود کو دین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں۔[1]

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، جنت، دوزخ، جہنم، عالم برزخ اور اعراف کے جو حالات کتاب و سنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے ہٹ کر عقائد کی بنا صوفیہ کے مشاہدات اور ان مثالیہ پر رکھنا اور شریعت کی توحید و سنت سے یہی سمجھنا کہ عالم برزخ کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی صحیح علمی موقف نہیں ہے۔ نہ کوئی اور سمجھے کوئی۔ یہ بات کہیں تحریراً نقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو۔

صرف انبیاء کرام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے علم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو ان کی غلط اور نیز علمی غلطی سے حفاظت کرتا ہے۔ مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطا سے حفاظت موعود ہو، جب وہ گہرائی میں آتا ہے تو بات کبھی درست ٹھیک ہے اور کبھی غلط ——— عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پا لے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] مکتوبات حضرت امام ربانی دفتر اول ص [illegible]

عارف جامی لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے، اس کے دنیا اور برزخ کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں اور روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے ـــــ وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پہ اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے تھپیڑے یا راحت کی لہریں پہلے روح پہ ہی آتی ہیں اور چونکہ جسم اس کے لیے بمنزلہ آلہ ہے اس لیے وہ بدن پہ آکر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پہ ہوتی ہیں۔ جو کسی عارف نے بھی بمنزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہو رہا ہے۔ تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کیسی بات درست نکلی ـــــ عزیزان گرامی! اس صورت حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پہ اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متألم ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذاب قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پرندے کی صورت میں متجسد ہو اور اس پہ عذاب یا راحت اترے (مگر اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسد پرندگی کو ہو رہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شکوہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاقات کے انکار کا زینہ تو نہ بنائیں۔

مسئلہ عذاب قبر کی اساسی حیثیت

عذاب قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ کتب حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے باب بندھے ہیں۔ جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے ذکر و

راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عمرو روح شبی مانے، تعلق روح مان لے، عذاب و راحت دونوں پہ جلنے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے۔ بدن بکھر جائے یا ذرات منتشر ہوں یا منتشر ہوا دوران پر ایک باریک رابطے سے عذاب آتا مانے تو اسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا کچا ہونا ہمارے ہاں اس کے لیے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لاتعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پہ ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے ——— ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی ——— محض عند رعقاد سے معتزلہ کرامیہ شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے تمسک کرنا سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات النبی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے، آپ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لیے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لاتعلقی کی ضرورت تھی۔ عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے، شہداء کی حیات مانی تو صرف پرندوں کے قالب میں ——— الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا، یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات النبی سے شروع ہوا۔ یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر سے منکر نہ تھے، لیکن مسئلہ جب اعتراف و جواب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپ یہاں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کر لیں تو پھر ہمیں شہداء کی بھی حیات جسمانی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہم اعتبار سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں۔

کہ عام اموات کے لیے عذابِ قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ہمیں انتہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار کرنا پڑے۔

جب کسی نے گڑھے میں گرنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اسے کون روک سکتا ہے۔ اختلاف ہو تو حل ہو سکتا ہے مگر عناد و ضد کا کوئی علاج نہیں۔

یہ کتابچہ جس ترتیب سے لکھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں۔ پہلے اسلام کے عقیدۂ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے۔ اس کے ضمن میں مسئلہ عذابِ قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیات الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے اور آخر میں مسئلہ حیات انبیاء پر عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب سے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جس طرح وہ چاہتا ہے ان کو پھیرتا ہے۔

ہمارے سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ سب سے بیمار دلوں کو شفا ہو گی۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔

یا قوم الیس منکم رجل رشید۔

عالمِ ارواح، عالمِ دنیا، عالمِ برزخ، عالمِ آخرت اور عالمِ امثال کے حالات اور ان کی صفات آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں عالمِ برزخ میں عذابِ قبر کے الم و لذت کی کیفیت اور اس کا ادراک ہم جیسے جہان زیریں والوں کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں رہ کر اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے اپنے مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک سے تواتر کا درجہ دیتی ہے لیکن اسے یہاں پوری طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لیے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

عذاب القبر

(۱) — ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الهدایة۔[1]

ترجمہ: میرے نزدیک قبر کا سوال و جواب روح و جسم کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۲) — یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنة او النار ویحس اللذة والالم۔[2]

ترجمہ: یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح و جسم کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح و جسم سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت و الم کا ادراک کرتا ہے۔

(۳) — ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیاة عند العامة بقدر ما یحس بالالم والبنیة لیست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحیاة فی تلک الاجزاء المتفرقة لا یدرکها البصر۔[3]

ترجمہ: عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت و الم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لیے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جا سکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اسے نہ پا سکیں۔

---

[1] فیض الباری مولانا السید انور شاہ صاحبؒ جلد ۲ ص [illegible]
[2] [illegible] جلد ۱ ص [illegible] [3] رد المحتار شامی باب الیمین فی الضرب والقتل جلد ۳ ص [illegible]

④ — واعلموا ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت نوع حياة في القبر قدر ما يتألم او يتلذذ۔[1]

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں بحالتِ قبر ایک اس طرح کی حیات مزید پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ معاملاتِ قبر میں (الم یا لذت) کا ادراک کر سکے۔

⑤ — ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه۔[2]

ترجمہ: سلفِ امت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لیے نعیم و عذاب کے معاملات برحق ہیں اور قبر میں لذت و الم کا یہ ادراک روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

⑥ — ان النعيم والعذاب لا يكون الا على الروح وان البدن لا ينعم ولا يعذب وهذا تقوله الفلاسفة المنكرون لمعاد الابدان وهؤلاء كفار باجماع المسلمين ويقوله كثير من اهل الكلام من المعتزلة وغيرهم الذين يقرون بمعاد الابدان لكن يقولون لا يكون ذلك في البرزخ وانما يكون عند القيام من القبور لكن هؤلاء ينكرون عذاب البدن في البرزخ فقط۔[3]

ترجمہ: قبر کا ثواب و عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ ان فلاسفہ کا قول ہے، جو معادِ ابدان کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالاجماع مسلمان نہیں۔ معتزلہ کے متکلمین کا جو معادِ ابدان کا اقرار کرتے ہیں، بھی قبر کے ثواب و عذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معادِ ابدان کو صرف

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۰۱ [2] کتاب الروح ص۶۲ [3] ایضاً ص۶۲

حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذابِ قبر صرف روح سے متعلق ہے۔ بدن کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

(۴) — بدنِ اول را از حصولِ احکامِ برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثوابِ قبر گزیر نہ ... و افسوس صد ہزار افسوس، ایں قسم بطالان خود را بسندِ شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہلِ اسلام گشتہ ضلوا و اضلوا۔[1]

ترجمہ: اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکامِ برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدنِ اول کو عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس صد ہزار افسوس، ان فریب کاروں نے خود پر شیخ ہونے کی مسند بچھا رکھی ہے اور اہلِ اسلام کے مقتدا بنے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تنقیح البحث

مختلف ادوارِ حیات کی تفصیل اس لیے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سوادِ اعظم کا اجماع ہے مشتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اس دنیاوی بدن یا اس کے اجزاء کو عالمِ برزخ میں روح سے کلی طور پر جدا نہ سمجھا جائے بلکہ ہر کسی کے لیے اس کے مقام کے مطابق روح و بدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وفاتِ شریفہ وارد ہوئی اور طریانِ موت سے «کل نفس ذائقۃ الموت» کا وعدہ پورا ہوا۔ آپ کے لیے جس قسم کی وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا۔ اور آپ نے یقیناً اس عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضۂ مقدسہ برزخ کا محل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر دوم ص ۱۱۹

حسب ہدایت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ
تمام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور تمام صلی اللہ علیہ وسلم کی
نسبت موت کا بھی اعتقاد ضروری ہے[1]

بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے[2]

اس پر بھی پورے سواد اعظم کا اجماع ہے کہ حضور کے پردۂ قبر میں جانے کے بعد
پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات لوٹا دی گئی۔ مختلف یہ ہے کہ اس دنیا والے
جسم عنصری میں اعادۂ حیات ہوا یا تاثیر روح سے آپ کے جسد عنصری میں حیات
لوٹ آئی۔ اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا لیکن انجام کار سب کا اتفاق
ہے کہ آپ کا جسد اطہر روضۂ مقدسہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں بلکہ قابل حیات
ہے۔ آپ کی یہ حیات قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق
روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل بحث مطلق حیات نہیں بلکہ حیات بعد
الوفات ہے۔ یہاں وہ آیات یا روایات جن سے ثبوت وفات سید الکائنات کا استدلال
ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیر بحث میں انہیں بار بار دہرانا اور محل نزاع
بنانا یقیناً خروج عن البحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیات النبی کے مسئلہ میں یقیناً حیات
بعد الوفات رہا ہے۔ جیسے وفات کا مفقود ہو کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبہ صدیقی
صرف ان لوگوں کے خلاف پیش ہو سکتا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کے
طریان موت کے قائل نہ ہوں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی طریان موت کی کیفیت میں تو اختلاف
کر سکتے ہیں لیکن نفس موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت ان کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم
کی وفات آپ کے لیے مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی، اور وعدۂ الٰہیہ حضور پر بھی پورا ہوا۔

---

[1] مکتوبات قاضی ص ۔ مطبع مجتبائی [2] کتاب حیات ص ۱۱

طریانِ موت اور اعادۂ حیات کے احتمالاتِ ثلثہ

صورتِ واقعہ ۔۔۔ کچھ بھی ہو

روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی پھر بھی قدرِ مشترک ہے

احتمالِ اوّل

آپ کی وفات شریفہ یعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روحِ مبارک جسدِ اطہر سے جدا ہونے اور رفیقِ اعلیٰ اور علّیین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر

ف: اعلیٰ علّیین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کرنے کے بعد روح کے واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے ایک خواب میں حضور کو اس عالم کی سیر کرائی تھی۔ اور حضور اکرم نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی۔ تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے ظاہر ہے کہ آپ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل نے کہا تھا۔ انہ بقی لک عمر لم تستکملہ فلو استکملت اتیت منزلک (بخاری کتاب الجنائز جلد صفحہ ۱۸۵) آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے جب آپ اس کی تکمیل فرمائیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آجائیں گے۔ جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو مستفاد ہوتا ہے کہ تکمیلِ عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہوگا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہوگا۔ یہ ہمیشہ کیا ہوگا یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں یہ الفاظ کہیں نہیں مل سکے کہ آپ تکمیلِ عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعی فعلیہ البیان۔ بہرحال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت مقصودِ کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

میں رکھ دی گئی۔ روحِ اقدس کا اعلیٰ علیین سے تعلق بھی رہا، اور روضۂ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر میں پھر
حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ایسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں
تھا بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیاتِ دنیوی رزقِ مادی کی محتاج ہے لیکن اس عالمِ برزخ
کی حیاتِ عنصری جسمانی اس دنیا کے رزقِ مادی پر موقوف نہیں۔ اس کا تمام رزق روحانی ہے
اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمالِ دوم

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی بینونۃ الروح عن الجسد ہی ہے لیکن بعد کا اعادۂ حیات
دخولِ روح سے نہیں، محض ربطِ روح سے ہے۔ روحِ مبارک جسدِ اطہر سے جدا ہو کر رفیقِ اعلیٰ
اور حظیرۃ القدس میں پہنچی پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسدِ اطہر
پر پڑنے لگا۔ اس سے جسدِ عنصری کا شعور پیدا ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم
ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیاتِ جسمانی قائم ہوئی اور روضۂ منورہ پر عرض کیے گئے
صلوٰۃ وسلام کو آپ خود سنتے ہیں۔

احتمالِ سوم

آپ کی وفاتِ شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد نہیں۔ بلکہ بمعنی قبضِ روح
ہے انقباض الروح فی القلب ہے۔ روحِ اقدس سارے جسد سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے
قلبِ مبارک میں مستقر ہو گئی۔ پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہٹ گیا۔ آثارِ حیات قلبِ مبارک
سے پھر پھیل گئے اور روحِ مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیات ایک لمحہ کے لیے بھی مرتفع نہ ہوئی اور روح بمعنی حیات کا کبھی
انقطاع نہ ہوا، گو انقباض الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ جس عالم

یہاں روح و حیات میں تلازم نہیں ہے۔ تاہم حیات سلب ہو کر قلب میں اس لیے منتقل ہوئے کہ اختلاف دارین کا تحقق ہو سکے۔ کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا۔ اور قاعدہ ہے حریم اسرار میں بغیر آئینہ دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے ورود وفات پر صحابہ کرام نے آپ کو دفن کر دیا اور روضہ مقدسہ میں پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و جسد کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ ماسوا اس کے کہ لوازم حیات وہاں صرف وہی ہیں جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ: طریان موت اور اعادۂ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محل نزاع نہیں اور ان میں سے کسی ایک کے امر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے۔ بحث و تحقیق وہیں ہونی چاہیئے، جہاں ترتیب احکام مختلف کر دینا لے رہا ہو اور جہاں بہر صورت قدر مشترک ایک ہی ہو اور ترتیب آثار و احکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کر لیں۔ نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک انداز جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریان موت اور اعادۂ حیات کے لیے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:-

> ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لیے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتیب آثار و احکام ہو سکے۔[1]

> گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا، مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔[2]

پس جب حضرت حجۃ الاسلامؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود

---

[1] آب حیات صفحہ ۱۷۵ [2] لطائف قاسمیہ صفحہ ۴ مطبع مجتبائی

دوسروں کا حق نہ ہے۔ تو اب ان تمام جزئیات میں حضرت سے اختلاف خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک یہی نکالا کہ روضۂ منورہ میں جسد اطہر معطل ہے جس میں شعور نہیں بلکہ اس پر حیات عنصری بہ ہر نوع کیفیت اموات موجود ہے، انکار کر دیا جائے تو پھر اس اصل کے، نکالا کہ یہ تمام حضرات اموات کے انکار پر قیاس نہیں کر سکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہل سنت کے مسلک سے گریز پائی ہو گی۔

روح مبارک نے علیین سے یہ ترقی ذوق کر کے جسد اطہر پر حیات ڈالی ہو یا قدرت ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہو گئی ہو یا قفس عنصری میں مستقر ہو، حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، ان سب کا ایک ہے۔ رد وہ یہ کہ روضۂ منورہ کی حیات جسمانی تمام احتمالات اور مسالک ثلاثہ کی قدر مشترک ہے۔

تفصیل مذکورہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس مسئلہ میں بحث صرف یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ شریفہ میں حیات عنصری سے زندہ ہیں یا جسد اطہر معطل بے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ:

(۱) ——— حضور پر دوران قیام شریفہ کا ورود ہوا تھا یا نہیں یا

(۲) ——— یہ طریان موت انقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض روح کے معنی میں یا

(۳) ——— روح مبارک کا مستقر اعلیٰ علیین ہے اور وہ وہاں سے روضۂ منورہ میں آ گئے۔ جسد اطہر پر تو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جسد اطہر میں داخل ہے اور رفیق اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیرہ ذلک من المسالک۔ ان کیفیات کی وضاحت نہایت یقینی طور پر ان کی بحث ہو گا اور یہ امور محض فقط مشترک۔ قبر شریف کی حیات عنصری کے ثبوت نہیں سے نہیں، ان احتمالات مختلفہ میں سے کسی ایک پارہ کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

اصل بحث حیاتُ النبی ﷺ

باعتبار تعلق بالبدن —— حیات جسمانی		
باعتبار تعلق بالعالم —— حیات برزخی	}	مشترک نقطہ حیات جسمانی برزخی ہے۔
باعتبار تعلق بالرزق —— حیاتِ دعائی		

(و لولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ)

حیاتِ جسمانی

زندہ اُسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخولِ روح سے، خواہ اتصالِ روح سے۔ فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی —— روح جہاں بھی ہوگی، زندہ ہی ہوگی، پس کسی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے۔ جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں اور نہ اُسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی نفی حیات کا تذکرہ ہے، اس کا محل جسم ہی ہے۔ شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:-

(۱) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

(پ۲ البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، اُنہیں مُردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں پتہ نہیں ہوتا۔

یہاں احیاء انہی کو فرمایا، جو من یقتل کے ماتحت آتے تھے اور ظاہر ہے قتل کا محل

جسم ہے نہ کہ روح ۔۔۔ پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح ۔۔۔ اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مردہ نظر آتے ہیں بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی۔ تو کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ وہ جسدی طور پر زندہ ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ اسی لیے تو شریعت اسلامیہ نے ارشاد فرمادیا تھا ۔۔۔ ولکن لا تشعرون۔ لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا ۔۔۔ اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا، تو یہ ایک پردہ ہے۔ حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسدی حیات ہے۔

قاضی شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین۔ [1]

ترجمہ: نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ رہتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا ہو) پس انبیاء و مرسلین کی حیات آخر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔

(۴) واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ۔

(پ ۳، بقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیم نے کہا، اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ "موتیٰ" کہا گیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ روح ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور "موتیٰ" اجسام ہی کو کہا گیا ہے پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

---

(۱) نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۲ مصر

(۳) فاماته الله مائة عام۔ (پ البقرہ ع ۳۵ آیت ۲۵۹)

ترجمہ۔ حضرت عزیرؑ کو سو سال تک موت سے رکھا۔

اس میں بھی اماتت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ روح۔ حضرت عزیرؑ کی روح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔ یہاں جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

(۴) قــ یحیی ھذہ ——— یہاں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

ان حوالوں سے واضح ہے حیات حقیقی بھی جسمانی ہے۔ اگر روح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیات روحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے۔ اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ریب اپنے مرثیے میں کہتا ہے ؎

ولما تراءت عند مرو منيتي

وحل بها جسمي وحانت وفاتيا

ترجمہ۔ اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آ پہنچی۔

لہ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس طرح عموماً بنی آدم پر قبل از موت محض ایک آتی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔ بعد ازاں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیرؑ پر ایسا نہ ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا۔ آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔ پھر جب موت سابقہ سے استقبال دارین کا تعلق نہ تھا۔ تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں سابقہ عامہ کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر قبل از موت کے بعد معاملات برزخ جاری کر دیے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے کہ اسے ایک ضابطہ بنانا اور مسئلہ بنیاد کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا کس قدر کھلی غلطی ہے۔

حیاتِ برزخیہ

نہایت افسوس ہے کہ حیاتِ عنصری جسمانی کے انکار کو حیاتِ برزخی کے مبہم الفاظ میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیاتِ برزخیہ میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔ اور حیاتِ برزخی سے مراد حیات فی البرزخ ہے۔ نہ یہ کہ حیات کی یہ کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالمِ برزخ میں حیاتِ جسمانی حاصل نہیں۔

بعض بزرگوں نے حیاتِ برزخی کی تصریح کی ہے۔ ان کی مراد روضۂ مقدسہ کی حیاتِ عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیاتِ روحانی کے الفاظ استعمال کیے۔ ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اور یہ صورت حیاتِ روحانی یا حیاتِ برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیاتِ جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المرام یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محلِ بحث بنانا اصل موضوع کو الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوعِ تحقیق صرف حیاتِ جسمانی ہے اور وہی محلِ نزاع بنا ہوا ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ :-

"سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیاتِ عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسدِ اطہر محض بے حس و شعور پڑا ہے۔" (معاذ اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالاتفاق عالمِ جاں میں یہاں تین چیزیں ہیں :-

(۱) وہ جواہر جن میں مادّہ اور کیفیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے اجسام مادیہ۔

(۲) وہ جواہر جن میں مادّہ نہیں صرف کیفیت ہے، جنہیں صوفیاء اجسام مثالیہ کہتے ہیں۔

(۳) وہ جواہر جو مادّہ اور کیفیت دونوں سے منزّہ ہوں، جن کو صوفیہ ارواح، اور حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

جمہور اہل شریعت جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ایک بدن مثالی ہے جو بدن مادّی میں حلول کرتا ہے، وہ بدن مادّی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے، یہ روح بدن مادّی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری نہیں ہونے پاتی، گویا حضرت علی مرتضیٰؓ کے قول کے مطابق جو بغویؒ نے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسم میں پہنچ کر حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔[1]

حضرت علامہ زبیدی صاحبؒ لکھتے ہیں:-

الحیوۃ فی اللغۃ نحو؛ مغایرۃ للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیوۃ ولیس کذلک[2]

ترجمہ: حیات اور روح لغت کی رو سے دو مختلف چیزیں ہیں، حیات روح کا عین نہیں بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے، بعض لوگوں کا گمان ہے کہ روح ہی نفس حیات ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:-

---

[1] فوائد القرآن حضرت عثمانیؒ ص [illegible] [2] تحفۃ الاسلام ص [illegible]

بسیارے از اشاعرہ و حنفیہ در اعادۂ روح تردد کردہ اند و تلازم روح و حیات را منع نمودہ [۱]

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ (حیات فی القبر کے لیے) اعادۂ روح کے باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح کے تلازم کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیات جسمانی کے لیے اعادۂ روح ضروری نہیں، محض تعلق روح سے بھی وہاں حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازی اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ روح مفارقت بدن کے بعد بھی جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے، فرماتے ہیں۔

فوجب القطع بان النفس بعد مفارقة البدن مدركة للجزئيات [۲]

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کی جانی چاہیے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس جہان پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع، اعادۂ روح بھی نہیں، بلکہ ثبوت حیات بعد الوفات سید الکائنات ﷺ ہے، اور اسی موضوع پر ہم کچھ گزارش کرنا چاہتے ہیں۔ خود روح کی بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیات شہداء کا بیان بھی صرف اس لیے ہے کہ ان کی حیات جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ کے درجہ میں ہے اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدلالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ ازمة التحقیق۔

---

[۱] جذب القلوب ص۲۰۱ از رسالہ [۲] المطالب العالیہ مقالہ ۱۲ فصل ۵ مطبوعہ مصر

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذراتِ منتشرہ سے تعلق یا عدم تعلق کیا ہوتا ہے؟ عذاب قبر یا اس کی نعیم کا ادراک جس کی تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے۔ جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃً ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم۔

> مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا ـــــ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔[1]

لیکن حیاتِ شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارۃً مذکور ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالۃً ثابت ہو رہی ہے۔ حیاتِ انبیاء کی بحث ہم ان شاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوعِ سخن حیاتِ شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارۃ النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے، اس کا سمجھ میں نہ آنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی

---

[1] معارف القرآن جلد ۵ ص ۲۵

خیال ہے کہ اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم حیات شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفس حیات پر کچھ گذارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔

ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں۔

والحیاة جنس تحتها انواع وكذلك الموت فاثبات بعض انواع الحياة لا ينافي الموت كالحياة البرزخية واثبات بعض انواع الموت لا ينافي الحياة كما في الحديث الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان اذا استيقظ من النوم قال الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور۔[1]

ترجمہ: حیات ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں۔ کسی ایک قسم کی حیات کا وجود موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیات برزخی ہے اور اسی طرح کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد و ثنا اسی ذات کے لیے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گتھی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو۔ ہمارے دوست جنہیں بے جا طعنے دے رہے ہیں۔ اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں

○ ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذاب قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے تعلق بھی ہے۔

---

(۱) الصارم المنکی صفحہ ۱۸۵

(۲) ——— ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں آنے سے پہلے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ و تنمیہ ہو، نہ اس کے لیے پانی وغیرہ لازمی ہیں یہ علاوہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

(۳) ——— ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے۔ اس میں سب ہوا کے خارجی اثرات شعور، غذا اور مادی خوراک وغیرہ کا ربط ہوتا ہے جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

(۴) ——— ایک زندگی روح اور بدن تصرف کے تعلق سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف اتنا ہے کہ پورا بدن تر و تازہ اور محفوظ رہے۔ انہیں ہر حالت کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے احوال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنی قبروں میں سے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ وہاں انہیں اللہ تعالیٰ ان حیات کے زائرین کا سلام سنا دیتے ہیں۔ یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

(۵) ——— چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں گے اور پھر ایسے ہی اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے۔ اہل جنت و اہل جہنم کے لیے یہی حیات کا مستقر ہو گا۔

زندگی کے یہ مختلف معنی ہم نے اس لیے ذکر کر دیے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حقیقتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے، کیا یہ تعبیر بعض سلف سے بھی منقول ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے لحاظ میں زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے۔

یہی بات علامہ ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں۔

نوع حیاة برزخیه۔[1]

ترجمہ: حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کیلئے اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے خلق الموت والحیاة (پ ۲۹ الملک) قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی شے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوة جنس تحته انواع و کذالک الموت۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات کی سی موت نہیں سمجھتے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔ قرآن کریم میں حضورؐ کے میت ہونے کو دوسروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت میت ہونے کے ان میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا۔

انک میت و انهم میتون (پ ۲۳ الزمر) یہ نہیں کہا انک و انهم میتون۔ اس سے پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمیع وجوہ سے دوسروں کی موت جیسی ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ویسی موت ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت حس بدن شعور کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔

امام الحرمین (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منتفی نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق

---

[1] الصارم المنکی ص ۱۹۱ [2] مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۴۰

حضورؐ کے املاک حضورؐ کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبرؓ حضورؐ کی نیابت میں ان میں
تصرف کرتے تھے۔ صدیق اکبرؓ جانتے تھے کہ حضورؐ کا ملک حضورؐ کے املاک پر باقی
ہے جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے[1]

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبریٰ جلد ۶ ص ۳۰۱
پر یہ باب باندھا ہے۔

باب کان ماله بعد موته قائماً علی نفقته و ملکه۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مستمر تھی اس کا
حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک کی مفارقت کے باوجود
محض سلبِ حیات بمنزلہ حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبرؓ، امام بیہقیؒ، امام الحرمین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
کا تفرد نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ
ابو منصور البغدادیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاته[2]

ترجمہ۔ ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی
مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

حضورؐ کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی۔ ضروری نہیں کہ ہم اس کا کنہ پا لیں
ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی
تفرد ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسب حال تھی۔

---

[1] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۰ [2] وفاء الوفا جلد ۴ صفحہ ۱۳۵۲ اعلاء السنن طبع قدیم جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۲

ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیات شہداء ہے۔ اس کے بعد حیات انبیاء کی بحث آئے گی۔ جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کچھ موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔ یہ ثبات حیات شہداء حیات انبیاء کے لیے بمنزلہ تمہید سمجھئے۔

حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

(پ ۲ : البقرہ ع ۱۹ - آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہند اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یعنی جس نے اللہ کے لیے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے[1]

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون ۰ فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۰ یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین ۰

(پ ۴ : آل عمران ع ۱۷ - آیت ۱۶۹)

ترجمہ: اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے، خوشی کرتے ہیں اس پر

[1] پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی ان اللہ مع الصابرین یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی
تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور
نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات
سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

صحابہؓ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے۔ شہیدوں کی یادیں تھیں۔ اللہ رب العزت
نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مر گئے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو
کہ وہ مر گئے ہیں۔ ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب
کیسے کہا، ماماتوا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے ۔۔۔ کیا کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
سے وہ مستثنیٰ ہیں؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہو۔ ماماتوا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا
ماقتلوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مر گئے ہیں یعنی اب وہ مرے ہوئے ہیں
ایسا مت کہنا نہ سمجھنا ۔۔۔ بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان
کا کفن دفن ہوا۔ لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کو وہاں زندگی حقیقی
ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

ماماتوا جملہ فعلیہ ہے جس سے تمہیں روکنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قتلوا (وہ مارے
گئے) کہا ہو تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے بل اموات۔ یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں

رد کر دیا گیا اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں، وہ مردے نہیں زندہ ہیں

ان آیات میں بل اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے یہاں لا تقولوا کا ابطال نہیں کر رہا، قتلوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ھم امواتٌ کی رد کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا آنا بھی برحق اور ان کے جہاں میں حیات برزخی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قتلوا کا مورد بنے تھے۔ تعارف دونوں سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں۔ بل کا اضراب ھم امواتٌ پر ہے اور مروا قع اور عقیدہ صحابہ تو یہ ہے کہ ھم احیاءٌ (وہ زندہ ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے قد افلح من تزکّٰی میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پا سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو۔ یہاں بل اضرابیہ کے ساتھ بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا فرمایا اور ان کے مستحقِ فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی۔ یہ تعبیر قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر ختم کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مردہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا یعنی ان اجسام پر ہی قتل کا مورد تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کہا گیا ہے۔ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لا تشعرون کہ تم شعور نہیں رکھتے، کہہ کر اس تذبذب کو دفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا بلکہ جس بدن کے وہ مدعی قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کے مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر و احد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے۔ انہی شہداء کے بارے میں ان کا ابطال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندہ ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم ——— زخمی کون ہوا؟ جسم ——— تلواریں اور تیر کن پر چلے؟ جسموں پر ——— نہ روح زخمی ہوئی۔ نہ کسی جسد مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ انہی اجسام کی خبر ہے جو میدان جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا۔ شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بات ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسد مثالی مرا تھا سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالت حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اس جہان میں میسر ہیں۔ بل احیاء نے وہم اموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے

اگر صرف روح کی زندگی مراد ہوتی تو لا تشعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں۔ یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آ رہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لا تشعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے بالا تھی اس نارسائی سے جو بے چینی تھی اسے لا تشعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔

فرمایا یرزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسد مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے

جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہو گئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسد سے نہیں جسد مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ۔ خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں یہ حالات روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرح زندوں کی صفات میں سے ہے مُردوں کے حالات میں سے نہیں۔

یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم۔ اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چہروں میں محسوس ہو رہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشرہ میں (چہرے میں) محسوس کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھال اور چہرے انہی ابدان کے ہیں۔ ابدان مثالیہ کے نہیں دوزخ کی آگ کھال کو جھلس دے گی۔ لواحۃ للبشر (پ۲۹ المدثر) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ۔ (پ۳۰ عبس آیت ۳۸)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یستبشرون کا فاعل ابدان ہیں۔ الذین لم یلحقوا بھم سے بھی وہ پورے انسان ہیں جو انہیں آملیں گے یہاں ضمیر ھم کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے، ورنہ روح کے لیے تو قرب و بعد تو کوئی چیز نہیں۔

سوال

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں یہاں سی حیات حسی کا مشاہدہ نہ کر سکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں نامزد حیات ہوئے پیغمبروں کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

الجواب

اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ تاثیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال و جواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کاملین کے لیے یہ اعادہ اشرافیہ ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

والارواح الکمّل اذا فارقت اجسادها صارت کالریح المکفوفة لا
يهزها الارادة متجددة ولا داعية سانحة ولكن النفوس اللتي هي
دونها تلتصق بهمة نوراً وهيئة مناسبة للارواح[1]

ترجمہ: کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج
کی طرح ہو جاتی ہیں جو رکی ہو انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا
داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا لیکن نیچے نیچے والے نفوس ان کی ہمت
سے ان سے ملحق ہو کر نور اور ایک ہیئت مناسب پیدا کر لیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے نیچے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کاملین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:۔

وهي المكنى عنه بقوله عليه السلام ما من احد يسلم علي الا ردّ
الله علي روحي فارد عليه السلام وقد شاهدت ذلك ما لا
احصي في مجاورتي المدينة سنة الف ومائة واربع واربعين[2]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الاذکار ج [illegible] [2] ایضاً ج [illegible] ص [illegible]

تقلید مداعی کی طرف کنایہ ہے حضورؐ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو واپس لوٹا دیتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام لوٹاتا ہوں [illegible] میں جب میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تھا تو میں نے بار ہا اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلک قبر مبارک سے جسد اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضۂ نبویہ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ —— کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسد اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی شان عالمِ برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالم برزخ میں جسد اطہر کی شان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج عالم برزخ کی ہی ایک سیر تھی اس وقت آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال و صور میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی چند تفصیلات ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد اطہر کے ساتھ تھے اور یہ خواب نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں ہو چکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

كل ذلك بجسده صلى الله عليه وسلم في اليقظة ولكن ذلك في موطن هو برزخ بين المثال والشهادة جامع لاحكامهما فظهر على الجسد احكام الروح۔[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۰۴

شریک تھا۔ آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن
یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ
ہے اور یہ دونوں احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پر روح کے احکام چھائے ہوئے تھے۔

آپ کی سیر معراج بتاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطف
مقام پر آ چکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی
سیر سے گزارے گئے تھے پھر جب آپ مدینہ منورہ گئے اور اس پر اتمام نعمت کی دولت
پا گئے (ما کان من عذابی تولہ تعالیٰ ویتم نعمته علیک) تو اب یہ جسد اطہر کس مثال اور
لطافت پر ہوگا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہم یہ ماننے
کے لیے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ
اب بلا حیات و انفس میتوں کے مقدمہ کو پورا کر کے اس مقام پر آ گیا تھا کہ اب تا قیامت
اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے
احکام طاری تھے۔ وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مکی زندگی میں ہی حیات تام بخش دی تھی
وہ اب تا قیامت قبر میں بے جان رہے جس پڑا ہے۔ نستغفر اللہ العظیم ——— کیا یہ عقیدہ
بمقتضاء آیت وللآخرة خير لك من الاولى سے متناقض نہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۱۴۴ھ کے مشاہدات میں روضہ انور کی حاضری میں یہ
جلوے دیکھے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحت عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے
سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حق یہ ہے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس دنیا
کی زندگی میں حضور کی رؤیت بصری اور صحبت بھی صحابہؓ کی ہی زندگی تھی۔ آپ روح الامین کو آیا

دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ کبھی برزخ کے پردوں کو چیر کر مردے کے حتی دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے تو آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے۔ جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے سیاحوں کے اس بیان کو بھی مان لیجئے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیتہً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض اُن سے بھی اقتباس ہے۔ مولانا روم لکھتے ہیں:۔

باش تا مرغ از قفس آید برون
تا ببینی ہفت چرخ او را زبون[1]

ترجمہ: انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ ان کی برکتیں گو سات آسمانوں تک جا سکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح اور بدن کا شرف اشراق صرف اس جسد اطہر کے لیے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؟ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے زائرین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لحظہ بندھا ہے؟ یا اس بدن اطہر میں وہ انجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو۔

آئیے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں:۔

یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے[2] یہ اس لیے کہ دنیوی حیات کے بہت سے حجابات اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں۔

---

[1] مثنوی دفتر ص۳۱۵ [2] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ص

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر[1]

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پا لیتے ہیں جسے وہ خود محسوس کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے جس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے کاملین کی ارواح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برزخی ادراک کا ذکر ضمناً آ گیا ہے اصل موضوع ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت تجسد بھی ملتی ہے۔ روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے وہ کسی دوسرے جسد میں بطریق حلول نہیں آتی یہ تناسخ ہے (جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں) یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تناسخ کا کوئی شائبہ نہیں۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں۔

بلغنا ان ارواح الشہداء فی صور طیر بیض تاکل من ثمار الجنۃ[2]

ترجمہ: ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے۔

ان ارواح الشہداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنۃ[3]

ترجمہ: بے شک شہیدوں کی روحیں سبز رنگ پرندوں میں اترتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ا ص [illegible] [2] المصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص [illegible] [3] جامع ترمذی جلد ا ص [illegible]

ان نسمة المؤمن طائر في شجرة الجنة حتى يبعثه الله الى جسده يوم القيامة۔[۱]

ترجمہ۔ مومن کی روح باغ جنت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسد میں قیامت کے دن لوٹا دے۔

روح الامین بھی دحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور صورت میں تجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وان شئت قلت يتمثل الروح نفسها صورة طير فان الارواح في غاية اللطافة وفيها قوة التجسد كما يشعر به ظهور الروح الامين عليه السلام بصورة دحية الكلبي۔[۲]

ترجمہ۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہو گئی کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوت تجسد بھی ہے حضرت روح الامین جبرئیل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس کا پتہ دیتا ہے۔

روح کے اس کمال لطافت اور تجسد صورت کے باوجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی سے ہو یا قبر کے بدن عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشرف کے لیے کوئی دلیل منع شریعت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

لا مانع من تعلقها ببدن جرمي حساس غير هذا البدن الكثيف۔[۳]

ترجمہ۔ روح کا تعلق کسی اور بدنی بدن سے بھی ہو جو حساس بدن کثیف کے علاوہ ہو شریعت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی

---

[۱] سنن نسائی جلد ۱ ص ۲۹۲ [۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۱ [۳] ایضاً

بدن سے ہو سکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز بھی ہو سکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسے اکابر کو روضہ نبوی پہ بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر کئی کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سو یاد رکھیے روح کا علیین کے اس درجہ لطافت اور تجرید صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ اور روح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی آرزو رکھتی تھی تاکہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ ان کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ تھی عالم برزخ میں تو ان کے وہ بدن از روئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دار العمل نہیں دار الجزا ہے۔ دار العمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔ حدیث میں یہاں صریح طور پر دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہوگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ما احد یدخل الجنة یحب ان یرجع الی الدنیا وله ما علی الارض من شیء

الا الشهید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات۔[1]

ترجمہ: کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر، مگر شہید یہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۹۵

پھر وہ دنیا کو جاتے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جاتے۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے کی روایات مختلف ہیں۔ پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا حواصل طیور میں اس طرح آتی ہیں جیسے سوار سواری کے لئے۔ الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔ غالباً اسی اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی ہے امام نووی نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بات ابھی کچھ ادھوری رہتی ہے۔

قال القاضی قال بعض المتکلمین علی هذا الاشبه صحة قول من
قال طیر او صورة طیر وهو اکثر ما جاءت به الروایة ....
واستبعده بعضهم ولم ینکره آخرون ولیس فیه ما ینکر ولا فرق
بین الامرین بل روایة طیر او جوف طیر اصح معنی۔[1]

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو۔ اور دونوں اقوال میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جانے کی روایت زیادہ صحیح ہے

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کسی نے بھی اسے آیت ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ کی تفسیر قرار نہیں دیا۔ بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں تھا۔ پھر ان روایات میں

---

[1] نووی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۵

کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ جنت میں ارواحِ شہداء کو ان پرندوں سے کیسے رہائی ملے گی۔ جب وہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں ہوں گے حشر کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبا بدلیں گے اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں ارواحِ مجردہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواحِ متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے۔ سوائے حیاتِ شہداء کی تعبیر قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا اور خود اس آیت ولکن لا تشعرون کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

لا مانع من تعلقها ببدن برزخي مغاير لهذا البدن الكثيف۔[1]

ترجمہ: روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعاً کوئی چیز مانع نہیں۔

مغاير لهذا البدن الكثيف بدن برزخی کی تشریح ہے۔ اس میں اس بدن عنصری سے تعلق کی نفی کا دعویٰ نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں۔

اذ ليس فيه تعلق الروح بالجسم العنصري کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صراحۃً مذکور ہے۔[2]

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغاير لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن عنصری سے تعلق کی نفی نہیں جیسا کہ سمجھا گیا ہے۔ فواحسرتاه على ضيعة العلم۔

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرایہ میں پیش کردہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص [illegible] [2] مسالک العلماء ص [illegible]

بیان کیا ہے اور اس حیات کو تمثالیت اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اس تک سمجھ پہنچ نہیں سکتے (ولکن لا تشعرون) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں بس یہی ان کی زندگی ہے یہ بات غور طلب ہے۔

کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتلایئے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بڑا فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیے۔ اگر نہیں تو ہمیں ولکن لا تشعرون کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیے۔

یہ سمجھ لیں کہ صحابہ کرامؓ لا تشعرون پر قانع نہ تھے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضورؐ نے بھی جواب میں آیت ولکن لا تشعرون نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا پھر یہاں آپ نے آیت ولکن لا تشعرون کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواحِ شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواحِ کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں ـــــ فرق ہے تو یہ کہ۔

۱. سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔
۲. سبز پرندے سیر کیا کرتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔
۳. سبز پرندوں کی روایات اونچی کتابوں میں اور سیاہ کی نچلی کتابوں میں۔

یہ سب فرق تھا مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے کیا زندگی

زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی طرح کی ہے جنت و جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین
اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے جینا پھرنا، وہ تو جنت یا
نعیم و عذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے — ہاں وہ حیات جو صحابہؓ کے شعور
سے بھی بالاتر ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟
آپ نے تو اسے حیات شہداء کی کیفیت اور ان شعوروں کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان
سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سمجھی جا سکتی ہے کہ آپ ارشاد نبوی ولکن لا تشعرون
کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت النار یعرضون علیہا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ
جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا
ٹھکانہ یہ ہے۔[1]

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

فلما حصول ذلک للجسد فی البرزخ و تألمه بسببه فلم یدل علیه الا السنة
فی الاحادیث المرضیة۔[2]

یعنی قرآن و حدیث کا مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم
دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ اور آل فرعون کی روحیں سیاہ
رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیر یہ بات صحیح سند پر لکھتے ہیں۔
ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا:

---

[1] تفسیر معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۶۰۳ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۸۲

ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلتے دیکھے ہیں جن کے پروں پر سفیدی تھی۔
اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم)
سے نکلتے ہیں اور بحر غربی کے کنارے جاتے ہیں پھر جب تیسرے پہر کا وقت
ہوتا ہے تو ویسے ہی سیاہ ہو کر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔

اس پر امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ) نے فرمایا:

ان پرندوں کے حواصل میں آل فرعون کی روحیں ہیں جو صبح و شام جہنم پر پیش
کی جاتی ہیں ... یہ آل فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے۔[1]

علامہ نسفیؒ (م ۷۱۰ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں:

واما ارواح الکفار ففی جوف طیر سود تحت الارض السابعۃ۔[2]

ترجمہ: اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے
پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سو اگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی؟ پرندوں
کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجسد کا بیان ہے ان کی حیات کی تفصیل
نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا
شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح و تقدیس اور اللہ کی
یاد کے سوا کچھ نہیں۔ جنت میں شہداء کی روحیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد

---

[1] مواہب الرحمن جلد ۲ پ ۲ ص ۱۵۱ [2] تلقین شرح العمدہ ص ۱۲۱

ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یرزقون بھی فرمایا۔ معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ یرزقون ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ القرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

بل احیاء دلیل علی حیاتهم وانهم یرزقون ولا یرزق الا حی۔[1]

ترجمہ: بل احیاء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنص قرآنی ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق نہیں مانتے وہ بھی مانتے ہیں۔

بل احیاء وانه لادلالة الکلام علیها قوله تعالیٰ یرزقون کما ان الاحیاء یاکلون ویشربون وهو تاکید لکونهم احیاء ووصف حالهم التی هم علیها۔[2]

ترجمہ: وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام یرزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس پر کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے بتلایا کہ ابراہیمؓ کے لیے اگلے جہان میں دودھ پلانے والی موجود ہے

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یرزقون کی شان شہداء سے خاص نہیں۔

---

[1] تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ [2] تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۲۰۴

عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراہیم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لہ مرضعا فی الجنۃ۔[1]

ترجمہ: حضرت براءؓ کہتے ہیں جب حضورؐ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اس عالم کا محتاج ضروری نہیں کہ یہاں دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال

اگلے جہان کے رزق سے اگلے جہان والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیات جسمانی سے نوازے جاتے ہیں وہ اس جہان کے رزق سے کیسے سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

الجواب

کیا آپ نے یہ ملاحظہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی غیبی رزق سے متمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے معدے سے کھانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صوم وصال (روزے سے روزے جوڑ کر) رکھے تو بعض صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا تو حضورؐ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھول دی۔

لست کاحدکم انی یطعمنی ربی ویسقینی۔[2]

ترجمہ: میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضورؐ کا یہاں جسد اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری حاصل کرتا تھا سو شہداء

۱؎ صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۹۱۳ مطبوعہ ۲؎ ایضاً جلد ۱ صہ ۲۶۳

بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق
پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی بدن کا اس
عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب وہاں حق تسلیم کرتے
تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض ہے اللہ رب العزت نے
اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرمادیا اس پہ بے چوں و چرا ایمان لائیں۔

آیت حیاۃ شہداء کے تقاضے

آیت حیاتِ شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لا
تشعرون۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیاتِ شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لاسکتے اس کا
ادراک نہیں کرسکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لیے نہیں؟ یہ
کرم فرما کہتے ہیں کہ یہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لیے تھا جب تک حضورؐ نے ارواحِ شہداء
کے حواصل طیور میں آنے اور جنت میں داخل ہونے کی بات نہ فرمائی تھی۔ جب آپ نے امت
کو حیاتِ شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لا تشعرون منسوخ ہوگئی۔ استغفر اللہ العظیم
اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہوگی۔ ان کی بھی
حیات روحانی اور ان کی بھی حیات روحانی ——— آیت حیاۃ شہداء میں جو ان کی جسمانی
حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہوگیا ——— اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف
اور کیا ہوگی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

ہم قادیانیوں کو بارہا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (انا قتلنا
المسیح عیسیٰ ابن مریم۔ پ النساء ع ۲۲) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو
اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بل رفعہ اللہ الیہ میں بل اضراب ہے یہود کا جس چیز کے قتل کا

دھوکے ہے۔ قدرت رب العزت کا اسی کے رفع کا دعویٰ ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ میں جو بزبیہ قتل آگئے انہی کے بارے میں بل احیاء ولکن لا تشعرون وارد ہے کہ وہ اموات نہیں۔ انہیں اموات نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لا تشعرون کے تحت قبول کرنا ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ بل احیاء پر نظر رکھنے والوں اور لا تشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لیے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ:-

> وہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روحیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آسکتی۔

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگئے تو سمجھ تو آگئی۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا بھی تم شعور نہیں رکھتے یا یہ ادھ شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں ——— کچھ تو سمجھائے کہ ان میں ایک لا تشعرون کے تحت ہیں اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

> کچھ تو کہیے کہ لوگ کہتے ہیں
> آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بالا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے اور کرامیہ جیسے لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ والجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیات حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ برزخ کے احوال میں سے ہے جن پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

ان الشهداء بعد موتهم وقتلهم احياء عند ربهم يرزقون فرحين وهذه صفة الاحياء في الدنيا واذا كان هذا في الشهداء كان الانبياء بذلك احق واولى۔[1]

ترجمہ: بےشک شہداء اپنی موت اور قتل ہونے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعت اہلحدیث کے بزرگ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں۔

معنى الآية عند الجمهور انهم احياء حياة محققة ثم اختلفوا فمنهم من يقول انها ترد اليهم ارواحهم في قبورهم فيتنعمون وقال مجاهد يرزقون من ثمر الجنة وذهب من عدا الجمهور الى انها مجازية والصحيح الاول والمراد بالرزق المعروف في العادات على ما ذهب اليه الجمهور۔[2]

ترجمہ: اور آیت حیات شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی روحیں قبروں میں ان کی

---

[1] [illegible] جلد ۶ صفحہ ۳۹ [2] تفسیر فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۱۶۰

طرف لوٹائی جاتی ہیں اور وہ دونوں مل کر نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۰۴ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور (اہل السنۃ والجماعۃ) کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے مراد یہی رزق ہے جیسے عادۃً رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہوا کہ ابدان شہداء میں روحیں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا جب حضورؐ نے حیات شہداء کی تفسیر بدنوں کی سیر سے کر دی ہے اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لاتے ہو۔ ان بدنوں کے لیے حیات حقیقی کیوں ثابت کرتے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں؛ انہیں اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم سے ——— قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات رفیعہ کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔

قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں :۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون و ان الحیٰوۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین۔[1]

ترجمہ: قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسم کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء و مرسلین کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لیے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید حنفی میں ہمارے موافق تھے اور یہ قاضی تائید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ ص

یہ غیر مقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک مقلد بزرگ سے بھی سن لیجئے۔ ان سے تمسک کئے بغیر آپ چودہویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود آلوسیؒ (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

واختلف في هذه الحياة فذهب كثير من السلف إلى أنها حقيقية بالروح والجسد ولكنا لا ندركها في هذه النشأة واستدلوا بسياق قوله تعالى عند ربهم يرزقون[1]

ترجمہ: اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسلاف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عند ربہم یرزقون سے استدلال کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور سامنے جمہور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا تردد باقی رہ گیا۔

يرزقون مثل رزقهم أحياء . . . والقول بأن الروح متعلق بالجثة [illegible] والكواكب فتلتذ بذلك وتكتسب زيادة كمال ترقى بها إلى الترقي ولا أظن القائل به يقرع سمعه الروايات الصحيحة والأخبار الصريحة بل لم يذق طعماً للشريعة الغراء ولا تراءى له منهج المحجة وضرب القناديل لا يغير حكمه ولا يزيل ظلمه [illegible] أن حال الشهداء وحياتهم وراء ذلك[2]

شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی رزق بتلانا اور کہنا کہ ان کے ارواح آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۳۱ [2] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۴۲، ۱۴۳

اور کھلا پڑھ سکتے ہیں۔ یہ انہی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہو سکتا ہے جن کے کانوں میں صحیح اور صریح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی، بلکہ ایسے لوگ شریعت غرا کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو صحیح سمجھنے کی راہ نہیں دکھلائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی مذاق اور زندگی سے بالا و برتر ہے ——— پھر آگے جا کر لکھتے ہیں۔

ان الآية دلت على عرض الارواح على النار غدواً وعشياً في البرزخ وليس فيها دلالة على اتصالها بالاجساد في البرزخ فقد يكون ذلك مختصاً بالبرزخ فاما حصول ذلك للجسد في البرزخ وانه شهيد ليس عليه الا سنة في اثبات الرحمة الوقتي ذكرها له

شہداء کی اس امتیازی حیات پر ہے کہ ان کی ارواح کو متجسد (یعنی جسم یا مقید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس متجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے ایک قسم اتصال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کر دی ہے

یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاتِ جسمانی حاصل ہے۔ تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کر پاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لیے برزخ کے پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا، کشف کی آنکھ سے دیکھا ورنہ وہ دنیا اس دنیا سے پردے میں ہے۔

پردہ اُٹھنے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں، نعیم صالحین اور عذاب مجرمین

لہ روح المعانی جلد ۲ ص

دونوں پردے میں ہیں۔ حضورؐ سے پردے اٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشگی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فرحین بما اتاھم من فضلہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یوں نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی نکبت اور تکلیف میں ہوں گے۔

الجواب: آیت حیات شہداء کا عجز ولکن لا تشعرون (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیونکہ اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آتے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی ــــ یہاں جیسی شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ ولکن لا تشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے مابین ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابو بکر جصاص رازی (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

فیہ اخبار باحیاء اللہ تعالیٰ الشہداء بعد موتھم ولا یجوز ان یکون المراد انھم سیحیون یوم القیامۃ لانہ لوکان ذلک مرادہ لما قال ولکن لا تشعرون لان قولہ ولکن تشعرون اخبار بفقد علمنا بحیاتھم بعد الموت ولو کان المراد الحیاۃ یوم القیامۃ لکان المومنون قد شعروا بہ وعرفوا قبل ذلک فثبت ان المراد الحیاۃ الحادثۃ بعد موتھم قبل

يوم القيامة ولو لم يجز أن يكون المؤمنون قد أحيوا في قبورهم قبل يوم القيامة وهم المنعمون جاز أن يحيى الكفار في قبورهم فيعذبون وهذا يبطل قول من ينكر عذاب القبر[1]

ترجمہ: اس آیت میں شہداء کے بارے میں مارے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ کہتے ولکن لا تشعرون

کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو اس دن ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے اور پہچان لیں گے پھر لا تشعرون کیا؟

صاف بات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارے جانے کے بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور جب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے۔ اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب قبر کوئی شے نہیں۔ نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ما قبل سے جدا اور ما بعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدۂ برزخ کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کھلی نفی ہے۔ مسلمان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پل عبور کر کے ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے مگر یہ جانے شعور اور ادراک سے بالا ہو۔ حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کھلی حیات ہوگی۔

---

[1] احکام القرآن جلد ۱ ص [illegible]

برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعد (عالم آخرت) کی کامل زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالم برزخ میں مرے نہیں کہا جا سکتا۔

انبیاء کرام کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں ـــــ مرے ہوئے نہیں زندہ ہیں ـــــ ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیات شہداء پہ استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ ان دونوں کے میت ہونے کا خبر درست نہیں۔ حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مُردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی۔ ایسا ہوتا تو یوں فرماتے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ انھم ما ذاقوا (انہیں موت نہ آئی) لیکن ایسا نہ کہا، بلکہ فرمایا انہیں اموات (مُردے) نہ کہو انہیں مرے ہوئے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں (قتل موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش دی ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی، اس کا فیصلہ من یقتل کو دیکھ کر لیں زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر فعل قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مُردہ ہونے کا ابطال کیا اور اسی کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

بل احیاء عند ربہم ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا گویا یہاں بل سے شہداء کے مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی ہے اور وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں۔ گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ ولکن لا تشعرون اس پر قرآنی شہادت ہے۔

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ حسن بصریؒ اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں ـــــ لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر اجسام ان پر سایہ فگن ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں آتی ہوئی ہیں ـــــ صورت حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

ولا یعجز اللہ تعالیٰ ان یجعل بہ حیوۃ تکون سبب الحس والادراک وان کنا نراہ رمۃ مطروحۃ علی الارض لایتصرف ولا یری فیہ شیئ من علامات الاحیاء فقد جاء فی الحدیث ان المؤمن یفسح لہ مدی بصرہ ویقال لہ نم کنومۃ العروس مع انا لانشاہد ذلک اذا ان البرزخ برزخ اٰخر بمعزل عن ادراکنا وادراک قوانا۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہداء کے دنیوی اجسام میں زندگی اتار دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سڑا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ پائیں ـــــ اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے ٹھیک طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے لیے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس طرح دلہن

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۲

کی نیند کی طرح سو جاؤ ۔ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک
کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں مگر اس
کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور
عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے ۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں ۔

والذی یمیل القلب الیہ ان لہا تلک الابدان شبہا تاما صوریا بہذہ الابدان وان المواد مختلفۃ
فالاجزاء متفاوتۃ۔ اذ فرق بین اللطائف والکثائف ما بین الخافقین ویمکن حمل حدیث الطیر علی
تشبیہ تلک الابدان الغضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتہا وتنعمہا حیث شاءت بالطیر الخضر[1]

ترجمہ۔ اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی
ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے اگرچہ دونوں
کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لیے کہ دونوں جہانوں میں
فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جسمانی
کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ قرآن کریم اس عمل کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور نہ صرف
شہداء کو کہا گیا ہے۔ سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جسمانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق
کو عند ربہم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لیے آتا ہے پس جب رزق روحانی ہے تو ان کی
زندگی بھی روحانی ہوگی۔ مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

والذین ہاجروا فی سبیل اللہ ثم قتلوا او ماتوا لیرزقنہم اللہ رزقا
حسنا۔ (پ ۱۷ الحج ع ۸ آیت ۵۸)

ترجمہ۔ اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ

---

[1] روح المعانی جلد ۲ ص ۳۲

انہیں خاص رزق حسن عطا فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جانا زندگی کی دلیل ہے تو چاہیئے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

الجواب

اس آیت میں او ماتوا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں بلکہ یہاں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مرے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لیے اس آیت میں وعدہ رزق ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں۔ قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فضالہ بن عبید (ت ۵۳ ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتیل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا:

فاما من قتل في سبيل الله ... فله حي عند ربه يرزق ... واما من توفي في سبيل الله من غير [illegible] وقد تضمنت هذه الآية الكريمة مع الاحاديث الصحيحة اجراء الرزق عليه۔[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجر شہادت ماجور ہیں اور حیات جمالی اور رزق حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پر ماشاء اللہ وسیع نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے۔ اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۲، [illegible]

① ——— حضرت ابو مالک اشعریؓ روایت کرتے ہیں۔

جو شخص خدا کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا یا اس کے گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی مصیبت آ گئی وہ شہید ہے۔[1]

② ——— حضرت معاذ بن جبلؓ (م ۱۸ھ) روایت کرتے ہیں۔

جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت چاہا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لیے مرتبہ شہادت ہے۔[2]

③ ——— حضرت عمرؓ نے اثنائے خطبہ میں فرمایا۔

مگر ہاں کہو جیسا حضورؐ فرما گئے جو خدا کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔[3]

④ ——— سہل بن حنیف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو۔[4]

مولانا اسمٰعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عند ربهم یرزقون کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے۔ حضرت مریم کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف موسم پھل آتے تو حضرت زکریا علیہ السلام اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریم نے بتایا ھو من عند اللہ (پ ۳ آل عمران ع ۴) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا وہاں یہ مقصد ہے کہ وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا۔ حضرت مریم کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب دنیوی۔ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

خدا کی قدرت سے اسی طرح جیسے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔[5]

---

۱ سنن کبریٰ جلد ۹ ص ۱۶۲ ۲ ایضاً ص ۱۶۸ ۳ ایضاً ص ۱۶۸ ۴ ایضاً ص ۱۶۹ ۵ تفسیر عثمانی ص ۷۰

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا۔

فابتغوا عند اللہ الرزق (پ العنکبوت آیت ۱۷)

ترجمہ تم اللہ کے ہاں سے رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ سفر میں مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہیں سکے

حیات شہداء کے شواہد

(۱) حضرت جابرؓ کہتے ہیں احد کے دن میرے والد نے مجھے کہا شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضورؐ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیارا نہیں میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے۔ اس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہوا — میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھلوایا تاکہ آپ کو علیحدہ دفن کر دوں۔

فکان اول قتیل ودفن معہ آخر فی قبر ثم لم تطب نفسی ان اترکہ مع الآخر فاستخرجتہ بعد ستۃ اشہر فاذا ہو کیوم وضعتہ ہنیۃ غیر اذنہ[1]

ترجمہ جب جنگ احد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میں اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ دفن رہنے دوں پھر چھ ماہ کے بعد آپ کو وہاں سے نکالا آپ اسی حال میں تھے جیسا کہ جس دن آپ کو دفن کیا تھا صرف ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبد اللہ بن عمرو انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموحؓ دفنائے گئے تھے[2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] فتح الباری جلد ۳ صفحہ [illegible] کتاب الجنائز

(۲) — تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہر کھدوا دی گئی۔ اس سلسلہ میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسد طاہر اسی طرح تھا جس طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ بلکہ انگلی پہ لگ گیا تو خون بہنے لگا۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وما وجد فی صدر هذه الامة من شهداء احد وغيرهم على هذه الصورة ولم يتغيروا بعد الدهور الطويلة لحمزة بن عبد المطلب فانه وجد حين حفر معاوية العين صحيحا لم يتغير واصابت الفاس اصبعه فدميت۔[1]

ترجمہ: اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے لمبے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ بھی ہیں حضرت معاویہؓ نے جب اپنے دور میں ایک نہر کھدوا دی تو انہیں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا بیلچہ آپ کی انگلی پہ لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔

(۳) — حضرت عمرو بن الجموحؓ اور عبداللہ بن عمرو انصاریؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کیے گئے۔

فوجدا لم يتغيرا كانهما ماتا بالامس وكان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذلك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت۔[2]

ترجمہ: وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فوت ہوئے ہیں ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۰۳ فتح الباری جلد ۳ ص ۱۶۷ [2] مؤطا امام مالک ص ۲۱۷ طبع جدید

کر دیا گیا میں نے آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ وہیں جا لگا جہاں کہ پہلے تھا۔

(۴) حضرت عمرؓ کے زمانے میں نجران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبد اللہ بن تامرؓ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے۔

فاذا اخرجت یده عنها تنبعث دماً واذا ارسلت یده ردها علیها فامسکت دمها۔[1]

ترجمہ: جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹاتا تو اس زخم سے خون بہنے لگتا اور جب میں آپ کا ہاتھ چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔

(۵) ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضورؐ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔[3]

(۶) حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر کظامہ کھودی گئی اور وہ میدان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تر و تازہ ہیں اور بال بڑھے ہوئے ہیں، اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔[4]

(۷) حضرت حذیفہ اور حضرت عبد اللہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے ۱۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے دریا زمین کاٹتا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا گیا پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی ایک صاحب اطلاف جن جان جنازوں میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بیان ہے۔

۱؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۵ ۲؎ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۳۶ ۳؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۶
۴؎ وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۶

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی، اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نقشہ برپا کر رکھا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں باوجود تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن پر ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔[1]

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں اسی طرح منقول ہے اور اس کا عنوان ہے:

ناقابل انکار صداقت

شہر سلمان پاک جو بغداد سے ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے، وہ شہر قدیم ایام میں جس کا نام "مدائن" تھا۔ جہاں اکثر صحابہ کرامؓ گزشتہ صدی کے عہد سے پیوند خاک ہیں۔ یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل ہی، تو ان کے درمیان حضرت حذیفہ الیمانیؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسولؐ کے مزارات پہلے سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ پر تھے۔

ہوا یہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے کچھ فاصلے پر دفن کر دیا جائے، اس لیے کہ میرے مزار میں پانی اور جابرؓ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امور سلطنت کے باعث بھول گیا۔ تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں ہدایت فرما کر کہا، ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی کو مفتی اعظم نوری السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے

---

[1] صدق لکھنؤ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

ملے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔ شاہ فیصل نے کہا میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔

آخر کافی غور و مشورہ کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا کہ آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور نعشوں کو منتقل کرنے کا فتویٰ دے دیا تو یہ فتوے اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہر ان دونوں اصحاب رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ رائٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا کے مسلمان حج کے لیے حرمین شریفین (مکے مدینے) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تاکہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ وغیرہ ملکوں سے شاہ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی جنازوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز بڑھا دی جائے۔

چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی ہدایت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک پہنچنے نہ پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پاک میں جمع ہو گئے اور دو شنبہ کے دن دن کے بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آ چکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی۔

حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر، عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانیؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز میجسٹی شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا، اور بڑے احترام سے ایک شیشے کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی نعش مبارک کو مرقد سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکتی تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں۔

بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا، اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لائیے مفتی اعظم! ہاتھ بڑھائیے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کیا، کمال کیا کیا بلکہ دور دور سے آئے ہوئے مشتاقانِ دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر جن مزارات

اس کے اوپر دو سو فٹ بلند فوارے کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا اعلیٰ درجہ کا سکرین لگا دیا، پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی چھت سے ملحق چار سکرین لگا دیئے، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی دھکا پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس ہڑ بونگ میں دب کر مرنے سے بچ گئے، مردوں، عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور عیسائی خاندان پاک کی خبر سن کے، چیں بہ جبیں و گریاں، افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبولِ اسلام کے لیے آتے تھے اور مطمئن شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔ اس سرعت سے مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ چشم دید واقعہ کسی کتاب میں لکھا ہوا گئے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے۔ یہ چلتے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے بھی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے فوٹو چھپے ہیں۔ یہ مزارات گمنام افراد کے بھی نہ تھے بلکہ بقول ان کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور و معروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جواب بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔[۱]

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل، قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں ذرا سی بھی شائبہ حق و انصاف ہے، اس سے انکار کر سکتا ہے کہ عین انبیاء و رسل کو یہ حیات برزخی ظاہر بہ نسبت سے حاصل ہوتی وہ کہیں گنا بہتر ذی حیات بلکہ ظاہری حیات جیسی ہی رکھتے ہیں۔

۱؎ منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اشاعت اگست ۱۹۶۰ء

یہاں عالم برزخ سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ وہی جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا کہیں عالم غیب میں بنتی ہیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں اور ان کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی کیا وہ انہی گڑھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجساد کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ ہے سال میں آ گئے حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لا تشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات برزخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما تھے یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کی یہ حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔

جو لوگ صحابہؓ پر برستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے اس ایمان کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں دراصل ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:-

انھم مثل ھذہ الاقاویل خرجوا عن ربقۃ الاسلام ولذا ام بعض اھل رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین علی صورۃ الخنازیر کما ھو مشروح فی الفتوحات المکیۃ للشیخ الاکبر وارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حکم بعض اھل اللہ تعالٰی رضوان اللہ علیہم انھم یحشرون علی صورۃ الخنازیر[۱]

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

---

[۱] فواتح الرحموت بذیل المستصفی من علوم الاصول جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ طبع منشورات الرضی بہ قم

حیات انبیاء کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آ پہنچے

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد:۔

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روئے زمین اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

اس دن جب سب مُردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا مرتبہ بے ہوشی سے افاقہ ہوگا صور ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے۔ جو اب اس نفخۂ ثانیہ سے ہوش میں آ گئے۔ اس بات کی تحقیق کے لیے ہمیں قیامت کی خبروں میں نفخ اول و ثانی کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے:۔

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا ہم قیام ینظرون ۝ واشرقت الارض بنور ربہا ووضع الکتاب وجیء بالنبیین والشہداء وقضی بینہم بالحق وہم لا یظلمون ۝ (پ ۲۴، الزمر ع ۷ آیت ۶۸)

ترجمہ: اور پھونکا جائے گا صور۔ پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

جگمگا اٹھے گی اور لایا جائے گا نبیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہوگا لوگوں میں انصاف سے۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جی کو جو کچھ اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفخ صور ہوگا۔ پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردے ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور سب بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کیے جائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیے جائیں گے[1]

عربی میں صعق کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

صعق الرجل اذا غشی علیہ وصعق الرجل اذا مات۔

صور پھونکا جانے پر جو صعقہ ہوگا وہ موجود زندوں کے لیے پیغام موت ہوگا اور جو پہلے مر چکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لیے یہ صعقہ غشی کا ہوگا وہ یہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں یا جو پہلے مر چکے ہیں وہ تو پہلے ہی تھے ہی۔ جو اب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ یا مقرب فرشتے یا حملۃ العرش پھر شاید اس نفخہ کا اثر نہ ہو اور وہ الا من شاء اللہ کا مستثنیٰ۔ یا ایسی ہستی جو قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفات پا چکا اس پر اس صعقہ کا اثر بے ہوشی کا ہوگا

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۱۰۴

نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہوگا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جو موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔ وہ سب زندہ ہو جائیں گے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آجائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ مقام حیات ہے پس وہ بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہیں تو زندہ کئے جائیں گے نفوس پہ تو واذا النفوس زوجت کا عمل ہوگا اور یہ بیہوشی والے تو پہلے ہی روح بدن کے ساتھ ہیں ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے

انبیاء کرام اس دن بیہوشی سے اٹھیں گے۔ وہ موت سے حیات میں نہیں بیہوشی سے افاقہ میں آئیں گے ان کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تخيروني على موسى فان الناس يصعقون فاكون اول من يفيق فاذا موسى باطش بجانب العرش فلا ادري أكان فيمن صعق فافاق قبلي او كان ممن استثنى الله عز وجل [1]

ترجمہ: تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلے بیہوشی سے افاقہ پاؤں گا۔ میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا بیہوش ہی نہ ہوئے تھے اور ان میں سے تھے جنہیں اللہ عزوجل نے اس آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

انی اول من یرفع رأسه بعد النفخة الآخرة۔ [2]

ترجمہ: میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible]، ص [illegible] [2] فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۹۱

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا، کتنا ہوگا، اس بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے۔ دراصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے۔

ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ہم قیام ینظرون ۔ (پ ۲۴ الزمر آیت ۶۸)

ترجمہ: پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو سب اچانک کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور آخرت میں فرق ہے۔ برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں ہوتا آخرت میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح حدیث میں لفظ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام کے لیے نفخۂ ثانیہ پر لفظ افاق من غشی مرہ اور بعث من قبور کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس عالم کے اعتبار سے وہ جو ان کی غشی یک گونہ کی سی ہوگی جو نفخۂ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب یک گونہ نئی زندگی میں آجائیں گے۔

یہ دوسرے نفخہ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے ——

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:-

فان الناس یصعقون یوم القیامة فاکون من تنشق عنہ الارض فاذا انا بموسیٰ آخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری اکان فیمن صعق ام حوسب بصعقة الاولیٰ۔[1]

ترجمہ: سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن نفخ صور پھونکا جانے سے بے ہوش ہو جائیں گے میں سب سے پہلے ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی باہر نکلوں گا، دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۲۴ وفی روایة ابن جوزی الصفوة الطبع جلد ۱ صفحہ ۳۲

گئے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا نہیں۔ یا ان کو پہلی بے ہوشی کافی ہوگئی ہو، انہیں پہلے ہی کوہ طور پر پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا بگل ہوگا اور دنیا کے سب انسان مر جائیں گے پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نوبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

حافظ ابن کثیر دمشقی لکھتے ہیں:۔

ترجمہ: نفخہ اولیٰ وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مر جائیں گے مگر جن کو خدا چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔[1]

رہا انبیاء کرام کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے۔ اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورت حال کیا بتا رہی ہے؟ دوسروں کا موت سے حیات میں آنا اور انبیاء علیہم کا بے ہوشی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل بنی نوع انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

[1] تفسیر ابن کثیر جلد — صفحہ — فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۵

روایت کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا اور بات آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی ــــ آپ فرماتے ہیں۔

یخرج الدجال فی امتی فیلبث فیھم اربعین فیبعث اللہ عز وجل عیسی ابن مریم ... فیطلبہ فیھلکہ ثم یلبث الناس بعدہ سنین سبعًا لیس بین اثنین عداوۃ ثم یرسل اللہ ریحًا باردۃ من قبل الشام فلا یبقی احد فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان الا قبضتہ ... ویبقی شرار الناس فی خفۃ الطیر واحلام السباع .... وھم فی ذلک دارۃ ارزاقھم حسن عیشھم ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی لہ[1]

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کر دیں گے پھر شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو گا وہ اس کے جھونکے سے مر جائے گا صرف اہل شر رہ جائیں گے پرندوں کی طرح ان میں تیز رفتاری اور اضطراب ہو گا جنسی رجحانات کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے حیوانات ان کے نمونے ہوں گے اور خیالات بے وقار ہوں گے عقلیں ناقص ہوں گی اور علم و حلم سے خالی ہوں گے قلت رحم، ہلاکت، آلات غضب اور وحشت ان کی زندگی ہو گی۔ نیکی کو نیکی جانیں گے نہ برائی کو برائی مانیں گے شیطان کے کہنے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے رزق ان کا وسیع ہو گا صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور پھونکا جائے گا۔

ثم یرسل اللہ مطرًا کانہ الطل فتنبت منہ اجساد الناس ثم ینفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون قال ثم یقال یا ایھا الناس ھلموا الی ربکم وقفوھم انھم مسئولون۔

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ ص حدیث ۶۵۵۵ — الفتح الربانی ترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی جلد ۲۴ ص ۸۲

پہلے نفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مر جائے گا کوئی زندہ باقی نہ رہے
گا سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام
اگ آئیں گے[1]۔ پھر دوسرا نفخہ ہوگا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت
سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ او کما
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل
قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ پر قائم ہوگی

قرآن کریم کہتا ہے :۔

ثم نفخ فیہ اخریٰ فاذا ہم قیام ینظرون ۔ (پ ۲۴۔ الزمر)

ترجمہ۔ پھر دوسری بار نفخ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے
کو دیکھتے۔

اس صورت حال میں انبیاء کرام کا اپنی قبروں سے آنا بیہوشی سے افاقے کی صورت میں ہو
گا موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے
سے زندہ ہیں جو نفخہ اولیٰ سے صرف بیہوشی میں جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے وہ ہوش میں
آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں :۔

وھذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قد مات فکیف تدرکہ الصعقۃ
انما تصعق الاحیاء[2]

ترجمہ۔ یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے
ہیں صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں۔ صور پھونکا

---

[1] قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے۔ بدن پھر سے بن جائیں گے

[2] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۹

جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مر جائیں گے (ہٹ کر وہ جو پہلے سے برزخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)۔

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاض (۵۴۴ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں:

قال القاضی فیحتمل ان ہذہ الصعقۃ صعقۃ فزع بعد البعث حین تنشق السموات والارض فتتصل حینئذ الآیات والاحادیث و یؤیدہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فافاق لانہ انما یقال افاق من الغشی واما الموت فیقال بعث منہ وصعقۃ الطور لم یکن موتا واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادری افاق قبلی فیحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم قالہ قبل ان یعلم انہ اول من تنشق عنہ الارض ان کان ہذا اللفظ علی ظاہرہ وان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اول شخص تنشق عنہ الارض علی الاطلاق۔[1]

ترجمہ: ہو سکتا ہے صعقہ سے مراد جب آسمان اور زمین پھٹ چکے ہوں گے صعقہ فزع مراد ہو۔ اس سے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضور کا ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے کہا کہ موسیٰ افاقہ میں آ گئے تو یہ اسے ہی کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے۔ موت سے جو اٹھایا جائے اسے بعث کہتے ہیں۔ طور کی بیہوشی موت نہ تھی اور حضور کا یہ کہنا میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش آئے ہو سکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو جب آپ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفخۂ اولیٰ جس سے ہر ایک زندہ و باشعور من شاء اللہ مر جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے؟ وہ اس وقت نہ مریں گے۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۶۸

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں۔

ان الذین یصعقون هم الاحیاء واما الموتی فهم فی الاستثناء فی قوله تعالی الا من شاء الله ولا یعارضه ما ورد فی هذا الحدیث ان موسی ممن استثنی الله لان الانبیاء احیاء عند الله وان کانوا فی صورة الاموات بالنسبة الی اهل الدنیا وقد ثبت ذلک للشهداء ولا شک ان الانبیاء اعلی رتبة من الشهداء وورد التصریح بان الشهداء ممن استثنی الله۔[1]

ترجمہ: جو لوگ زندہ ہیں بیہوش ہوں گے اور جو پہلے سے مر چکے ہیں وہ الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں ... اور یہ بات اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ موسیٰ ان میں شامل ہیں جو مستثنیٰ کیے گئے کیونکہ انبیاء سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت میں ہیں اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء تو بلاشبہ شہداء سے کئی درجہ بلند ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔

صعقۂ اولیٰ میں موت صرف زندوں کے لیے ہے اور جو پہلے سے فوت ہو چکے ہیں وہ اس صعقۃ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو اہل دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں ہیں تاہم اس حیثیت سے وہ اموات میں نہیں ہیں۔ جب شہداء کے لیے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی بڑھ کے درجے پر ہیں۔ انبیاء کرام صعقۂ اولیٰ سے مستثنیٰ ہیں اور وہ نفخۂ ثانیہ میں اٹھیں گے۔ اس وقت

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۳۹۶

پر اس صعقہ سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی یہ صعقہ ان کے لیے صعقہ فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو افاقہ ہوگا ——— جو مردہ ہیں وہ اس صعقہ ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم السلام جو پہلے اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صعقہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔ پھر سب الشان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی افاقہ میں آ جائیں گے اور پھر سب خدا کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے عین مطابق ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ وہاں مصروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاء اللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبیؐ

قرآن کریم کا یہ فیصلہ تو ان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدلالۃ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے علماء کے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لیے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو۔ اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ اس سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زندہ ہم اللہ شرفاء یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔ دلالۃ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس سے بطریق اولیٰ سمجھ میں آئے۔ اس دور میں پہلے دور میں اس کے ساتھ اتنا ایمان تو تھا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جب زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور لیسؔ

لہ مسالک العلماء صفحہ ۱۹ معلوم نہیں قاضی صاحب نے بل احیاء اسمعیلؔ کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں۔

قاضی صاحب کی یہ بیان بازی اگر کی ہے کوشش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر
رک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہدین کر قرآن کریم سے نئے سرے سے استنباط
کرنا شروع کر دیا ہے مقلد ہونے کو بھول گئے اور دعویٰ کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفات زندگی کی نفی
قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے۔ استغفر اللہ العظیم، قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے
راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے۔

(۱) حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔

(۲) قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔

(۳) جس طرح شہداء بعد الوفات زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفات بطریق اولیٰ زندہ ہیں۔

(۴) جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لیے زادہم شرفاً کی دعا ہے۔

(۵) جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

ہمیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں۔ ہم بہرحال یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیات انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں۔

(۱) واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا۔ (پ۲۵ الزخرف آیت ۴۵)

(۲) ولقد آتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔
(پ۲۱ الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں احادیث مرفوعہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کر سکیں گی؟ صحابہ کا اس عقیدت میں عملی رویہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش ہمارے نادان دوست اس مسئلے کو سمجھے ہوتے۔

پھر تو یہ بات نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شہادت حیاتِ شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارۃ النص ہے جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔

اب آیئے دیکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے شہادت پائی۔ میں خیبر کے دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک دیا۔ اس کے روکنے میں یہ حکمت بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اللہ کے رسول غالب آکر رہتے ہیں۔ اور وعدہ خداوندی ہو کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک دیا گیا جب آپ عمل فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غار ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی ایڑی کو ڈسا تو اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا۔ حضور آپ کو لعاب کی برکت سے ان اللہ معنا کا وعدہ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکر اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضور کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر رکا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیاتِ شہداء کے انوار میں داخل ہو گئے۔

مولانا شبلی صاحب تسلیم کرتے ہیں حضرت ابوبکر زہر سے حضرت عمر قتل سے شہید ہوئے۔[1]

آنحضرت کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہیں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس نے زہر ملایا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے چکھی ہی تھی کہ ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن یہ زہر پھر عود کر آیا۔ آپ مرض الوفات میں فرماتے تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ سو آپ کا مرتبہ شہادت برحق ہے۔

۱؎ دیکھئے مستدرک جلد ۳ صفحہ ۵۹ ۲؎ سیرت مصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۸

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اموات جن پر کفار قتل وارد کرنے کے معنی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا صرف روح کا تجسد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجسد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ حیاۃ انبیا میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالاً اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیۃ اموات غیر احیاء انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جا سکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اوپر بس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں ان کی بس یہاں آ رکی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔[1]

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

عزیزان من: حیاۃ الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

بزرگان من! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا ہے؟ کم از کم اتنا ہی ہمیں بتا دیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟ آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی کا اقرار جن واشگاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں:

---

[1] مسالک العلماء ص ۴۹

مسئلہ حیات النبیؐ کا تعارف

آنحضرتؐ بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النص کی رو سے زندہ ہیں اور بطور نبی اور رسول بھی آپ قرآن کی دلالۃ النص سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا بجا ہے کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں۔ انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں۔

جب ہمارے اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحت سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالۃ النص سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث صحیحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء کو اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء کو احیاء کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تضعیف ہونی چاہیے یا ان احادیث سے قرآن کی تائید ہونی چاہیے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے دو جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حیات بعد الوفات لسید الکائنات

الباب الاول وفیہ خمسۃ فصول

حدثنا هارون بن عبد الله حدثنا حسین بن علی عن عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یا رسول الله وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان الله عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔

سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۰، صفحہ ۲۲۱، سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۰۴، سنن ابن ماجہ صفحہ ۷۷، صفحہ ۱۱۹، سنن دارمی صفحہ ۱۸۱، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۷۸، جلد ۴ صفحہ ۵۶۰، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۸، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ صفحہ ۲۴۸، و طبرانی کما فی جلاء الافہام [illegible]، و رواہ ایضاً فی تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۱۵، وابن خزیمۃ وابن حبان وسعید بن منصور فی سننہ وابن ابی شیبۃ فی مصنفہ کما فی شرح العلامۃ الزرقانی [illegible] جلد ۵ و دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۴۹۲ مصر

له قال ابن حبان فی صحیحہ حدثنا ابن خزیمۃ حدثنا ابوکریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منه [illegible] بحوالہ الحافظ ابن کثیر [illegible] جلد ۳ مصر

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدمؑ کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کی روح قبض ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی قیامت کی بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی کھائے۔

(۱) ——— صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا درحقیقت آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا۔

فان صلوتکم معروضة علی۔

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ وسلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہیں۔ اس پہ یہ سوال پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ و سلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا ہے گو آنحضرتؐ کا ارشاد فان صلوتکم معروضة علی جملہ اسمیہ میں ہے صحابہؓ نے جب اس استمرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا تو آپ نے صرف دنیا فرق کرنے کے بجائے ایک اصولی بات بتا دی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا۔

ارشاد دوم:-

"زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی کھائے"۔

گویا آپ نے قبل از وفات اور بعد از وفات کے عرضِ صلوٰۃ وسلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل از وفات یہ عرضِ صلوٰۃ وسلام بروح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرضِ صلوٰۃ وسلام بروح مع الجسد پر پورے ادراک و شعور سے ہو رہا ہے ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

(۲) ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی کھائے" صرف "ارمت" (آپ تو مٹی میں مل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں بلکہ "کیف تعرض صلوٰتنا علیک" کے جواب میں ہے یعنی ارشادِ نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیاء کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے بلکہ آپ کا منشا یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے اصل سوال یہ تھا۔

"کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت۔"

ترجمہ: ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گل چکے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ عنصر ہرگز نہیں کہ اجسامِ مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبروں میں محض بے حس و شعور پڑے ہیں، بلکہ منشائے رسالت یہ ہے یہی محفوظیت مدعا ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔ اگر اجساد محفوظہ پر صلوٰۃ وسلام پیش نہ ہوتا ہو اور ان میں صلوٰۃ وسلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا تو حدیث کے دونوں مضمونوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا تقاضا یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر محض بے حس و شعور کر کے محفوظ نہ ہو، اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔

(۳) ——— صحابہ کرامؓ کے سوال میں "ارمت" اور اس کے جواب میں "اجساد الانبیاء" کے الفاظ تھے، وہ یقیناً اسی دنیا والے جسم عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں کسی شبہ کی گنجا

گنجائش نہیں کہ شاید اجساد مثالیہ مراد ہوں لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوٰۃ وسلام روضۂ مقدسہ کے اسی جسد عنصری پر پیش ہو رہا ہے جس پر وہ موت طاری ہوا تھا اور جسے صحابہؓ نے دفن کیا تھا جب ظاہر یہاں مع الروح ہے، تو عرض صلوٰۃ وسلام کا محل بنا ہوا ہے جس بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزاء کے بدن پر بھی عرض صلوٰۃ وسلام ہو سکے تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

كيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت.

اور اگر بے جان بدن پر بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام ہے تو پھر سارے بدن کے یکجا ہونے یا ذرات بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے۔ پھر کتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتفکر فان ذلک من مدارک الاذکیاء

مولانا محمد بشیر قنوجی تفہیم المسائل فارسی مطبوعہ پر اس حدیث عرض سے حیات پر اسی طرح استدلال فرماتے ہیں

کثیفہ

بعض حیران کن واقعات یا تعبیرات جب حسن طبع کے لیے کہے یا سنے جاتے ہیں، تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے ہوں تو وہ ذوق طبع کا سامان ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہا، تفکر کے قریب یا آوارگی کے قصے کو بھی بعض لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں۔ جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فساد تاویل کی انتہائی شان ہے۔ چونکہ اسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرانی ہوتی ہے، اس لیے اسے لطیفہ کے بجائے کثیفہ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریب کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پور جانا ہوا۔ وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ ایک صاحب نے اس حدیث پر بحث

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے، جو مضمون حضرت اوس بن اوس کی حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا تھا۔

فان صلوٰتکم معروضۃ علی ——— جزء سوال کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت

ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ——— جواب برائے ضرورت عرض صلوٰۃ و سلام بعد الوفات

نتیجہ ——— بعد الوفات حیات جسمانی

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت میں وہی نتیجہ خود لفظاً حدیث بن کر سامنے آگیا۔

فنبی اللہ حی یرزق ——— اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اُسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

اس جزء کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادراج ہے یا نہیں، ادراج کہاں تک صحیح ہے یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجساد مطہرہ کے محفوظ ہونے اور ان پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے سے حیات النبی ﷺ کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت میں بعینہٖ جزء حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی حدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے تو بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیث حفظ اجساد کا اس کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں۔ مقام تعجب ہے کہ اجساد الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فنبی اللہ حی یرزق کا مطلب یوں بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے، حیات جسمانی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ علمی دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا۔ ؎

؎ کما یظہر من صنیع صاحب السیرۃ المحمدیۃ و راجع لہ ص۴۹

والبغی یصرع اھلہ   والظلم مرتعہ الوخیم

حضرت ابوالدرداءؓ کی یہ روایت ایک دوسری اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔[1]

رجال اسناد روایت ابی الدرداءؓ

① حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ـــ قلت رجالہ ثقات (تہذیب جلد ۲ ص ۳۹۹)

② المحشی حاشیہ عزیزی شرح جامع صغیر ـــ رجالہ ثقات (السراج المنیر جلد ۱ ص ۲۹۰ مصری)

③ ملا علی قاریؒ ـــ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ (مرقات جلد ۴ ص ۲۴۲)

④ قال الدمیری رجالہ ثقات (فیض القدیر للمناوی جلد ۱ ص ۸۴)

⑤ رواہ ابن ماجہ برجال ثقات (زرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص ۳۳۴)

⑥ قال المنذری اسنادہ جید (ترجمان السنۃ جلد ۴ ص ۴۱۹)

⑦ علامہ سمہودیؒ ـــ رواہ ابن ماجہ باسناد جید۔ (خلاصۃ الوفاء ص ۴۴)

⑧ قاضی شوکانیؒ ـــ اخرج ابن ماجہ باسناد جید (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۲۱۱)

⑨ مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ـــ باسناد جید۔ (عون المعبود جلد ۱ ص ۴۰۴)

⑩ تنقیح الرواۃ ص ۴۴ باسناد جید (وترکنا البقایا مخافۃ التطویل)

تلک عشرۃ کاملۃ۔

---

[1] جلاء الافہام لابن القیم ص ۴۵)

الفصل الاوّل

وفيه ستة من المباحث

المبحث الاوّل: احوالِ رُواۃ حدیث اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ

پہلا راوی جس پر تمام طرق حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی ہے، اس کے بعد عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر، پھر ابو الاشعث صنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اخیر میں حضرات صرف حسین بن علی، عبد الرحمٰن اور ابو الاشعث کے مختصر ترجمے پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی —— ثقۃ عابد۔ (تقریب ص ۷۷، کشف الاستار ص ۲۱)

عبد الرحمٰن بن یزید

عبد الرحمٰن بن یزید دو ہیں، ایک عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم، دوسرے عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر۔ ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے۔ اس حدیث کے سلسلۂ اسناد میں عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں۔ بعض حضرات نے بن یاسا شیہ کر دیکھ کر جہاں صرف عبد الرحمٰن بن یزید تھا وہاں سے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تضعیف کر دی۔ حالانکہ ابو داؤد اور نسائی

لہ قال ابو داؤد حدثنا ھارون بن عبد اللہ اخبرنا حسین ابن علی (جلد ۱ ص ۱۵۰) قال النسائی اخبرنا اسحٰق بن منصور قال حدثنا حسین ابن علی (جلد ۱ ص ۲۰۴) قال احمد حدثنا حسین بن علی (ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۵) قال ابن ماجہ حدثنا ابو بکر بن ابی شیبۃ حدثنا حسین بن علی (ص ۷۷) قال ابن خزیمۃ حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمٰن (جلاء الافہام لابن القیم ص ۳۳)

کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ خلط ملط کرتے ہیں جن لوگوں کی رسائی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی وہ ان کی ناواقفیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ خود راوی حسین بن علی نے یہاں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ معاذاللہ استغفراللہ عناد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے ؎

وقد ترکتنی لا احلی لمحدث
حدیثا واحسب ناجیہ و نجانی

سنیے حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔

وتوهم ان ظن انه ابن جابر وانما هو ابن تميم وغلط في اسم جده وبعيد فانه لم يكن يشتبه على حسين مثل هذا بنقده وعلمه بهما وسماعه منهما[1]

ترجمہ بعض لوگوں کو یہ گمان کہ یہ راوی ابن تمیم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہوگئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید، اور دونوں عبدالرحمٰن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں دیتا۔

رأيت الدارقطني قد ذكر ذلك نصاً[2]

ترجمہ میں نے دیکھا ہے کہ دارقطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے مکحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابوالاشعث صنعانی اور عطاء خراسانی نے احادیث سنیں اور ان سے ان کے بیٹے عبداللہ، حسین بن علی جعفی

۱؎ جلاء الافہام ص [illegible]   ۲؎ ایضاً ص [illegible]

④ شیخ الاسلام علامہ عینیؒ

الف : صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔[1]

ب : وهو انہم رای والحال انہ الیہم کما صح لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام۔[2]

⑤ حافظ ابن کثیرؒ

قد صحح هذا الحدیث ابن خزیمۃ وابن حبان والدار قطنی والنووی فی الاذکار۔[3]

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیاء کرام کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے، اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے بالکل صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

⑥ حافظ ابن قیمؒ

ومن تامل هذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقۃ رواتہ وشہرتہم وقبول الائمۃ احادیثہم۔[4]

ترجمہ : اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اسے اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہ ہوگا کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء ... الی غیر ذلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما

---

[1] عینی شرح بخاری جلد [illegible] صفحہ [illegible] [2] بنایہ جلد [illegible] صفحہ [illegible] [3] تفسیر ابن کثیر جلد [illegible] صفحہ [illegible]
[4] جلاء الافہام صفحہ [illegible]

عن العدل ومن قال انه منکر او غریب بعلة خفیة فقد استروح
لان الدار قطنی ردها۔[1]

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو "منکر" یا "غریب و معلل" کہا ہے اس نے نہایت
عجلت کی کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہر فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔

⑨ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

در حدیث صحیح آمده است که بسیار گوئید درود در روز جمعه درود بر من زیرا که صلوٰة
شما معروض می گردد بر من. ازین جا معلوم می شود که حیات انبیاء حیات حسی
دنیاوی است نه مجرد بقائے ارواح۔[2]

ترجمہ: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو
کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات
اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

⑩ حافظ عبدالغنی النابلسی

قال الحافظ عبدالغنی النابلسی انه حسن صحیح۔[3]

⑪ خاتم المحدثین حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیری

ومما یکفر به الفقهاء …[4] ان فی هذا الکلام تکذیبا
لرسول الله صلی الله علیه وسلم نعوذ بالله من اعتقاد ذلک فانه صح
عنه صلی الله علیه وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم علی الارض
ان تاکل اجساد الانبیاء رواه ابو داؤد۔[5]

---

[1] مرقات جلد ۲ ص۲۰۳ ۔ [2] مدارج النبوت جلد ۲ ص۴۵۰ ۔ [3] ترجمان السنۃ جلد ۳ ص[illegible]
[4] وما جاء به التکامل للمبرد جلد ۱ ص[illegible] بحاشیه الدکتور زکی مبارک جلد ۲ ص۱۰۵ ۔ [5] [illegible]
بحاشیه ابراهیم ۔ خزائن الاسرار ص[illegible]

ترجمہ: فقہائے کرام نے تین وجوہ کی بنا پر حجاج کی تکفیر کی تھی، ایک ان میں سے
اس روایت کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء
کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت
ہو چکی ہے اور اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۳ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ ان کے ذہن میں غالباً یہ بات ہوگی
کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری کے
ہاں عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نہیں تھے۔

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمٰن بن یزید کس سے روایت کر
رہا ہے: ابوالاشعث الصنعانی سے ——— اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمٰن بن یزید بن
جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمٰن بن یزید بن تمیم کے اساتذہ میں ——— ہم پہلے کہہ آئے ہیں
کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

دارقطنی نے امام بخاری پر کئی تعقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام
بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم
ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے ان کی تاریخ کبیر سے لیا ہوگا ——
حسین بن علی جیسے ماہر سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ان پر ان کا استاد ہی مشتبہ ہے کہ وہ ابن
جابر ہے یا ابن تمیم ——— امام دارقطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا
پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) بھی اس بحث میں دارقطنی کے ساتھ ہیں ———
حافظ بخاری (۲۵۶ھ) لکھتے ہیں:

لکن قد رد ھٰذہ العلۃ الدارقطنی وقال ان سماع حسین عن ابن جابر ثابت والی ھذا جنح الخطیب۔[۱]

ترجمہ: لیکن اس علت کو دارقطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

البحث الثالث

ان چند لوگوں کی عبارات جنہوں نے اس حدیث کا مطلب روضۂ منورہ کی حیات یقین کیا ہے

ذہن تنہا دریں رہ نباشد مستقیم　　چند دستے پیر وعقل رہبر ست

۱۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ۔ ۲۔ حافظ ابن القیمؒ۔ ۳۔ علامہ طیبیؒ۔ ۴۔ علامہ سید جمال الدینؒ

۵۔ علامہ سندھیؒ۔ ۶۔ امام ملا علی قاریؒ۔ ۷۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔ ۸۔ قاضی شوکانیؒ

۹۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ۔ ۱۰۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہم رحمہم اللہ۔

پیش نظر ہے کہ ان عبارات سے ان حضرات کا ہرگز اپنے مذہب بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لیے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن کے مقابلے میں کسی احتمال ثانی کی گنجائش نہیں۔

① آنحضرتؐ کے ارشاد پر کہ درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات یہ کیسے پیش ہوگا اور آنحضرتؐ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پہ صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام امور کا تذکرہ کرتے ہوئے سوال وجواب کے باہمی ربط کو حل کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ اس حدیث کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:

۱۔ القول البدیع ص۱۱۱

ویؤیدہ ما یرد فی الحدیث الثالث قولہ فنبی اللہ حی یرزق۔[1]

ترجمہ۔ حدیث حفظ اجساد انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اسے رزق بھی ملتا ہے۔

(۲) عمدۃ المحققین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیث حفظ اجساد انبیاء پہ رقمطراز ہیں:۔

والجواب بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء کنایۃ عن کون الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(۳) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ:۔

قال اکثروا علی من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علی فقالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت ای بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ویبلغ ذالک من البعید۔[3]

ترجمہ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی کا کھانا زمین پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضورؐ نے یہی بات بتلائی ہے کہ آپ قبر کے قریب پڑھے جانے والے درود کو خود سنتے ہیں اور دور کا پڑھا ہوا درود بتوسط ملائکہ پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] طیبی شرح مشکوٰۃ ص۲۰۰ [2] حاشیہ نسائی جلد ۱ صفحہ ۲۰ دہلی [3] رسائل ابن تیمیہ کلام فی مسئلۃ السماع ص ۲۲

تنبیہ

یہاں فاخبرانه یسمع الصلوٰۃ من القریب میں دو احتمال ہیں :-

اوّل یہ کہ یہ بھی حدیث حفظ اجساد انبیاء کا مضمون و نتیجہ ہے، یعنی جسم اطہر جس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے درود کو خود سنتے ہیں، مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیات جسدی حاصل ہے۔

ثانیاً ہو سکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابو ہریرہؓ سے باختلاف الفاظ اصبہانی، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلی علی عند قبری ... الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید درود پہنچنے کے احکام صراحت سے منقول ہیں، اس صورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو متناسب جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ حفظ اجساد انبیاء والی روایت اور روضۂ اطہر کے قریب سے درود شریف خود سننے کی روایت کا آپس کا ایک ہی اور مضمون دونوں کا روضۂ منورہ کی حیات جسمانی ہے۔

(۲) شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ :-

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی الله علیه وسلم فی الارض طری مطرًا وقد سأله الصحابة کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت فقال ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسده فی ضریحه لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عنه ان الله تعالیٰ وکل بقبره الملٰئکة یبلغون عن امته السلام وصح عنه انه خرج بین ابی بکر وعمر وقال هکذا نبعث هذا مع القطع بان روحه الکریمة فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح

الانبیاء ... فالروح هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراق عليه وتعلق بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلم عليه وهي في الرفيق الاعلى۔ [1]

ترجمہ: یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر بالکل تر و تازہ قبر مقدسہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ پر درود وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے کہ زمین پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب ارشاد نہ فرماتے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں

---

[1] کتاب الروح ص۶۴ حیدرآباد دکن [2] یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قونوی کا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیے جاتے۔ وہاں سے انہیں اعلیٰ علیین یا حظیرۃ القدس میں پہنچا دیا جاتا ہے گویا انبیاء کرام کی حیات جسمانی انہیں قبور میں نہیں ہوتی بلکہ اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا حال یوں بیان کرتے ہیں: در محل اختلاف در دوام و استمرار است در قبول جسد ایشان بعد از وفات بود (جذب القلوب ص۱۴۰) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان یکون المراد به رفع اجسادهم مع ارواحهم (حیات الانبیاء امام بیہقی ص۲) مگر حافظ ابن قیم اس نظریے کی احادیث کی روشنی میں تردید فرماتے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات جسدی حاصل ہوتی ہے۔ ہاں روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہو اور اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔ [3] اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ و سلام روضہ ہی پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے، اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی پہلے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات کھلی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ ہیں۔ پھر روح تو وہاں ہے اور دنیا سے اسے روضۂ منورہ میں رکھے جسدِ اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے۔ روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

وبھذا التعلق رای موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ۔[1]

ترجمہ۔ روح و بدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیق اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبور شریفہ کے اجسام مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقوم حیات کے لیے صرف اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

⑤ شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ:۔

صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء ... فتحصل من جملۃ ھذا القطع بانھم غیبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا موجودین احیاء وذلک کالحال فی الملئکۃ علیھم الصلوٰۃ والسلام فانھم موجودون احیاء لا یراھم احد من نوعنا الا من خصہ

---

[1] زاد المعاد ص ۴۹

فان الانبیاء فی قبورهم احیاء ... فحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورهم فیمکن لهم سماع صلوٰۃ من صلی علیهم . تامل [1]

ترجمہ: آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اسی لیے تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوٰۃ و سلام کیسے پیش ہوگا) جواب میں یہ ارشاد فرمایا۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ و سلام پڑھے اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔

آگے جاکر لکھتے ہیں:۔

ان الصحابة رضی الله عنهم سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقاد جواز العرض کانه لا محالة لقول الصادق فان صلاتکم معروضة علی لکن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد وهو ان جسد النبی کجسد کل احد فکان الجواب ما قاله علی وجه الصواب [2]

ترجمہ: صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے (بعد وفات) آپ پر درود و سلام پیش ہونے کی کیفیت پوچھی۔ یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود و سلام آپ پر ہر حال میں پیش ہوتا ہے۔ آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ انہیں اشتباہ اس بات میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہوگا یا اس روح پر جو متصل بالجسد ہو، اور وہ (صحابہ کرامؓ) یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح ہے۔ سو آپ نے جو جواب دیا وہ اس مسئلہ (عقیدہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صـ۲۰۹ [2] مرقات جلد ۲ صـ۲۰۹

لا شك ان حفظ اجسادهم من ان تمزق خرق للعادة المستمرة فكما ان الله تعالى يحفظها منه فكذلك يمكن من الغرض عليهم من الاستماع منهم صلوات الامة۔[1]

ترجمہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عادت زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اسی طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجساد کریمہ) پر درود پیش بھی ہو اور وہ امت کا درود بھی امت سے سن پائیں۔

علامہ عینی کی طرح ملا علی قاریؒ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیات انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی کہتے ہیں:۔

قال ابن حجر وما افاده من ثبوت حياة الانبياء حياة بها يتعبدون ويصلون في قبورهم مع استغنائهم عن الطعام والشراب كالملائكة امر لا مرية فيه۔[2]

ترجمہ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات حسی ہے وہ تعبدی امور بجا لاتے ہوں اور اپنی قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔ (حاصل ترجمہ) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

امر لا مرية فيه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جا سکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجتہد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے۔

(۷) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ:۔

اس حدیث حفظ اجساد انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:۔

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ [2] ایضاً

۲۔ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین
پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو مٹی کھائے اور محققین کی ایک بڑی
جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ
کے بعد پھر زندہ ہیں۔

(۹) شیخ اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں:۔

اجساد الانبیاء (ای من ان تأکلها) فان الانبیاء فی قبورهم احیاء[1]

فان الانبیاء فی قبورهم احیاء۔[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے اس
ارشاد نبوت کی بنا یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے
ہیں۔ اسی طرح بذل میں ہے۔

کیا یہاں بھی کسی مخالف کا رد بند کرنے کے لیے انبیاء کی حیات قبریہ کا بیان ہو رہا ہے
یا محدث مبارکپوری ارشاد نبوت کا منشاء واضح کرنے کے لیے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور
ان سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔
حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا اور
کس وضاحت سے اس کا مدلول روضۂ اطہر کی حیات عنصری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے
اب آئیے منکرین کرام کے مقتدر دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے۔

(۱۰) صدر المحققین رئیس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابی داؤد میں تصریح
فرماتے ہیں:۔

ان الصحابة سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقادهم بانه کائن
لا محالة لقول الصادق دفعاً للاستبعاد ان العرض هل هو علی الروح

---

[1] عون المعبود جلد ۱ صفحہ ۴۰۵ [2] بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۱۱۹

المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی کجسد کل احد خلقی فی الجواب ما ذکر له علی وجه الصواب۔ [1]

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ آپ یہ ارشاد فرما چکے تھے بس ان کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عرض ہوگا حضور اکرمؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے۔ اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام وہاں پیش ہوتا رہتا ہے اور روح مبارک کا اس جسد سے اتصال ہے یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل سنت کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنت والجماعت میں سے کوئی حیات انبیاء کا منکر نہیں ہوا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں یہی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے موعظہ قدسی صفات عرض صلوٰۃ وسلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپ دیکھ چکے ہیں ان کا یہ اعتقاد محض ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لیے آپ ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اس بیان کو کہ انبیاء کے سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں بطور استہزاء پیش کرتے رہے ہیں ان کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکرانا یا ماننا خود کا کھیل ہے۔ ﴿و اصحاب الشمال ما اصحاب الشمال﴾۔

والی اللہ المشتکی وهو المستعان وعلیہ التکلان۔

---

[1] حاشیہ ابی داؤد صفحہ ۱۵۱

البحث الرابع

حدیث ابی الدرداءؓ واحوال رواتہ

حدثنا عمرو بن سوادؒ المصری ثنا عبد اللہ بن وہبؒ عن عمرو بن الحارثؒ عن سعید بن ابی ہلالؒ عن زید بن ایمن عن عبادة بن نسیّ عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰة علیّ

---

۱ عمرو بن سواد المصری ابو محمد المصری ثقة من الحادیة عشرة۔ ثقہ راوی حدیث ہیں۔ (تقریب ص۲۶۱)
۲ عبد اللہ بن وہب بن مسلم مولاہم ابو محمد المصری الفقیہ ثقة حافظ عابد من التاسعة (تقریب ص۱۹۳) ۳ ثقة فقیہ حافظ من السابعة (تقریب ص۲۵۸) ۴ اللیثی مولاہم ابو العلاء المصری قیل مدنی الاصل قال ابن یونس بل نشأ بہا صدوق۔ (تقریب ص۱۲۵) صدوق راوی حدیث ہیں۔ ابن حزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن حزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا اعتقاد تھا۔ وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجساد قبریہ کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔ ابوداؤدؒ کی روایت جس میں قبر میں عود روح کا بیان ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو تھے ان پر بھی ابن حزم نے جرح کر دی تھی تنقیح الرواة ص۱۲۴ میں ہے۔ ولما راٰی ابن حزم حدیث المنہال رادًا علی معتقدہ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورھا طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح۔ (جلد ۱ ص۲۴) ۵ زید بن ایمن روی عن عبادة بن نسی وعنہ سعید بن ابی ہلال ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ ابن ماجہ حدیثا واحدا فی فضل الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلت رجالہ ثقات۔

(تہذیب جلد ۳ ص۳۹۴)

يوم الجمعة فإنه مشهود تشهده الملائكة وإن أحدا لن يصلي علي إلا

عرضت علي صلاته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت

إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق[۱]

ترجمہ: عبادہ بن نسی حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپ پر درود پیش ہوتا رہے گا تو آپ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس خدا کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

عبادہ بن نسی

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوسؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث سنیں۔ زید بن انیسؒ اور سعید بن ابی ہلالؒ وغیرہما نے ان سے روایات لیں۔ امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ، امام نسائیؒ اور ابن سعدؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

ثلاثة نفر يتزل بهم الغيث و ينتصر بهم على الاعداء عبادة بن نسي

ورجاء بن حياة وعدي بن عدي۔[۲]

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں ہوتی ہیں اور ان کی برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسی ہیں (توسل بالذوات)

---

۱ ابن ماجہ ص۱۱۹ ۲ تہذیب جلد ۵ ص۱۱۴

تہذیب الکمال میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے ان کی شاگردی اور عبادہ بن نسی والی روایت
منقول ہے۔ اس کے آخر میں بھی حتی یلقی اللہ تک یرزق کے الفاظ موجود ہیں[1]

عبادہ بن نسی سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور ان کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابیِ رسول ہیں۔ عبادہ بن نسی سے نیچے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم حاشیے میں پیش ہو چکے ہیں۔ اور اس پوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پوری جماعت "اسنادہ جید" کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل البحث
کما قال الحافظ المنذری — اسنادہ جید۔[2]

[illegible] شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن ایمن اور عبادہ بن نسی کے مابین انقطاع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ یہی انقطاع اس حدیث کی طبرانی کی اسناد میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طریق سے منقول ہے۔ وہاں رجال بھی محل کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں تصریح کی ہے۔

زید بن ایمن اور عبادہ کے مابین دعوے انقطاع ثابت نہیں۔ اس پر دلیل مطلوب ہے محض نفس دعوے ہی کافی نہیں۔ پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا انقطاع ہے مضر ہے یا غیر مضر پھر بشمول حضرت کون کون محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں زید بن ایمنؒ کا عبادہ بن نسی سے روایت کرنا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ عبادہ بن نسی کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔[3]

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے بسند جید تبھی ہوتی ہے جب ثقہ راوی اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں پائی کہ روایت کو رد کیا جا سکے۔

---

[1] حاشیہ تہذیب الابی الحسن جلد ۴ ص ۱۸۰ [2] ترجمان السنہ جلد ۳ ص ۱۴۱ [3] دیکھئے تہذیب جلد ۳ ص ۴۹۵

اگرچہ روایت مرسل ہے تو پیش نظر ہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کرتے
بلکہ اسے حضرت اوس بن اوس کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جا رہا ہے اور یہاں اس
کا قبول کسی کے ہاں محل اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل
بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذی کی متصل روایت ربہ لذا قد دیکھے یوم عید ضاتہا
فاطمہ کی تفسیر مسند حارث بن ابی اسامہ کی روایت میں یوم عید ضاتہا عالمہا و فاطمہ حتیٰ
ضاتہا عالمہا کے ساتھ اسی مفصل پر کی گئی ہے۔ جہاں تک زائد الذکر صحیح مسند کے باوجود مرسل ہے اور
سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس لیے محدثین شافعیہ بھی جو
احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں
بھی ابن ماجہ کی جیسا اسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے

وكل من تأمل فيه علم وتيقن أن العلم بالأمر سد من الدقيق الذي لا يدركه
إلا الموفق. والطالب المتحقق

المبحث الخامس

تدقیق الکلام فی عرض الصلوٰۃ والسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا — ان صلوتکم معروضۃ علیّ (تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے) یہ آپ نے کب فرمایا؟

یہ آپ کی حیات طیبہ کی بات ہے — اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش ہوتا تھا؟ جو صاف ظاہر ہے کہ جو قریب ہو کر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشنگی نہیں۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں۔ وہ فرشتے جانیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی امت کو بایں الفاظ (ان صلوتکم معروضۃ علیّ) اطلاع دی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک برزخی کیفیت تھی جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے۔ ورنہ سنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دنیوی حیات میں ان برزخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جسد سے ہی اس برزخی سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور کے دنیوی جسد اور برزخی لطافتوں کا اجتماع تھا۔ قرآن پاک کی رو سے اسراء کے جلووں میں لنریہ من آیاتنا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی شان ہی تو جلوہ گر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور ہر ایک امتی آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضور پر ہر ایک نے لطیف پیرایہ میں پیش

جڑا تھا کہ ہم اسی وادی کے ناآشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درود وسلام آپ پر کس مرئی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس امر پر مطلع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تو یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں عالمِ قدرت کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور کے سینہ مبارک پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرت ملاءِ اعلیٰ (اوپر کے جہان) کی باتیں سننے لگے فرشتے مقامات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا:

فیم یختصم الملأ الاعلیٰ کس بات میں وہ اوپر والے جھگڑا کر رہے ہیں۔[1]

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا:

عرضت علیّ اجور امتی ..... و عرضت علیّ ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورة من القرآن او آیة اوتیها رجل ثم نسیها۔[2]

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے اچھے اعمال پیش کئے گئے ..... اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور و ذنوب کن صورتوں کی صدائے بازگشت ہے یہ کس چیز پر مرتب ہونے والے اعمال ہیں — سو اگر اجور و ذنوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش نہیں ہو سکتے۔ اس کا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔[3]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صـ [2] ایضاً جلد ۲ صـ ۱۱۹ عن انس بن مالکؓ مرفوعاً [3] رواہ البزار باسنادٍ جید فتح الملہم جلد ۱ صـ ۱۲

ترجمہ: میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ اس حالت میں تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے جو اچھے ہوں گے ان پر میں اللہ کی حمد کروں گا اور جو برے ہوں گے ان پر میں تمہارے لیے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔

آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں:

فهو يسر بطاعات امته وان الانبياء لا يبلون۔[۱]

ترجمہ: آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجساد پرانے نہیں ہوتے۔

درود و سلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں بکثرت ہے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

اذا كان يوم الجمعة وليلة الجمعة فاكثروا الصلوة علي[۲]

ترجمہ: جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اب پیش کیے جانے کا موقع بھی ملاحظہ کر لیں۔ سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں:

اكثروا الصلوة علي في كل يوم جمعة فان صلوة امتي تعرض علي في كل يوم جمعة[۳]

ترجمہ: مجھ پر جمعہ کے دن درود کثرت سے پڑھو کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

---

[۱] نیل الاوطار جلد ۳ ص [illegible] [۲] مسند امام شافعی ص [illegible]، منتقی الاخبار جلد ۳ ص [illegible] [۳] منتقی الاخبار ابن تیمیہ جلد ۱ ص [illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ پر کسی پیرائے میں صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ وسلام جسد اطہر پر کیسے ہوگا جب کہ آپ مٹی میں گل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ وسلام نئے سرے سے شروع نہ ہوگا بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح وجسد کے مجموعہ پر تھا تو وہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام اس جسد اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ وسلام پہلے ہے اور رد اللہ علی روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے۔ حدیث کی ترتیب یہی ہے۔

حیوٰة الانبیاء علیہم الصلوٰة والسلام متفق علیها لا اختلاف لاحد فیه [illegible] معناه رد الله علی نطقی[1]

ترجمہ۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان رد اللہ علی روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے آپ کی حیات تو پہلے ہی متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علی نطقی ہے —— چوتھی توجیہ ہے جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے:

المراد بالروح النطق فتجوز فیه من جهة خطابنا بما نفهمه[2]

ترجمہ: یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہہ دیا ہے

---

[1] [illegible] جلد [illegible] صفحہ [illegible] [2] فتح الباری جلد [illegible] صفحہ [illegible]

سبھی باتیں درست ہے (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)۔

طبرانی میں ہے آپ فرماتے ہیں:

ليس من عبد يصلي علي إلا بلغني صلاته — قلنا وبعد وفاتك قال وبعد وفاتي. إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء[1]

ترجمہ: کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے (ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے۔ یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب سے ہو تو براہ راست اور دور سے ہو تو بوسیلہ ملائکہ — یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا لوٹنا ذکر نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل ہے جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و تجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی توجہ فرما دیتے ہیں اور آپ کو اس کا درود وسلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات توجہ کتنی کہ دور دور تک ہیں جو ہر طرف کا صلوٰۃ وسلام لے لیتی ہیں۔ بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہیں رد اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ ہے مجھ پر روح لوٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے روح میری طرف لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو جب کا شبہ وارد ہو سکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے عدول فرمایا۔ علیٰ استعلاء کے لیے ہے اور الیٰ نہایت مسافت کے لیے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۲۴

اس جہت میں استغراق نہ تھا، یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔[1]

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:-

اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے...... پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتے کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اسی روحانی توجہ و التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔[2]

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ ہیں اور مشغول (کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں مگر اس سے روح اقدس کا ذات و تجلیات الٰہی میں استغراق متاثر نہیں ہوتا۔ اس میں فرق نہیں ہوتا، آپ ہر وقت جمال و جلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں۔

آٹھویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن الملقن (م ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:-

المراد برد الروح النطق لانه صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم۔[3]

ترجمہ: رد روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے کہ آپ جواب دے سکیں کیونکہ حضور تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی آپ سے جدا نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے رد روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں:

---

[1] مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۱ ص ۲۲۴ [2] معارف الحدیث جلد ۵ ص ۱۴۳ [3] نقلہ الشوکانی فی شرح حصن حصین ص ۴۸

الخامس انہ مستغرق فی امور الملأ الاعلی فاذا سلّم الیہ رجع الیہ فہمہ فیجیب من سلّم علیہ۔[1]

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملأ اعلیٰ کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں پس جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لوٹ آتا ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔

پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں۔ اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں۔

ان امور الآخرۃ لا تدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرۃ واللہ اعلم۔[2]

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جا سکتے اور عالم برزخ کے حالات آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخاوی رحمہ اللہ علامہ تقی الدین السبکی سے ردِ روح کا معنی نقل کرتے ہیں۔

یحتمل ان یکون ردا معنویا وان تکون روحہ الشریفۃ مشتغلۃ بشہود الحضرۃ الالٰہیۃ والملأ الاعلی عن ہذا العالم فاذا سلّم علیہ اقبلت روحہ الشریفۃ علی ہذا العالم لیدرک سلام من یسلم علیہ ویرد علیہ۔[3]

ترجمہ: یہاں ردِ روح سے مراد روح کا حسّاً لوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربارِ الٰہی اور ملأ اعلیٰ کے شہود میں مشغول رہتی ہے پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر توجہ کرے تاکہ سلام کرنے والے کے سلام کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۲ [2] ایضاً [3] القول البدیع صفحہ ۱۶۱

علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) بھی رد اللہ علی روحی کو جملہ حالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں عربی کا قاعدہ ہے کہ جملہ حالیہ جب ماضی کے صیغہ میں ہو تو اس میں قد مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔

او جاؤکم حصرت صدورهم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومهم۔

(پ ۵: النساء ع ۱۲ آیت ۹۰)

ترجمہ: یا وہ آئے تمہارے پاس اور حالیکہ تنگ آ چکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا یہ کہ اپنی قوم سے لڑیں۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے یہاں قد مقدر ماننا ہے۔ اس صورت میں حدیث کے معنی اس طرح واضح ہوں گے۔

ما من احد یسلم علی الا وقد رد اللہ علی روحی قبل ذلک وارد علیہ۔[1]

ترجمہ: کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مجھ پر میری طرف لوٹا دی اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

آپ آئیے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے:-

لان الکون لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظۃ۔[2]

ترجمہ: کیونکہ جہان کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں بحضور عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی مرکز سلام اسی روضہ کو ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

۱۔ انباہ الاذکیا، ص ۱ ۲۔ شرح شفا، جلد ۲، ص ۱۴۲

وارواح الكمّل اذا فارقت اجسادها صارت كالريح المكفوف لا ينبعث منها

بعد متجدد ه ودواعيه سانحة ولكن النفوس التي هي دونها تلتصق

بالهمة متجلية منها أشياء وهيئة مناسبة للارواح وفي الكل عندي

بقوله عليه السلام ما من احد يسلم علي الا رد الله على روحي حتى ارد عليه

السلام وقد شاهدت ذلك ما لا احصي في مجاورتي المدينة سنة الف

ومائة واربع واربعين۔[1]

ترجمہ: کاملین کی ارواح جب جسد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رکی ہوئی

ہوا کی صورت میں رک جاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ

حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ اپنی ہمت

کی وجہ سے ان سے جا چپٹتے ہیں اور ان سے نور اور ہیئت جو اپنی ارواح کے

مناسب ہو جذب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور کے اس ارشاد میں کہ

جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے

(متوجہ کر دیتا ہے) حتی کہ میں اس پر سلام لوٹا دیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے

اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا میں نے اس سلام

وجواب کو اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کر جسد اطہر پر اس طرح متجلی رہتی ہے کہ آپ زائرین کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پر انوار پر مجاورت اختیار کئے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان تجلیات سے متمتع اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) بھی تفرد اختیار نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں:-

جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ مصر صفحہ ۱۴۳ مترجم

پر توجہ کر اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش (ادھر دھیان کرنا) عطا فرما دیتا ہے۔[1]

اب چودھویں صدی میں یہی یہی معنی محدثین نے بیان کئے۔ دریفین کریں الا رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں:۔

قال القاضی لعل معناہ ان روحہ المقدسۃ فی شأن ما فی حضرۃ الالٰہیۃ فاذا بلغہ سلام احد من الامۃ رد اللہ تعالیٰ روحہ من تلک الحالۃ الی رد من سلم علیہ۔[2]

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو، اور جب کبھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم کی پہلی جلد میں اس پر پوری بحث کی ہے[3] یہ چودہ سو سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے، چودہ سو سال کے اعیان امت میں ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الا رد اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آ کر آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں حضور پر عرض صلوٰۃ و سلام جسد اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے یہ نہیں کہ اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جسد اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا

---

[1] آب حیات صفحہ ۱۶۸ [2] بذل المجہود جلد ۳ صفحہ ۲۰ [3] دیکھئے فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۲۲

تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ درود نیت کے ساتھ آپ پر پیش کیا جاتا ہو۔

شاگردوں نے کہا پھر آپ ہمیں سکھائیں ہم کیسے اپنے درود کو اچھا بنائیں۔ تو آپؓ نے فرمایا یوں کہو:

اللّٰھم اجعل صلٰوتک ورحمتک وبرکاتک علٰی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمۃ۔ اللّٰھم ابعثہ مقامًا محمودًا یغبطہ بہ الاولون والآخرون۔ اللّٰھم صل علٰی محمد وعلٰی آل محمد کما صلیت علٰی ابراھیم وعلٰی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللّٰھم بارک علٰی محمد وعلٰی آل محمد کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

نوٹ:۔

قارئین سے درخواست ہے کہ آپ بھی ایک دفعہ پوری توجہ کے ساتھ اس پیرایہ میں حضور پر درود بھیجیں ——— گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ جمعہ کے دن یہ عمل کریں تو ان شاء اللہ زیادہ فائدہ مند رہے گا۔

درود پہنچانے والے کارکنانِ الٰہی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للّٰہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت زمین پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

درود پہنچانے والے تو بے شک زمین پر ہیں۔ اب وہ درود جو پہنچایا جاتا ہے وہ اگر آسمانوں پر

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ سنن دارمی صفحہ ۳۴۴

ہمارا حق علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کمانا الٰہی لگے ہیں۔ نہ یہی سیاحین فی الارض
زمین پر پھرنے والے پہ کیسے متعین ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور پر پہنچاتے
ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں۔ اسی سبب سے
وہ سیاحین فی الارض ٹھہرتے ہیں اور وہ زمین و آسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے۔ لیکن اگر
درود سے حضور پہ پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی۔ حضور جب
اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضور کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین
فی الارض تھے — آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضور کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور
صلی اللہ علیہ وسلم پر عرض کرتے ہوں گے یا ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہوگا جو ساری دنیا میں
دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضور کو پہنچائے گا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تواتر معنوی کا دعوے
کیا جا سکتا ہے کوئی مسلمان نہیں جو حضور پر خلوص دل سے صلوٰۃ و سلام کہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا:

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشہدہ الملٰئکۃ وان احدا
لن یصلی علی الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منہا[1]

ترجمہ جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے
اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ
پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ساتھ ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ

---

[1] رواہ ابن ماجہ کما فی منتقی الاخبار جلد ۲ صـ

پر حاضری دیتے ہیں کہ امت کا صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچا دیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درود وسلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضورؐ کے روضۂ پاک کے مابین ہے جو خود آکر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

درود وسلام پہنچانے کے لیے فرشتوں کا مقرر ہونا اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضۂ اطہر سے دور ہو۔[1]

شیخ عبدالحق دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں:

نیز از ابن عمرؓ آمدہ ومن صلی علیّ عند قبری ردت علیه ومن صلی علیّ فی مکان آخر بلغونیه۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے گا میں اس پر اس کا سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ (مجھے) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

والاحادیث فیها مشروعیة الاکثار من الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم یوم الجمعة وانها تعرض علیه صلی الله علیه وسلم وانه حی فی قبره

---

[1] مرقات جلد ۲ صـ [2] جذب القلوب الی دیار المحبوب صـ ۱۹۲

وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء: بل احیاء عند ربھم یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین۔ ؎

ترجمہ: اور احادیث میں جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نبی اکرم پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے مسلّم کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے اور ان کی حیات صرف روح کی نہیں جسم کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہو گی۔

ایک سوال

درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور پر پیش ہوتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حدیبیہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے ان کے خون کے بدلہ میں چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو ان کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ کہیں زندہ ہیں اور شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہیئے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب:

① جب آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

② اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے تو یہ بات اپنی جگہ مسلّم ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے کہ نیچے درجے کے مقربین برزخ اور جنت میں بھی اعمال امت

؎ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ [illegible]

میں لگے رہتے ہیں۔ گویا ان پر فرض منصبی نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درود برابر آرہا تھا تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالم برزخ میں حضورؐ پر درود و سلام بھیج رہے ہیں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جا سکتیں۔

(۳) کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالاً پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ ہر جمعہ کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

(۴) آپ پر اعمال امت پیش ہونے کی روایت تو ملتی ہیں۔ آپ پر معاملات امت پیش ہوتے ہوں۔ یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی امت کے مجموعی معاملات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرداً فرداً ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے۔ ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شبہات کا ان شاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود و سلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی۔ یہ حدیث ان صلوٰتکم معروضۃ علی کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ روضہ پاک پر حاضر ہو کر خود بلاواسطہ درود و سلام پڑھنا آپ پر پیش ہونے کا موضوع نہیں اس پر ایک مستقل باب آگے آرہا ہے۔

البحث السادس ــــ التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشہیدؒ

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام کے وفات شریفہ کے بعد مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اجسام مطہرہ مٹی پر حرام فرما دیئے، ثابت نہیں اور اگر ثابت تھی، تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہوگی۔ اس الزام کے لیے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:۔

یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ "ملنا" محل اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "ملنا" کے یہ معنی ملتے ہیں:

پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا۔ (نور اللغات جلد سوم صفحہ ۱۲۲)

معترضین خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے سکیں حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہید کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضور کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردۂ قبر میں جانا ہے۔ مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ (معاذ اللہ)

اردو زبان کا جامع ترین لغت "جامع اللغات" جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں۔ جلد سوم صفحہ ۲۲۶ میں لکھا ہے۔ مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا۔

منیر اللغات صفحہ ۴۰ میں ہے: خاک میں ملنا۔ دفن ہونا۔

اسی طرح سعید اللغات مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے: مٹی میں مل جانا۔ دفن ہو جانا۔

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمول کرنا جو معترض کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ:

مزید تصریح یہ ہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے" لیکن اگر اول الذکر کو اس ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو چکی ہو تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ لفظ یہی ہوگا کہ "سے" کے بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرم کے جسد اطہر پر مرقد منورہ ہر جہت سے محیط ہو رہا ہے، اس لیے حضور کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا گیا۔ "مٹی میں ملنے والا ہوں" ترکیب جملہ کے لائق ہوا۔

دیکھیے نوراللغات جلد ۴ صفحہ ۴۴۹ پر لکھا ہے کہ "میں" کبھی "سے" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

معترضین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث متعلقہ اجساد انبیاء سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ شہیدؒ اور ان کے معتقدین کے اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرمؐ ایک دن ضرور پردۂ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لیے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہوگا جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذت آشنائی انبیاء کے لیے بھی ضروری ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ مخلوط ہو جانے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے معنی سے متصل ہونا یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام میں) مراد دوسرے معنی ہیں اور حیات انبیاء علیہم السلام کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہیدؒ بھی قائل ہیں۔[1]

محدثین حنفیہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت زیر بحث لکھی تھی) آنحضرتؐ کی طرف سے ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے:-

اسجدوا للحی الذی لا یموت ولمن ملکہ لا یزول فانک ان تسجد لی الآن مہابۃ واجلالا فاذا صرت رھین رمس امتنعت عنہ۔[2]

ترجمہ: سجدہ کرو اس ذات کو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تم اس وقت تو میری ہیبت اور میری

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۰۱ [2] مرقات جلد ۱ ص ۲۱۲

تعظیم کے لیے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا
جاؤں گا تو اس وقت تو سجدے سے رُک جائے گا۔

علامہ طیبیؒ شافعیہ میں اور ملا علی قاریؒ حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں
نے ارشاد نبوت کے اس مضمون کو آں حضرتؐ کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا
اسمٰعیل شہیدؒ نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ قدرے زیادہ صریح ہیں
وہی، جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں۔ حضرت شہید کے مقابلے میں زیادہ سخت ہیں۔

بعض متعصبین مٹی کی بُری بحث ہی کو ہدف طعن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ تو مٹی سے بنا ہوا مٹی میں ملنے کا سوال پیدا ہوتا
ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضرت علیؓ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انا وابوبکر و عمر خلقنا من تربۃ واحدۃ فیہا ندفن۔ فتاویٰ افریقیہ صفحہ
ترجمہ: میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے
معلوم ہوا کہ جسد اطہر خاکی ہی تھا اور ذات اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفات
میں منبع صد عرفان اور مرکز ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بدبخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا تحفظ جسد اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپ کا جسد اطہر روضہ میں مختفی اور محفوظ ہے پوشیدہ رہتے ہیں۔ آپ
مثنوی سلک نور میں لکھتے ہیں ۔

بات آنکھوں سے جو پوشیدہ وہ جسم پاک | بظاہر ہو مختفی زیر خاک
وہ ہے نور ذات کا ہے قائم مقام | کہ ہر ایک دل میں ہے اس کا قیام

جو زیر پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

الفصل الثانی

وفیہ ستۃ من المباحث

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔[1]

ترجمہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دے گا یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں (وعلیک السلام کہوں)

البحث الاول فی معنی الحدیث

اس حدیث پر یہ چند سوال ابھرتے ہیں ان پر غور فرما لیجئے:۔

① سلام کرنے والا سلام کہنے کے لیے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضۂ اطہر پہ یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کیا دور سے بھی آپ کو سلام کیا جاسکتا ہے جس طرح درود بھیجے بھی بھیجا جاسکتا ہے؟

② سلام کرنے والا روح اقدس پہ سلام عرض کررہا ہے یا جسد اطہر پہ؟ اگر جسد پہ روح لوٹتا ہے یہاں جسد سے مراد جسد اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پہ روح اقدس لوٹتی ہے؟

③ اگر جسد پہ روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پہ درود وسلام پیش ہوتا ہے یا وہ جسد اطہر زندہ ہے اور اس پہ روح لوٹنے کا مطلب روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۲۷۹ مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۵۲۷

کرنا ہمارے دوستوں کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ پردۂ برزخ میں ہیں اور ان کی نگاہوں
سے اوجھل ہیں۔ اور معتزلہ ان چیزوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور درود کا بعد میں — اس سے صاف پتہ چلتا ہے
کہ سلام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابو بکر العراقی (۸۰۶ھ) لکھتے ہیں:

اعلم ان کتب السنة متضمنة للاحادیث الدالة علی ان مدح النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیه وانه یسمع ویرد علیه السلام[1]

ترجمہ۔ جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی
ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اطہر آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور آپ کلام
سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں:

الا رد اللہ علی روحی ای رد علی نطقی لانه حی دائما وروحه لا تفارقه[2]

ترجمہ۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور کلام مجھے دیا
جاتا ہے ورنہ آپ تو زندہ ہیں اس لیے کہ آپ ہمیشہ زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ آپ سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں۔

با آنکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء
امت و ہیچ کس را خلاف نیست در آں ...... این حدیث صحیح است مامن مسلم
یسلم علی الا رد اللہ علی روحی[3]

ترجمہ۔ جان لو کہ حیات انبیاء اللہ کے نبیوں کی حیات خود حضرات صلوات و تسلیمات ان پر
ہوں تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں۔ یہ حدیث
صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کر دے۔

---

[1] تحقیق النصرة صفحہ [illegible] بحوالہ [illegible] [2] السراج المنیر جلد [illegible] صفحہ [illegible] [3] مدارج النبوت جلد [illegible] صفحہ [illegible]

ہمارے یہ کرم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں، شیخ تسمیع میں متساہل تھے۔ ہم عرض کرتے ہیں امام ابن تیمیہؒ تو متساہل نہ تھے، جو سے کہیں متشدد زیادہ ہوں گے، آپ بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے۔

واتفق الائمة على انه يسلم عليه عند زيارته وعلى صاحبيه لما في السنن من ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال ما من مسلم يسلم علي الا رد الله علي روحي۔[1]

ترجمہ: ہمارے ان تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضور کی قبر کی زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر سلام عرض کیا جائے، سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضورؐ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب مجھ پر وہ سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔

امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثانی —— اس حدیث کی سند تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابوداؤد کی روایت سے ہے، اس کے راوی یہ ہیں:

۱۔ ابوداؤد صاحب سنن۔ ۲۔ ابو حاتم محمد بن عوف۔ ۳۔ عبدالرحمن بن یزید المقری۔ ۴۔ حیوۃ بن شریح۔ ۵۔ ابو صخر حمید بن زیاد۔ ۶۔ یزید بن عبداللہ بن قسیط۔ ۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول۔

ابو حاتم محمد بن عوف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔[2] عبدالرحمن بن یزید المقری کو بھی امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔[3] حیوۃ بن شریح کو امام یحییٰ بن معین ثقہ کہتے ہیں،[4] یہ اہل مصر کے استاد تھے۔[5] ابو صخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متشدد نے بھی ثقہ کہا ہے۔[6] یزید بن عبداللہ بن قسیط کو امام نسائی

---

[1] فتاویٰ امام ابن تیمیہ جلد ۲۷ صفحہ ۳۸۴ [2] تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۴ [3] ایضاً جلد ۶ صفحہ ۲۸۳
[4] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۶۹ [5] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۸۵ [6] تہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۴۲

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام
ورواتہ ثقات ..... انما یستغرق فی امور الملاء الاعلیٰ فاذا اسلم علیہ ترجع
الیہ فہمہ لیجیب من سلم علیہ۔[1]

(۱۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں:
رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعۃ منہم قال السبکی وھو اعتماد صحیح۔[2]

ایک اعتراض۔ وہ یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ اور یزید بن عبد اللہؒ کے درمیان انقطاع ہے۔ امام مالک نے یزید بن عبد اللہ بن قسیط پر جرح کی ہے، وہ یہ کہ یزید بن عبد اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا؟

الجواب وھو الصدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبد اللہ بن قسیط کو لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے۔ ابو حاتم کی رائے صحیح نہیں۔ امام ابن عبد البر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ویزید قد احتج بہ مالک فی مواضع من الموطا وھو ثقۃ من الثقات[3]

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں روی عن ابن عمر وابی ھریرۃ۔

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبد اللہ نے حضرت ابوہریرہؓ کو نہیں پایا۔ جبکہ یزید بن عبد اللہ کی عمر حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) کی وفات کے وقت ۲۰ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے زیادہ محتاط محدثین کے ہاں بھی وہ بھی پانچ سال کی عمر پہ بچے کو سماع سے نہیں روکتے تھے ہم کیسے تسلیم کر لیں کہ یزید بن عبد اللہ اس عمر تک حضرت ابوہریرہؓ جیسی شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

حدیث مذکور آپ کی روضہ مبارک کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علی روحی سے جو ابہام پیدا ہوتا تھا وہ رفعت کے معنی صلوٰۃ وسلام اور وہاں ہر وقت کی حاضری یا اس وہم کے باعث

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ ص ۔۔۔ [2] اعلاء السنن طبع قدیم جلد ۱ ص ۲۲۳ [3] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۴۳

کسی درجہ میں درخور اعتنا نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما صاحب آن روایات سے غلط مفہوم کشید کر رہے ہیں جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے کا بیان ہے سو مناسب ہو گا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کر لیا جائے معلوم ہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

البحث الثالث ـــ کشف الحجاب عن وجہ الاضطراب

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس میں درود پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے

ان احدا لن یصلی علی الا عرضت علی صلاتہ حتی یفرغ منہا.

ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے۔ اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کے لیے جمعہ کی تخصیص نہیں یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت کا مفاد یہی ہے۔ حصن حصین کے الفاظ دیکھیں۔ یصلی علی احد یوم الجمعۃ الا عرضت علی۔ یہاں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی تخصیص نہیں۔ جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا۔

فانہ مشہود تشہدہ الملٰئکۃ.

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

لہ ان العمل الصالح یزید فضلا بواسطۃ فضل وقت وعلی ہذا لا حاجۃ الی تقیید العرض بیوم الجمعۃ فتأمله المستدل.

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ روضۂ مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے بھی فرشتے ہر دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں، حضورؐ نے فرمایا:

ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امتي السلام[1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔[2]

یہاں اس سیاحت کے لیے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ مگر اوقات فضیلت میں اعمال فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان انہی اوقات ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقات فضیلت میں عرض صلوٰۃ وسلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر رہے کہ ان روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لیے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر ہفتہ کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرض صلوٰۃ وسلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے درود پہنچتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لیے تصریح نہیں

---

[1] نسائی جلد ۱ صفحہ [illegible]، دارمی صفحہ [illegible] [2] علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر جلد [illegible] صفحہ [illegible]) اس کی سند میں زاذان راوی محدث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں، ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں، خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب جلد [illegible] صفحہ [illegible]) حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

وزاذان من الثقات روى عن اكابر الصحابة كعمر وغيره وروى له مسلم في صحيحه قال يحيى بن معين ثقة وقال حميد بن هلال وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثله (كتاب الروح صفحہ ۴۳)

کہہ سکتے ہو سکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی کا پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لیے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لیے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے۔ لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ مرسل روایت منقول ہے۔

ان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ [1]

ترجمہ۔ بے شک میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھائیں تو نہایت ما فی الباب یہ ہوگا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے توسط سے روضہ اطہر پر پیش ہوتے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجئے جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔ [2]

---

[1] مشتق الی قبر حبیبہ حضرت العصر ملک روضہ صفات (فتح الباری پ ۲ ص) روضہ صفات فتح الملہم جلد ۱ ص

[2] اسنادہ ھکذا حدثنا محمد بن عوف اخبرنا المقری اخبرنا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی ھریرۃ ولفظ کتاب ... وتقدیر الکلام ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام رکذا فی شرح ... ص) تقال المحدث السخاوی یؤخذ من ھذہ الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام وذلک انہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلہ من واحد یسلم علیہ فی لیل ونہار ونحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا (القول البدیع ص) رحمۃ اللہ علیہ ... سلام من یسلم علیہ واستقرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم لا انہا تعاد ثم تنزع ثم تعاد (القول البدیع ص) قال المحدث انور شاہ کشمیری ... انہ لم یوجد ... نقل من موطن الی موطن ... ونقل من حالۃ الی حالۃ ... الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون ... علی ھذہ

ترجمہ۔ جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو حق تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ
فرما دیتے ہیں پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ جمعہ کی کوئی تخصیص
نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ تنبیہ الطالبین کی روایت سے کہ کل یوم کے الفاظ بھی ثبت ہیں مگر ہم
بعض ان روایات سے متعارض ہے جن میں عرض صلوٰۃ و سلام کے لیے یوم جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تقدیراً
تسلیم کر لی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی صورت مطابقت ہے
ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرض صلوٰۃ و سلام متبادر ہوتا ہے اور توسط ملائکہ کا تذکرہ
ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر وقت بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ و سلام کا پتہ دے رہی ہیں اب
سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متعارض قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعوٰی کر دیا جائے
گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے گی کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا
پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعٰی فعلیہ ان یاتی بالنقل۔

ہمیں مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ خود ارشاد نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کر دیتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔
من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته۔[1]

ملاقات روح نائب حضور (تحیۃ السلام ص۳۱۵) اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی مومن
بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اور تجلیات سے
ہوش عطا فرما دیتا ہے۔ جو تعالیٰ آپ پر سلام عرض کرے گا، اس کی طرف کا شعور نہ کرے گا اور امداد اور شعبہ
نہیں اور ظاہر ہے اس شعبہ کا امتداد باعث انقطاع سلسلہ سرور تو ہوگا، پھر جب زوال استغراق بھی
نہ ہو گا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی علیہ الرحمۃ جلد ۱ ص۲۶۱) والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد الیہ روحہ
الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ (شرح الشفاء لملا علی القاری جلد ۲ ص۱۴۲ مصری)
وتفصیل فی نسیم الریاض للخفاجی جلد ۲ ص۴۴۹)

[1] رواہ ابو الشیخ بسند جید کما فی الفتح جلد ۱ ص۳۱

ترجمہ: جو میرے روضہ پر آکر مجھ پر درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو
دور سے پڑھے، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے

بات صاف ہو گئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں قسم
کی روایات کو ان پر منطبق کر لیں۔ روضۂ منورہ کے پاس حاضر ہو کر درود پڑھنا سن کر جواب ہے
اور دور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ جب یہ تقسیم پیش کیا
تو امام احمد کی ایک روایت ما من احد یسلم علیّ کے مضمون کی اور وضاحت ہو
گئی۔ حضورؐ نے فرمایا:

ما من احد یسلم علیّ عند قبری الا رد اللّٰہ علیّ روحی۔

لیجئے رفع تعارض اور تطبیق بین الروایتین کے لیے عرض سلام بوقت تسلیم کا جو مطلب
ہم نے بتایا تھا کہ یہ قرب روضہ کے لیے ہے۔ وہی مضمون عند قبری کی عبارت میں تحدید
الفاظ ثبت ہو کر سامنے آگیا ہے۔

وکم من عائب قولاً صحیحاً

وآفتہ من الفہم السقیم

سیدنا ملا علی قاری فرماتے ہیں:

درود و سلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے
جو روضۂ اطہر سے دور ہو۔[1]

نیز ابن عمرؓ آمدہ من صلی علیّ عند قبری زدت علیہ ومن صلی علیّ فی
مکان اخر بلغونیہ[2]

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم تعرضون صلّ ذالک یعرض
علیہ[3] کے الفاظ سو اس لفظ لعل میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صورت کا ذکر نہیں بلکہ اس کی قبولیت

---

[1] مرقات جلد ۲ صفحہ ۔ [2] جذب القلوب صفحہ ۱۲۸ [3] ابن ماجہ صفحہ ۱۱۹

اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے [ل] یعنی درود شریف اچھی طرح پوری توجہ ہی سے پڑھا جائے تبھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچتا ہے

میرے ذہن کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور بتوسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب و بُعد کے لیے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لیے ہے۔ جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ سب وسوسے اور توہمات ہیں۔ تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے۔ خواہ روضہ کے پاس حاضر ہو، خواہ دور سے پڑھ رہا ہو۔ وہ کون سا بدبخت ہوگا، جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضورؐ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روضہ پر حاضری ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرض صلوٰۃ و سلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایت کی بعض مرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یوم جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تو تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ قرب و بعد کا صلوٰۃ و سلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغ صلوٰۃ و سلام کو یوم جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ و سلام کے لیے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں، اور دور کا بھی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے

نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علی الا بلغنی صلوٰتہ کے الفاظ ہیں حافظ ابن قیم کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیف کاتب سے بلغنی صلوٰتہ کے بجائے بلغتنی صوتہ لکھا گیا ہے۔ بالفرض طبرانی کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمائیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابو الدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے

ل وفی التحقیق فی قبولیۃ الصلوٰۃ فان من جنسہ لا یکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطہ بالریاء

البحث الرابع

فی تصحیح المتقدمین

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی تصحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام بخاری کی تصحیح سے کی۔ اس پر بحث سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہمیں اس کی صحت متقدمین سے کہیں دکھاؤ۔ یہ مطالبہ صحیح نہیں۔ قرون اولیٰ کے حضرات پر اعتماد کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضورؐ کے روضہ پر سلام عرض کرے تو کیا آپ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں۔

> واحمد اعلم الناس فی زمانہ لما سئل عن ذلک لم یکن عندہ ما یعتمد علیہ فی ذلک من الحدیث الا حدیث ما من رجل یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام[1]

ترجمہ: امام احمد جو اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو واپس لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[2]

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۷ ص ۳۸۴ [2] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۲ ص ۵۲۷

المبحث الخامس

فی معنی رد الروح

فصل اول میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح دنیا میں صلوٰۃ وسلام، روح انور اور جسد اطہر کے مجموعے پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود وسلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو یہ تعلق روح فائز الحیات ہے گو وہ حیات کی اس دنیا کی سی نہ ہو ــــ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے جو علمی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آچکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روضۂ انور پر حاضر ہو ــــ وہاں آپ ہر ایک کا درود وسلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

رواه ابو داؤد فی رد روحه حين يسلم عليه ليس معناه انه يرد روحه اى انه يحيى فى قبره بل توجهت نفسه الى هذا الجانب فهو حى فى كلتا الحالتين۔[1]

ترجمہ۔ ابو داؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی جاتی ہے کہ جب کہ آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں جب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی۔

---

[1] فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۱۵

نہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام پہنچتے ہیں) ابو داؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں:

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام

جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب غیر محل نہ ٹھہرا۔ دوسری حدیث میں ہے:

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ[1]

فصل خامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب درود شریف پڑھنے اور دور پڑھنے کا فرق بتایا گیا ہے۔ قریب سے پڑھا جانے والا درود پاک آپ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں۔ اس کی دو سندوں میں سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی ——— یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ وہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جو اوپر بھی۔ اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا درود شریف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب بھی دیتے ہیں ——— اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ وسلام پر حضور کی روح مقدسہ کا متوجہ ہونا مذکور ہے ——— اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود وسلام کا پہنچایا جانا مذکور ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا مرتبے سے کوئی

---

[1] اثبات الالہام والبیعۃ ص۲۴۶

ذکر نہیں ۔۔۔ البتہ اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس صراحت سے مروی ہے جیسا کہ وہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے مولانا عبدالجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

البحث السادس ۔۔۔ فی سیاحۃ الملئکۃ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[1]

ترجمہ بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے سطح زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضورؐ پر درود پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرنے والے فرشتے اس پر حاضری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرتؐ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جا رہا ہے سب اسی زمین پر ہیں۔ تبھی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپ کی حقیقی قبر زمین پر یہ مدینہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے۔ ان کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں قریب سے سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ کر دیتا ہے جس سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے پڑھے گئے درود و سلام کو خود سنتے ہیں، اور دور سے پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے۔ ہمارے پاس اگر ابو الشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور صرف حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب جذب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ مسئلہ ان دو احادیث سے بلا شبہ ثابت ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ کے صاحبزادے شیخ عبد اللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے وہ جسے مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے ... ترجمہ کیا ہے اس کے صفحہ ۱۴ پر علمائے نجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے۔

اور حضورؐ کی زندگی قبر میں ایسی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے۔ قرآن شریف کی آیات اس پر منصوص ہیں کیونکہ حضورؐ شہداء سے بلاشک بہتر و افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔

پھر آگے صفحہ ۱۵ پر آل شیخ علامہ مجدد شیخ محمد بن عبد اللطیف کا عقیدہ بھی بایں الفاظ مرقوم ہے۔

اور آپ کی قبر پر جو شخص کہ سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے نجد کبھی اس طرح کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے سو بات یہی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث

وفیہ ستۃ من المباحث

حدثنا ھداب بن خالد وشیبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمۃ عن ثابت البنانی وسلیمان التیمی عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایۃ ھداب مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔[1]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نماز میں پڑھنا بصراحت مذکور ہے۔ قرآن عزیز فرماتا ہے۔

ولقد اٰتینا موسیٰ الکتٰب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔

(پ ۲۱، سجدہ، آیت ۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ہیں ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۸، نسائی جلد ا صفحہ ۲۴۲

تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے. جسے ہم نے تورات دی تھی. ظاہر ہے کہ یہ ملاقات دنیا کسی مثالی وجود کی تھا اور نہ ہی وہاں سوئے تمثیل ہو رہی تھی. بلکہ تورات لینے والے خود موسیٰ علیہ السلام تھے جن کا جسم عنصری تھا. انہی کو آنحضرت نے شب معراج میں دیکھا تھا. قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسیٰ کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں ـــــ اور اگر آئندہ یہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی ـــــ اس کی مفصل بحث ہم پیچھے کر آئے ہیں[1]

البحث الاول

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر شریف میں زندہ موجود تھے، تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضور کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور پھر آسمانوں پر حضور کو ملنا، اور پھر آپ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لیے آپ سے مذاکرہ کرنا آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا. یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں، بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور ملاء اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں، یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی ـــــ کیا وہ ہر جگہ موجود ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جا رہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی. وہ بھی جانتے ہیں کہ تناقض کے لیے وحدت زمان شرط ہے جو یہاں مفقود ہے. حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

وصلاتهم في اوقات مختلفة وفي اماكن مختلفة لا يرده العقل
وقد ثبت به النقل فدل ذلك على حياتهم[2]

ترجمہ: انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں. اور نقل صحیح اسے ثابت کر

---

[1] دیکھئے ص [illegible] از کتاب ہذا   [2] فتح الباری کتاب الانبیاء جلد [illegible] ص [illegible] مصر

رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا، پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا، اور پھر ملاء اعلیٰ میں طنا ان سب کے اوقات مختلف ہیں لہٰذا تعارض لازم نہیں آتا۔ فتفکروا یا اولی الابصار۔

محدث کبیر امام بیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:۔

فی قصة المعراج انه لقیهم فی جماعة الانبیاء فی السموات وکلمهم وکلموه وکل ذلک صحیح لا یخالف بعضه بعضا فقد یری موسیٰ علیه السلام قائما یصلی فی قبره ثم یسری بموسیٰ وغیره الی بیت المقدس کما اسری بنبینا صلی الله علیه وسلم فیراهم فیه ثم یعرج بهم الی السموات کما عرج بنبینا صلی الله علیه وسلم فیراهم فیها کما اخبر وحلولهم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بها خبر الصادق وفی کل ذلک دلالة علی حیاتهم۔[1]

ترجمہ۔ واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرمؐ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ کو سفر اسراء پیش آیا۔ پس آپ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا جیسا کہ حضور اکرمؐ کو معراج ہوا۔ پس آپ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس حقیقت

---

[1] حیات الانبیاء للامام البیہقی صفحہ مصر

خاص تھی۔ یہ بیچارے نادان دوستوں کی بیہودہ زندگی ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرت نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں بحالت سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو وادی ازرق اور ثنیۃ ہرشی میں لبیک پڑھتے ہوئے خاص ہیئت و لباس میں دیکھا۔[۱] آپ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادی عسفان میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سرخ اونٹوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔[۲] حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔[۳] یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں۔ بہرحال ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسراء سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

البحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تسلیم بھی کرلی جائے تو تمام انبیاء کا اسی رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمانوں سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے تو دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبروں سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں تو باقی انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے۔ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر ایسے استبعاد عقلی کے

۱؎ مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۴، بخاری کتاب المناسک جلد ۱ ص [illegible]

۲؎ رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۱ ص [illegible])

۳؎ اخرجہ احمد قال ابن کثیر ہذا اسناد حسن (البدایۃ جلد ۱ ص [illegible])

نفوسِ قدسیہ کی مذکورہ حاضری کے لیے جو اسباب عمل میں آئے وہ سب مافوق تھے یعنی معتاد طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہو جانا یہ کوئی ایسی بات نہیں جو امر محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان و مکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تزاحم و تضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادی اندلس، شیخ مرسیؒ اور وادی عسقلان کی یہ ملاقاتیں یا شب المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملأ اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور بدن مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالم مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالم مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امور مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکروں میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں، تو بھی یہ مقصود کلام متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبروں میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے جس میں کہ وہ مشغول معروف عبادات ہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں وہ ابدان مثالیہ تھے اور نہ اجسام عنصریہ، بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواح قدسیہ ہی متشکل[1] ہو رہی تھیں، تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسام عنصریہ قبور شریفہ میں زندہ نہ ہوں گے۔ اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواح مقدسہ رفیق اعلیٰ یا حظیرۃ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسام قبریہ پر اپنی تاثیر[2] رکھ سکتی ہیں اور انہیں فائز الحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسام عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواح متشکل بصورت جسدیہ ہو رہی ہوں، وہاں سے اجسام قبریہ پر کیوں یہ تاثیر نہیں ڈال سکتیں اور وہاں تعلق روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

---

[1] قال الشیخ الاکبر فی الفصوص الروح یتشکل باشکال مختلفۃ۔ (العرف الشذی صـ)

[2] کما ذھب الیہ ابن القیم وراجع لہ کتاب الروح صـ وزاد المعاد جلد ۱ صـ

نوٹ:

اس بحث میں ہمارا مقصود ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو جو مغالطات عوام کے سامنے آتے ہیں، ان کے الزامی جوابات، دور یا باستبعاد میں دلائل امکانات ہیں۔ بہرصورت مسئلہ کے دقوع کا دعوٰی ہے اور نہ اس کی ضرورت کہنا یہ ہے کہ اصل مدعا کسی بھی صورت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے:۔

واعبد ربك حتى يأتيك اليقين۔ (پ ۱۴، الحجر آیت ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کے لئے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دارالعمل نہیں۔ پس یہ حدیث جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منورہ میں نماز پڑھنا مذکور ہے، قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد وجوب عمل کا انقطاع ہے نہ نفس عمل کا نہیں۔ قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے اس کی انتہا ضرور موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا حکم ہے اور نہ کسی پر یہ عمل اس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں اپنی اپنی

۱؎ یہ سنجاد و طنان کے ایک مدرس کی ہے۔ جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (فاروق لان بیرون گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس بدالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر وحمد کی خبر نہیں دیتا۔ قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریۂ مابعد الموت پر کس قدر ظلم ہے ؎

در بیت کش گمش عقل و دینی دارد   کہ میر تا فرد و قوت واسترقی دارد

قال اللہ تعالیٰ :-

وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض

. . . وقیل الحمد للہ رب العالمین۔ (پ ۲۴، زمر)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا ہمیں اس زمین کا . . . اور ہر طرف سے الحمد للہ رب العالمین کی آوازیں آئیں گی

ولہ الحمد فی الآخرۃ وھو الحکیم الخبیر۔ (پ ۲۲، سبا)

ترجمہ۔ اور آخرت میں بھی اسی کی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم و خبیر

وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔ (پ ۸، اعراف)

ترجمہ۔ اور جنتی کہیں گے الحمد للہ سب تعریفیں اسی ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا :-

یلھمون التسبیح والتحمید[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

یسبحون اللہ بکرۃ وعشیا۔ متفق علیہ

ترجمہ۔ وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

فسبح بحمد ربک واستغفرہ میں تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم تھا۔ اس عالم میں

---

[1] مسلم شریف

وسعت ہوتی ہے مگر کسی وسعت دے سے جو غیر ثابت بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا
مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابت شدہ چیز مانا کرتے ہیں۔ بالدلیل ماننا جائز نہ ہوگا خوب
سمجھ لیا جائے۔[1]

خلاصۂ بحث یہی ہے کہ یہ حدیث حضرت موسیٰؑ کی قبر والی بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن
پاک کے خلاف نہیں، اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا آپؐ کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور پھر آنحضرتؐ کا
ان کی امامت کرنا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

البحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث
حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے براہ راست نہیں سنی۔ اس لیے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن
بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ... الحدیث کے الفاظ ہیں۔ جب تک اس
صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی اس وقت تک اسے حجت
نہیں سمجھا جا سکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں لہٰذا جس سند میں واسطہ سے نقل کی گئی وہ ناقابل اعتماد ہوئی۔
ثانیاً امام نسائیؒ جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کیے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے
ہیں جس میں حضرت انسؓ براہ راست حضور اکرمؐ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الرحمٰن النسائی هذا اولیٰ بالصواب عندی۔[2]

ثالثاً اگر ان دونوں حیثیتوں کو قطع نظر کر دیں اور غایت ما فی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث

---

[1] نشر الطیب صـ۲۰۳ [2] سنن نسائی جلد ۱ صـ۲۴۲

حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کیے جاتے ہیں۔

حضورؐ نے جب فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپ نے انہیں دیکھا ہے۔ اس کا ادراک و شعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقین کامل ہے کہ آپ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپ نے واقعی انہیں دیکھا تھا، اور وہ واقعتاً وہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیاء کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جن کے لیے کبھی کبھی یہ پردے اٹھا لیے گئے، اس لیے ان حضرات نے تلبس کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہ سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں یہ اشخاص بمرتبہ صرف مثالی موجود تھے یا ان کی ارواح تعلق باجسادہم العنصریہ کے باوجود یہاں متشکل ہو رہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ یہی اصل بیان ہوئی ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعذر نہ ہو، صرف عن الظاہر کے لیے اصل شرعی مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہیے جس پایہ کا آپ کا یہ دعوے شریفہ ہے کہ میں نے ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا۔ اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعوے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے۔

اس موقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مقدسہ سے متعلق سماع و عدم سماع یا شعور و عدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعوے سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلب موضوع، حقائق کو برعکس بیانی

کرلے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع، دو شعور یا عدم شعور کے مباحث تو حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے۔ اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں:

واستشکل رؤیة الانبیاء فی السموات مع ان اجسادهم مستقرة فی قبورهم بالارض واجیب بان ارواحهم تشکلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلة تشریفا وتکریما ویؤیده حدیث عبد الرحمن بن هاشم عن انس ففیه وبعث له آدم ومن دونه من الانبیاء۔[1]

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد کریمہ تو اپنی اپنی قبروں میں مستقر پذیر ہیں پھر حضور ﷺ کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح مقدسہ ان کے اجساد کی صورت متشکل کر دی گئی تھیں۔ یا ان کے اجساد کریمہ ہی ان کی قبروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف و تکریم کے لیے لا حاضر کر دیے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں۔ خود ان حفاظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ موقف منقول ہے۔ حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں ان کے وجود ہی سے انکار ہو اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام و نشان بھی نہیں تھا، ان کے امر واقع ہونے کا دعوے کر دیا جائے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۹۹ مصر

پیشِ نظر رہے کہ ان تصریحات کے ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے، بلکہ بات یہ چلی کہ یہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہے یا بے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورتِ دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی ہے کہ آنحضرتؐ کے ان ارشادات کو ان مکاشفات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لیے یا امتناع توڑنے کے لیے صرف صورتِ ممکنہ کافی ہوتی ہے صورتِ واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

مگر ان برزخی مشاہدات میں اجسامِ مرئیہ، اصلی اجسامِ عنصریہ نہ ہوں بلکہ عالمِ مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصلی اجسامِ عنصریہ اپنی قبروں میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روضات میں فاقدِ حیات نہ ہوں، اس لیے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تضاد نہیں، ہر ایک اپنے مقام پر ہے، اپنے حالات کے مطابق موجود ہے۔

اور اگر یہ تمثل عالمِ مثال کا نہ ہو، بلکہ بعض ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورتِ جسدیہ ہو گئی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو بھی وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالمِ برزخ میں ارواحِ طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے، ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواحِ قدسیہ اجسامِ عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پرتو یہاں بھی صورتِ جسدیہ پر مشتمل ہو رہا ہو، یا وہ ارواحِ طیبہ اپنے مقامات پر متمثل بصورتِ جسدیہ موجود ہی ہوں اور ان کا اجسامِ قبریہ پر بھی پرتو پڑ رہا ہو جس سے وہ صفتِ حیات سے متصف ہوں۔ اگر روحِ پاک رفیقِ اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبر شریف میں رکھے، اجسام پر پرتو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ کی رائے ہے، تو روحِ متمثلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسامِ قبریہ پر تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوالِ برزخ پر اس عالمِ فکر و نظر کے پیمانے نہیں چلائے جا سکتے۔ ابن حجرؒ کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواحِ قدسیہ ہی متمثل بصورتِ جسدیہ ہو رہی تھیں۔ آگے وہ

یعنی تو رفیق اعلیٰ یا حظیرۃ القدس ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں۔ جو جواب ان کا ان احوال میں ارواحِ قدسیہ کے مکینوں سے جدا ہونے کا ہوگا وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے۔ جو ارواحِ قدسیہ کو قبر کے اجسام عنصریہ سے متعلق مان کر بھی ہر وقت مشاہدات میں مشغول ارواح کا دعوےٰ کر رہے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ صورت واقعہ کیا تھی۔ وہ کیا نہیں۔ ہم دو اس وقت یہ ہمارا موضوع ہے مقصد صرف یہ ہے کہ مذکورہ احتمالات میں سے کوئی بھی جانب اختیار کر لی جائے یہ حقیقت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کہ انبیائے کرام کے اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبروں میں ہرگز بے حس و بے شعور نہیں بلکہ وہ تاشا حیات ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے مرقد شریف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو خبر دینا ان احتمالات سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ حدیث صلوٰۃ موسیٰ پر حاشیہ سنن نسائی میں شیخ بدرالدین حنبلی سے منقول ہے۔

قال الشیخ بدرالدین بن الصاحب هذا صریح فی اثبات الحیٰوۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ذلک لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر وقال الشیخ تقی الدین سبکی فی ھذا الحدیث الصلوٰۃ تستدعی جسدًا حیًّا ولا یلزم من کونھا حیاۃ حقیقیۃ ان تکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب وغیر ذلک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل یکون لھا حکم آخر[1]

ترجمہ: شیخ بدرالدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے کیونکہ حضور کریم نے آپ کو نماز سے موصوف فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے صریح روح موصوف نہیں ہوتی بلکہ جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا

---

[1] حاشیہ نسائی جلد اول صفحہ [illegible] باب صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ و ذکر الاختلاف علی سلیمان التیمی

اور جسد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس انسانی ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔

مع ید بقوله الانبیاء احیاءٌ مجموع الاشخاص لا الارواح فقط[1]

ترجمہ۔ الانبیاء کے لفظ سے جسد اور روح کا مجموع اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں۔

اور دوسرے جزء احیاء کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ارید بالحیوۃ نقل الاعمال والسکن من فی القبور فی المعطلۃ بخلاف المقربین۔[2]

ترجمہ۔ حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدون جسد متصور نہیں
ہوتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان
کے اعمال قائم ہیں)۔

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ
زندگی پردے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں جہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو
دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہان کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق
اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی برزخی ہے پردے میں ہے۔ اور جس
طرح ہم یؤمنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان اعمال قبر
پر بھی ہم یؤمنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند
الدارمی وقراءۃ القرآن عند الترمذی۔[3]

ترجمہ۔ قبروں میں (احادیث کی رو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور
اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبروں میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت
ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں۔ انبیاء عالم برزخ میں حج تک کرتے ہیں اور

---

[1] حجۃ الاسلام ص [illegible] [2] فیض الباری جلد [illegible] ص [illegible]

دیکھنے والا انہیں کبھی چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

ان الانبیاء افضل من الشهداء والشهداء احیاء عند ربهم فکذٰلک الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا و یحجوا و یتقربوا الی الله بما استطاعوا ما دامت الدنیا وهی دار تکلیف باقیة۔ ۱؎

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ انبیاء کرام بھی اسی طرح زندہ ہیں۔ یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں اور حج بھی کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قریب ہیں اور رہتے ہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی وارداتیں ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں دیکھ نہ پائیں۔

اما موسیٰ کانی انظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی۔ ۲؎

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لبیک پکار رہے ہیں)۔

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں اذکار و اوراد تلبیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

هو فی البرزخ وصلاته لربه فی هذه الحالة غیر ممتنع۔ ۳؎

۱؎ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۲ ۲؎ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۰ ۳؎ وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ مصر

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عالم برزخ میں ہیں اور آپ کا
اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیاتِ طبعی کا بیان نہیں، جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لیے ثابت کی جا رہی ہے، وہ اس حیاتِ طبعی پر ایک اضافہ ہے۔ اس کے لیے اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھیے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں رہنے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیاتِ طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصدِ حیات ہیں اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیاتِ طبعی تو ہے لیکن حقیقۃً یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں۔ قرآن عزیز ان لوگوں کو، جن کی حیاتِ طبعی تو تھی لیکن ان کا دامن حیات مقصدِ حیات سے بالکل خالی تھا۔ تو جب ان کے مردہ تھے اور دل کے کان نہ تھے وہ بہرے تھے انہیں الفاظ میں مردے قرار دیا ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ۔ (پ ۲۰ نمل، پ ۲۱ روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں مردے فرمایا بلکہ ان کے لیے مردوں کے لوازمات بھی ذکر کر دیئے:-

۲ — روح اور جسم کا تعلق تو ہو لیکن وہ معنی حیات مقصد حیات سے خالی ہو اسے عوام حیات اور ارباب بصیرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳ — روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصد حیات سے خالی نہ ہو ارباب بصیرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت یہی زندگی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون (انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں) تو آپ کا منشا صرف حیات جسمی کا بیان نہیں بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیات انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبور شریفہ یا دیار متعددہ میں ایسی زندگی حاصل ہے جس میں محض روح و بدن کا تعلق قائم ہے تو یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ اس لیے کہ قرآن عزیز تو بعض انسانوں کی حیات جسمی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشا اس قسم کی حیات طبعی نہیں بلکہ یہی حقیقی حیات ہے جس میں محض روح و بدن ہی کا تعلق نہیں بلکہ عمل سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی ارباب دانش حقیقت حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہی ارشاد فرماتے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورہم" تو یہ محتمل ہو سکتا تھا کہ وہ قبور شریفہ میں تو صرف روح و بدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی تو اسی تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضور نے لفظ یصلون ارشاد فرما کر اس حیات کی کیفیت پر بھی متنبہ کر دیا یعنی انبیاء جسم عنصری سے اس طرح وابستہ حیات ہیں کہ زندوں جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور عمل و عبادات میں مشغول ہیں اور ان کے اشغال طیبہ میں تعطل ہوا تو قبور شریفہ میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیائے کرام کی اس حیات برزخیہ کے دو جز ہیں۔

① وہاں کی حیات مختصر سے معانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم و روح کے مجموعہ کی ہے۔

② یہ حیات صرف حیات طبعی کی حد تک نہیں بلکہ ان اشخاص کریمہ کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی مرتب ہے۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جزوں کو خوب بیان فرمایا ہے جزو اول کے متعلق لکھتے ہیں۔

يريد بقوله الانبياء احياء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط[1]

ترجمہ: آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں یہ ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دوسرے جزو کے متعلق لکھتے ہیں۔

اراد بالحيوة فعل الاعمال وكثير من في القبر في العطلة بخلاف المترجين من معاني الحيات في النهاية وان الميت لا فعل له في خلق افعال العباد وان حلاوة رزدت اليه الحيوة واعماله لا بقاء الروح وهو قوله فنبي الله حي يرزق واحياء في قبورهم يصلون فتمرد في ذكر الحيوة اضافها الا الاصلي بي الاد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض[2]

مفہوم: آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور اکثر لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے معطل ہوتی ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی۔ حضور کا ارشاد فنبی اللہ حی یرزق (اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے) اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں یہ سب اصل حیات کے بیان میں

---

[1] عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام مصنفہ علامہ سید انور شاہؒ ص [2] ایضاً

سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی

اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البیان المسدد من حضرت المجدد

(۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق و سباق میں نقل فرمایا ہے۔

> برزخ عنصرے چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است، گنجائش ترقی دارد و احوال
> این موطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ
> باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چون قبر حضرت
> کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتند دیدند کہ در قبر نماز می گزارد[1]

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ عنصری میں بھی ترقی مقامات کی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جو ظاہر ہے کہ اس سے مراد قرب الٰہی میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقاء کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور اس ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ اصول و ضوابط پیش نظر رہیں۔

حضرت کے نزدیک "عالم خلق" "عالم امر" سے افضل ہے اور وہ "قرب عالم خلق" کو "قرب اصلی" اور "قرب عالم امر" کو "قرب ظلی" قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا تو قرب ظلی سے ہی

---

[1] مکتوبات جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۷ مطبوعہ لکھنؤ

(قرب اصلی) میں انتقال ہو گیا۔ قرب اصلی میں بھی کثرت و زیادت ہوتی چلی آئے۔

اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے۔ اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں متحقق پذیر ہو گا۔ اس قرب سے بہر حال اعلیٰ و افضل ہے جو کسی اور حالت میں حاصل ہو گا۔ پس نماز کے ساتھ (قرب الٰہی) میں بڑھتے چلے جانا (قرب اصلی) پر فائز المرام ہونا ہے اسی لیے فرمایا:۔

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام پڑھتے ہیں اپنے روضات میں تو وہ عمل میں لا رہے ہیں قرب الٰہی میں سامان ارتقاء ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قرب کے باب میں عالم خلق عالم امر سے افضل ہے۔ تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا صاحب قرب الٰہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے۔ اور ان کا یہ عمل ضرور عالم خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ حضرت مجدد قرب عالم خلق ہی کو قرب اصلی قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے عمل صلوٰۃ کا عالم خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجساد کریمہ کے ساتھ قائم الحیات ہوں یعنی اداے نماز بھی اجسام عنصریہ سے عمل میں آ رہی ہو۔ اگر یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالم امر سے متعلق ہو گا اور واضح ہے کہ حضرت مجددؒ کے کلام میں اسے قرب اصلی سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک بھی حیات انبیاء کا مفہوم و مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجساد عنصریہ سے قائم الحیات ہیں۔

(۳) علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں:۔ الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا۔ (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ۔ نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہو سکتا ہے۔

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب رواۃ اعلیٰ درجے کے قابلِ اعتماد اور ثقہ رواۃ حدیث ہیں اور حدیث بالکل صحیح ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کی تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبین السبب نہ ہو اور اس کے مقابل اکثرین کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر یکطرفہ حملے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو غیر منکر کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا ان کی شانِ دیانت اور حق طلبی ہے؟ یہ عوام کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لیے ذکر دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے یہ ایک پیمانہ غرور ہے؟ آئیے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (م ۷۴۸ھ) کہتے ہیں "ما روی عنہ فیما اعلم سوی مستلم بن سعید" کہ مستلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے۔ سو اسے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جا سکتا۔

رہی توثیق تو یاد رہے کہ امام یحییٰ بن معین اور امام احمد دونوں اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ، عیسیٰ بن یونس، مستلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معين ثقة وقال ابو حاتم صالح الحديث وذكره ابن حبان في الثقات۔[1]

ترجمہ: امام احمد نے فرمایا حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارة عن وجه النكارة

حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مرتکب ہے یعنی ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔ پس "منکر الروایۃ" ہے۔ ذہبی لکھتا ہے۔

قلت يعني منكر ما روى عن ثابت عن انس في ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون رواه البيهقي[2]

ترجمہ: حجاج اور وہ ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو منکر ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے یعنی جنہوں نے اسے اس طرح روایت کیا ہو کہ حیات انبیاء کا مضمون اس سے نکل رہا ہو اور کسی طرح اس پر نقد کی زیادتی بھی نہ بن سکے لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی ومن ادعی فعلیہ البیان۔

غایت تامل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔

---

[1] لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ [2] میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۶۱

اس لیے کہ اس روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے عن ثابت البنانی عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ـــــ پر منتہی ہوتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے:

حماد بن سلمہ عن ثابت عن انسؓ عن النبیؐ.

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبور والی روایت کا سلسلۂ اسناد یہ ہے۔

حجاج بن الاسود عن ثابت عن انسؓ عن النبیؐ۔

حافظ ذہبیؒ کے اعتراض سے ایسا مستفاد ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لیے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکارت کا مرتکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

حالانکہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ ہیں لہٰذا نکارت کا سوال پیدا نہیں ہوتا نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ناقد اکمل حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے۔ لسان المیزان میں حافظ ذہبیؒ کی مذکورہ جرح بالکل تسلیم نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے حضرت امام احمد اور امام یحییٰ بن معین جیسے ائمہ جرح و تعدیل ان کے ثقہ ہونے پر نص فرما رہے ہوں اس کی روایت کیسے شاذ و منکر بن سکتی ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار

الغرض حجاج اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نص فرمائی ہے۔ حافظ ذہبیؒ کا منشا نے اعتراض یہ تھا کہ دونوں حدیثیں ایک ہوں۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں۔ راوی دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مستلم بن سعید نے اکیلے روایت کی ہے، یا نہیں ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو منکر کہا ہے جسے بیہقی نے حیات انبیاء کے لیے پیش کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان میں حافظ ذہبی کی پوری تردید کر دی ہے اور حضرت امام احمد، یحییٰ بن معین اور ابن حبان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے۔ سو جب حجاج مجہول راوی نہ رہا تو ان کی روایت کسی طرح حدیث منکر نہ ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں سے شیخ علی السویدی البغدادی (م ۱۲۳۷ھ) علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کے استاذ ہیں جس میں انہوں نے العقد الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے۔ اس میں ہے:

اخرج ابو یعلی والبیہقی وصححہ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون

علامہ آلوسی کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (م ۱۳۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الآیات البینات فی عدم سماع الاموات علی مذہب الحنفیۃ السادات لکھی ہے۔ اس میں آپ حیات انبیاء کے بارے میں لکھتے ہیں: فانہ ثابت بالاحادیث الصحیحۃ

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی نے الاحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانی نے الآیات البینات کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

حققتہ فی الاحادیث الصحیحۃ (۶۲۱) وبینت فیہ صحۃ الحدیث ودفع من طعن فی احد رواتہ فلیراجعہ فانہ بحث مفید عزیز قلما تراہ فی کتاب۔

ترجمہ: میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور حدیث کی صحت کو واضح کیا ہے اور جس نے اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے۔ اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید

حدیث صلوٰۃ موسیٰ کو بھی بعض محدثین نے اس حدیث ۔ الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلّون کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے۔ پس دونوں کو ایک حدیث کے سمجھا جا سکتا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں:۔

وشاهد هذا الحديث ما ثبت في صحيح مسلم من رواية حماد بن سلمة[1]

ترجمہ: صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے۔ وہ اس حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلّون) کی شاہد ہے۔

هذا ما ظهر لي والله اعلم وعلمه اتم واحكم۔

البحث الثالث

حضرت ثابت بنانیؒ سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف حجاج اسود روایت کرتے ہیں راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے۔ تاہم تائید مزید ملاحظہ کیجئے:۔

حضرت ثابت بنانیؒ یہ روایت کرتے تھے:۔

اللهم ان كنت اعطيت احدا من خلقك ان يصلي لك في قبره فاعطني ذلك۔[1]

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو یہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔

دوسری سند میں یوسف بن عطیہ ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

سمعت ثابتاً يقول لحميد الطويل هل بلغك يا ابا عبيد ان احدا يصلي في قبره الا الانبياء قال لا۔ قال ثابت اللهم ان اذنت لاحد ان يصلي في قبره

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابی نعیم جلد ۲ ص۳۱۹ مصر

البحث الرابع

کن کن اکابر محدثین اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اس سے استدلال ذکر کیا ہے۔

(۱) ابن جریر (۳۱۰ھ)
(۲) حافظ ابو یعلی الموصلی (۳۰۷ھ)
(۳) ابن عدی (۳۶۵ھ)
(۴) حافظ ابو نعیم (۴۳۰ھ)
(۵) حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)
(۶) حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ)
(۷) حافظ زیلعی (۷۶۲ھ)
(۸) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
(۹) حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)
(۱۰) حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۱ھ)
(۱۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)
(۱۲) حافظ ہیثمی (۸۰۷ھ)
(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
(۱۴) حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ)
(۱۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ)
(۱۶) حافظ سیوطی (۹۱۱ھ)
(۱۷) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ)
(۱۸) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ)
(۱۹) حافظ منذری (۱۰۰۳ھ)
(۲۰) ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)
(۲۱) امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ)
(۲۲) علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۷۰ھ)
(۲۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)
(۲۴) علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ)
(۲۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ)
(۲۶) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
(۲۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ)
(۲۸) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)
(۲۹) علامہ شامی (۱۲۵۲ھ)
(۳۰) قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ)
(۳۱) علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ)
(۳۲) نواب قطب الدین شارح مشکوٰۃ (۱۲۸۹ھ)
(۳۳) نواب صدیق حسن خان (۱۳۰۷ھ)
(۳۴) مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ)

(۲۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) (۲۶) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)
(۲۷) حضرت انور شاہ کشمیری (۱۳۵۲ھ) (۲۸) حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی (۱۳۶۲ھ)
(۲۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) (۳۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (ھ)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ہو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار [1]

ومن جملۃ ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورہم [2]

حوالجات از بعض عبارات

(۱) حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلیٰ الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی مسند میں لائے ہیں ان میں حافظ ابو یعلیٰ کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی میں یہ روایت اسی طرح چلی۔ پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی ابو یعلیٰ کی سند سے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے:-

اخبرنا الثقۃ من اہل العلم قال انبأنا ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا ابو یعلی الموصلی حدثنا ابو الجہم الازرق ..... الحدیث

امام بیہقی کا اسے روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور عقائد کی بحث میں اسے استدلالاً لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور درجہ رکھتا ہے۔ یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو عقیدہ

---

[1] فتاویٰ حافظ جلال الدین السیوطی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ طبع مصر [2] نظم المتناثر من الحدیث المتواتر

منحقق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے:۔

واخرجہ البزار ولکن وقع عندہ الحجاج الصواف وھو وھم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح فی روایۃ البیہقی وصححہ البیہقی۔[1]

ترجمہ:۔ اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن ان کے ہاں یہ حجاج صواف کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے۔ صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے صحیح بھی کہا ہے۔

② حافظ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی (۶۶۲ھ)

حدیث درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء الی ان قال ھم احیاء فی قبورھم یصلون و آنحضرت پیغمبر اول برخیزد۔[2]

ترجمہ:۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی) اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں، اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اٹھیں گے۔

③ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

علامہ بدر الدین بعلی الحنبلی نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اختصار کیا ہے۔ اس میں ہے:۔

والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون۔[3]

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۵۲ کتاب الانبیاء [2] کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲ فصل ۳ [3] مختصر الفتاویٰ المصریہ صفحہ

وجہ سے الفاظ کبھی دوسرا کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبروں میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے بلکہ دوسری طاعات میں بھی مشغول رہتے ہیں بہرحال کسی تشریح کو بھی یہ حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں منکر ہے اور رہے گا ہے۔

④ علامہ تاج الدین السبکیؒ (م ۷۷۱ھ)

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لابد من ان یکون اما عالما او جاھلا ویستحیل ان یکون النبی جاھلا۔[1]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا باشعور ہوگا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں:۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بینا۔[2]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ ہم اہل سنت کے عقیدہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بدن مبارک میں حس موجود ہے علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو امت کا صلوٰۃ و سلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] طبقات شافعیہ جلد ۳ ص۱۳۵ مصر [2] ایضاً ص۱۳۵

اور اس سے پہلے آپ پڑھ آئے ہیں۔

ومن عقائدنا ان الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم فاین الموت۔[۱]

ترجمہ۔ اور ہم (اہل سنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں (اس حقیقت کے ہوتے) موت کہاں؟

(۵) علامہ نورالدین ہیثمیؒ (۸۰۷ھ)

رجال ابی یعلی ثقات۔[۲]

ترجمہ۔ ابو یعلی کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور پختہ) ہیں۔

(۶) خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

اخرجہ من طریق یحیی بن ابی بکیر وھو من رجال الصحیح عن مستلم بن سعید وقد وثقہ احمد وابن حبان عن الحجاج الاسود وھو ابن ابی زیاد البصری وقد وثقہ احمدؒ وابن معینؒ عن ثابتؒ عن انسؓ واخرجہ واخرجہ ایضا ابو یعلیؒ فی مسندہ من ھذا الوجہ واخرجہ البزارؒ لکن وقع عندہ عن الحجاج الصواف وھو وھم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح فی روایۃ البیہقی وصححہ البیہقی۔[۳]

ترجمہ۔ یہ حدیث یحیی بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں میں سے ہے۔ اس نے مستلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؒ سے لی ہے اور انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں

---

[۱] طبقات شافعیہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ [۲] مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۱۱ [۳] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۴۲ کتاب الانبیاء

اسے اصبہانی نے روایت کیا ہے۔ تو اس کی تخریج میں وہم سے حجاج صواف آ گیا ہے۔ صحیح حجاج اسود ہی ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ نے تصریح کی ہے۔ اور امام بیہقیؒ نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بیہقیؒ کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

وفي البيهقي من انس وصححه ووافقه الحافظ في المجلد السادس ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون[1]

الانبياء احياء في قبورهم[2]

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام بیہقیؒ کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی امام بیہقیؒ کی اس تصحیح کو تمام وزن دے رہے ہیں۔ فتفکر

(۷) حافظ بدر الدین العینیؒ (۸۵۵ھ)

الانبياء ۔۔۔ فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم احياء واما سائر الخلق ۔۔۔ فانهم يموتون في القبور ثم يحيون يوم القيامة[3]

(۸) حافظ شمس الدین السخاویؒ (۹۰۲ھ)

نحن نؤمن ونصدق بانه صلى الله عليه وسلم حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تأكله الارض[4]

---

[1] فیض الباری جلد ۲ ص۶۴ مصر [2] فتح الباری جلد ۶ ص۳۸۷ [3] عینی جلد ۷ ص۲۰۰
[4] القول البدیع ص۱۲۵ طبع ہند

ترجمہ: ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسب) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر طاری نہیں ہوتا۔

⑨ حافظ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ)

حیاة النبی فی قبره وسائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک وتواترت به الاخبار[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر میں حیات اور اسی طرح تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علم قطعی درجے میں ہے کیونکہ اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تواتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

ان من جملة ما تواتر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاة الانبیاء فی قبورهم[2]

ترجمہ: جو روایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

⑩ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ)

لا شک فی حیاته صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته وکذا سائر الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم حیاة اکمل من حیاة الشهداء التی اخبر اللہ بها فی کتابه العزیز[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات میں کسی شک کی گنجائش نہیں

---

[1] الحاوی للفتاوی حافظ سیوطی جلد ۲ ص ۱۴۷ [2] النظم المتناثر من الحدیث المتواتر [3] وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۰۵

دی جاسکتی ہے کہ یہ عقیدہ تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ کامل ہے۔

(۱۱) علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (م ۹۷۳ھ)

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ [1]

ترجمہ: یہ حدیثیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

(۱۲) علامہ عبدالرؤف المناویؒ (م ۱۰۰۳ھ)

الانبیاء احیاء فی قبورھم. ھذا حدیث صحیح [2]

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح درجے کی حدیث ہے

(۱۳) مجدد مائۃ دھم ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباریؒ (م ۱۰۱۴ھ)

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون [3]

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم [4]

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو یہ بات بالکل ممکن ہے کہ آپ اس

---

[1] منح المنۃ ص۹۱ مصر [2] فیض القدیر ج۴ ص۱۸۴ [3] مرقات جلد ۲ ص۲۱۲ قدیم جلد ۳ ص۲۴۱ طبع جدید

[4] مرقات جلد ۳ ص۴۱۰ طبع جدید

وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے

ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

انه علیه السلام فی قبره حیّ و قال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق

صوت النبی۔[1]

ترجمہ۔ بے شک حضور علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

کہ تم اپنی آوازیں حضور کی آواز سے اونچی نہ کرو۔

وفیه دلیل علی ان الانبیاء احیاء حقیقة۔[2]

ترجمہ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں

المعتقد المعتمد انه صلی اللہ علیه وسلم حیّ فی قبره کسائر الانبیاء

فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم وان لارواحهم تعلقاً بالعالم

العلوی والسفلی۔[3]

ترجمہ وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس

طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ انبیاء

کرام اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم

علوی اور اس جہان ارضی دونوں سے ہے۔

(۱۴) مجدد مائۃ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا الشیخ سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

برزخ حضرتے چوں از یک وجہ از دہ طن تغیری ہست لیکن ترقی دارد و احوال

این وطن نظر باحوال عالم منقادہ تفاوت فاحش دارد و الانبیاء یصلون فی

القبور شنیده باشند۔[4]

---

[1] مرقات جلد ۲ ص۲۱۲ [2] ایضاً جلد ۱ ص۲۴۲ [3] شرح شفا جلد ۲ ص۱۴۲ [4] مکتوبات دفتر ۳ نمبر ۱۰

ترجمہ: یہ حیات برزخیہ چونکہ ایک پہلو سے مطلق دنیوی بھی ہے اس میں زندگی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس مطلق دنیوی کے علامات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں آپ نے یہ حدیث تو سنی ہو گی کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۱۵) علامہ علی بن شیخ احمد عزیزیؒ (م ۱۰۷۰ھ) شارح جامع صغیر

لانہ حی دائم وروحہ لا تفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم[1]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ آپ دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں

(۱۶) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ)

ابو یعلیٰ بسند ثقات از روایت انس بن مالک آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون[2]

ترجمہ: ابو یعلیٰ نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(۱۷) علامہ احمد بن محمد الخفاجیؒ (م ۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

وقد ثبت بالاحادیث الصحیحۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء احیاء حیاۃ حقیقیۃ کالشہداء[3]

---

[1] السراج المنیر جلد ۲ صفحہ ۷۸ [2] مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۰ ... نسیم الریاض ... صفحہ ۴۹۴

ترجمہ: اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لیے حاصل ہے، زندہ ہیں۔

(۱۸) علامہ محمد بن عبد الوہاب الزرقانی (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

وحياة النبي في قبره هو وسائر الانبياء معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الادلة في ذلك وتواترت الاخبار به۔[1]

ترجمہ: حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات ان کی قبروں میں، ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے کیونکہ ہمارے ہاں اس پہ دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تواتر کے درجے کو پہنچ چکی ہیں۔

(۱۹) علامہ یوسف الشافعی الاردبیلی (ھ)

ويخاطب بعد الموت بقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته لان الانبياء احياء في قبورهم يصلون ويحجون كما ورد۔[2]

ترجمہ: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایہا النبی سے خطاب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

(۲۰) مجدد ملت دوازدہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

---

[1] شرح المواہب جلد ۵ ص ۳۳۲ [2] کتاب الانوار فی فقہ الامام الشافعی جلد ۱ ص ۳۰۰ طبع ۱۳۲۶ھ مصر

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مشاہدہ فرمایا جب آپ مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس پر حاضری دیتے تھے۔

لما دخلت المدينة المنورة وزرت الروضة المقدسة ... رأيت روحه صلى الله عليه وسلم ظاهرة بارزة لا في عالم الأرواح فقط ... ثم توجهت إلى القبر الشريف المقدس مرة بعد أخرى ... وأنه الله أسرارًا جليلة بقوله إن الأنبياء لا يموتون وأنهم يصلون ويحجون في قبورهم وأنهم أحياء إلى غير ذلك ولو سلّم عليه قط الأوقية: فبسط الحديث ... والشرح[1]

اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے۔

وهي المكنى عنه بقوله صلى الله عليه وسلم ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام وقد شاهدت ذلك ما لا أحصي في مجاورتي المدينة سنة ألف ومائة وأربع وأربعين۔[2]

ترجمہ: یہ اشارہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی طرف کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے (یعنی مجھے متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاتا ہوں۔ اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضۂ اقدس پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

(۲۱) محدث کبیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المظہری

إنه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيًا بلّغته۔[3]

[1] فیوض الحرمین ص۲۸ مطبوعہ دیوبند [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ... ترجمہ ص۱۲۹ [3] تفسیر مظہری جلد ۱ ص۱۴۲

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون و ان الحیٰوۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین و قد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورہم[1]

رواہ المنذری وصححہ البیہقی۔

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسم سے تعلق رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء و مرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہو گی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم وقد صححہ البیہقی والف فی ذالک جزءًا[2]

ترجمہ: بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں بعد الوفات زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم۔۔۔ ویؤیدہ ذالک ما ثبت ان الشہداء احیاء یرزقون فی قبورہم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ وسلم منہم واذا ثبت انہ حی فی قبرہ کان المجیئ الیہ بعد الموت کالمجیئ الیہ قبلہ[3]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم سے ثابت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ [2] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۰۸ [3] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۱۰۸

میں لکھتے ہیں :

اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر مبارک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح رحلت سے پہلے آپ کے پاس حاضری دینا تھا۔[1]

۲۵ علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

والمراد بتلك الحيوة نوع من الحيوة غير معقول لنا وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحيوة نبينا صلى الله عليه وسلم أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام الى ان قال ثبتت الحيوة في القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحيوة في الدنيا المعروفة لنا من الصلوة والأذان والإقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلك الحيوة المعروفة۔[2]

والحيوة في القبر تستلزم الخروج وانما أقول بها في حق الانبياء عليهم السلام۔[3]

حاصل یہ کہ آنحضرت کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ و اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی امور مرتب ہیں جیسے نماز، اذان، اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا لیکن اس دنیا کی حیات معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

۲۶ نواب قطب الدین خانؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ و صاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ حیات ان کی وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔[4]

(الف) دنیا کی سی ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ تشبیہ میں تغایر ضروری ہے باعتبار عالم وہ حیاۃ برزخی ہے اور انبیاء اسی طرح جسمانی محسوس کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی رکھتے تھے اور یہی جسد اطہر حیاتی ہے جو مدینہ منورہ میں ہے منتقل کیا گیا۔ گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو

---

[1] تکمیل الفعال جلد ۲ ص۱۷۷ [2] روح المعانی ج۲۲ [3] ایضاً [4] مظاہر حق جلد ۱ ص۴۴۷

(۴۱) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ)

فی البیہقی عن انسؓ وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس من ان الانبیاءؑ احیاء فی قبورہم یصلون۔[۱]

ترجمہ: بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی جلد میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر موافقت کی ہے حدیث یہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

(۴۲) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔[۲]

(۴۳) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

اما بعد وفاتہ فہو وان روحہ المقدسۃ صلی اللہ علیہ وسلم قد استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ولا یتوہم من ہذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک الطیب واشراقاً وتعلقاً بہ وبدنہ فی ضریحہ غیر متفسخ واذا سلم علیہ المسلم رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام کما ورد فی الحدیث ولم یبارح الملأ الاعلیٰ ومن کثف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ہذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلہا وتعلقہا وتاثیرہا فی الارض وحیاۃ النبات والحیوان بہا۔[۳]

---

[۱] فیض الباری جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ [۲] نشر الطیب ص۱۵۵ طبع دیوبند [۳] فتح الملہم جلد ۱ ص۳۲۹

البحث الخامس — الکلام علیٰ عالم المثال

قبر عالم برزخ کی ایک قرارگاہ ہے، اگلی قرارگاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں ۱۔ جنت ۲۔ جہنم — مقام اعراف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرارگاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے۔ دائمی قرارگاہ عالم آخرت ہے۔

۱۔ عالم ارواح ۲۔ عالم دنیا ۳۔ عالم برزخ اور ۴۔ عالم آخرت۔ یہ چاروں عالم بالترتیب چلتے ہیں پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرارگاہیں ہیں اور چوتھا جہاں مستقل طور پر ہماری قرارگاہ ہے۔ یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں یوں سمجھئے چاروں جہاں عالم شہادت کے مختلف پیرائے ہیں علماء نے ان کے متوازی ایک اور جہان کا پتہ دیا ہے۔ یہ جہان عالم مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں یہاں حقائق کی اپنی اپنی مناسب حال تصویریں اترتی ہیں عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔

خود آنحضرت ﷺ کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی وانت الجنة والنار ممثلتین[1]

حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کئی اور آدم گزرے ہیں اور یہ بھی جنہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں عالم شہادت میں صرف یہی ایک آدم گزرے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر خلعت پائی۔ ان کے آنے سے پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ ظہور پاتا رہا، حضرت کی یہ بات کہ عالم مثال میں موجود پایا جاتا رہا بصورت آدم ان میں کا ظہور ہوتا رہا۔[2]

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے

---

[1] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۴ [2] مکتوبات دفتر دوم صفحہ ۱۰

ہیں کہ جس طرح ارواح مختلفہ عالم مثال میں موجود ہیں۔ اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالم مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ قبر عنصری سے نعیم قبر اور عذاب قبر بھی عالم مثال ہی میں ہوتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالم مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ جن کے ہاں عالم مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی کوئی صورت و ہیئت نہیں بلکہ حقیقی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوالم سے اس آئینہ مثال میں عکس سے روشن ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالم مثال کوئی رہنے کا محل نہیں۔ اسے عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو کسی حد تک کسی صورت و شکل کو متضمن نہیں۔

عالم مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ روح آدم خلقت آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالم مثال میں اقامت گزیں نہ تھی۔ قرون متطاولہ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہرحال عالم ارواح میں تھی نہ کہ عالم مثال میں۔ اس لیے کہ عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں، فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی آتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح ارواح مختلفہ عالم مثال میں موجود رہتے ہیں۔ اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالم مثال میں چلے جاتے ہیں، کس طرح بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔

اعاذنا اللہ منہا۔

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

دانستہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالم مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالم مثال خواہد رفت پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود

بدانند کہ این قسم خیالات از صدق قلیل النصیب است . . . بعالم مثال کار ندارد
و پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق بجسم این نسبت کرد، بعضے اوقات بجہت تحقیق الصحیحہ
بعضے از احوال خود را در مرآۃ عالم مثال می نماید . . . عالم مثال از برائے
تمثیل است نہ برائے بودن، برائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد و عالم
مثال پیش از مرآۃ این دو عالم نیست . . . عذاب قبر از قبیل نیست کہ حقیقت
صورت است نہ صورت بے حقیقت۔[1]

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالم مثال میں
رہتی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جاتی ہے نیز عذاب
قبر اسی عالم مثال میں ہوتا ہے۔ جواباً آپ کو جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے خیالات ان
لوگوں کے ہیں جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ کشف باطن میں
قلیل النصیب ہیں۔ روح کا عالم مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ
ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب
العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے
ہوں لیکن عالم مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں، وہ تو محض سمجھنے کا ایک پردہ
ہے جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں، رہنے کی جگہ یا عالم ارواح ہے یا عالم اجساد،
عالم مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں۔ عذاب قبر اس
مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے جس کی عذاب
اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانیؒ نے جو تصریحات فرمائیں ان کا خلاصہ حسب ذیل
ہے:

---

[1] مکتوبات دفتر سوم م ۵۸ ص ۱۴

① معاملاتِ قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت وانعکاس نہیں۔

② وجودِ عالمِ مثال فقط شبیہ وصورت ہے، کسی شے کی حقیقت نہیں۔

③ روح کا تعلق عالمِ مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہوا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

④ مفارقتِ بدن کے بعد روح اور عطیۂ روح کو عالمِ مثال میں ٹھہرانا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمائیے کہ انبیائے کرام کی ارواحِ قدسیہ ان کے حیاتی احوال اور ان کے معاملاتِ قبر کو عالمِ مثال کے اندر تلاش اور پھر اسے فیصلہ کن سمجھنا کس قدر خلافِ علم و دیانت ہے۔

البحث السادس ـــــ فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عالمِ برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود وطرف کو فقط رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنا لیں، اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معاملہ کرنا چاہیں، تو اسے تنگی کی آخری انتہا تک پہنچا دیتے ہیں مگر وہ اتنا ہی فراخ مکانی سے۔ اسی طرح کسی بندۂ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے، وہ رحیمِ مطلق جب چاہے اسے حدِ نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالمِ برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت وحدت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگانِ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

بلکہ علیحدگی صرف وسعت و تنگی وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

دلونی علی قبرھا[1]

ترجمہ۔ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا۔

ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا وان اللہ ینورھا لھم بصلوتی[2]

ترجمہ۔ بے شک یہ قبور اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اٹی پڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت و نور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبور ہیں جو ھذہ کا مشارالیہ ہیں۔ ہاں اس کے باقی برزخی پہلو اور وسعت و تنگی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور وہ اس ظاہری نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرتؐ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس برزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے دیکھی تھی۔

ان شواہد کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں یقیناً غلط ہے جو نہایت افسوس ہے اور محل حیرت در حیرت ہے۔

آنحضرتؐ نے اس حدیث حیات انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا کہ الانبیاء احیاء (انبیاء زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ فی قبورھم (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرمادی۔ تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے۔ فی قبورھم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۰۹

کے لئے اسے اس پر منطبق کر دیا کہ یہاں کامل حیات دی جاتی ہے، جیسے قبروں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام عنصریہ ہی بعد از وفات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس ان کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیات انبیاء کی وضاحت فی قبورھم کے الفاظ سے کی، بلکہ آپ نے یصلون (کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں) کی تصریح فرما کر حیات جسمانی کو روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجود جسدی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے۔

الصلوٰۃ تستدعی جسداً حیاً۔ (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم صاحب جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔

ترجمہ۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

① احیاء میں حیات کا بیان جملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔
② فی قبورھم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوئی۔
③ یصلون میں حیات حقیقی کا پیرایہ اعمال طیبہ سے متصل ہو کر بیان ہوا۔

پس اس جزو سے حدیث شریف کے آنحضرت اپنے روضہ شریفہ میں تا قیامت روح پاک کے (اپنے جسد عنصری کے ساتھ دائم الحیات ہیں اور یہ مشغولہ عبادت طیبہ میں مستغرق ہے۔ یہ عمل تلذذ ہے جو کہ دیکھو علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی لکھتے ہیں:

فھذا لذات التکلیف انقطع بالموت۔[1]

ترجمہ۔ یہ عبادت تلذذ ہے کیونکہ مکلف ہونا تو موت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

---

[1] عزیزی کی شرح جامع صغیر ص ۲۱۴

مقدمہ میں ہم حضور کی قبر پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہوگا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا صاحبِ قبر سے بالکل بے تعلق نہیں۔ مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں ابھی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بسا اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر سے نور کا مینارا اٹھا

حضرت ابو ایوب انصاریؓ (۵۰ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ سحر کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کئے گئے۔ امام محمد بن احمد السرخسی (۴۹۰ھ) بیان کرتے ہیں۔

> فدفنوه ليلاً فصعد نور من قبره الى السماء ورأى ذلك من كان بالقرب من ذلك الموضع من المشركين فعلموا انه عظيم القدر فقالوا من كان هذا الميت۔ فتكلموا انه صاحب لنبينا فاسلموا بما رأوا۔[1]

ترجمہ: انہیں ساتھیوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا۔ آپ کی قبر سے نور کا ایک شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا۔ اور اس منظر کو دوسری طرف والوں نے بھی جو اس جگہ کے قریب تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کی ایک جماعت آئی اور اس نے پوچھا کہ یہ شخص کون تھا جسے رات تم نے دفن کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

جب حضور کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے۔ اس نبی کی قبر کی شان کیا ہوگی جس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہوگا اور زمین بھی اپنی برکتیں اگلتی ہوں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منبعِ نور ہوگی۔

---

[1] شرح سیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۴۳

بلفظِ صلوٰۃ کے لفظوں میں منقول ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۱) ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[1]

ترجمہ: بیشک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی مجھ پر سلام پڑھے تو وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) یبلغونی صلوٰۃ من صلی علی من امتی۔[2]

ترجمہ: وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے

(۳) ان صلوٰتکم معروضۃ علی۔

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے بعض روایات میں صرف صلوٰۃ کا بیان ہے بعض میں صرف سلام کا ــــ اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے ہیں اور سلام بھی ــــ دونوں میں افراد ہو تو بھی احناف کے ہاں جائز ہے اور صلوٰۃ و سلام اکٹھے پڑھے جائیں تو بھی جائز ہے اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں صلوٰۃ و سلام حضورؐ کو دور سے مخاطب کر کے بھی عرض کیا جا سکتا ہے بایں اعتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روضۂ پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہ میں پیش کر رہا ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ بایں اعتقاد کہ آپ خود سنتے ہیں

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سنتے ہیں یا نہیں۔

---

[1] رواہ النسائی جلد ۱ صفحہ [illegible]، مسند امام احمد جلد [illegible] صفحہ [illegible]، سنن دارمی صفحہ ۳۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ جلد [illegible] البدایہ والنہایہ جلد ۱ صفحہ [illegible]، الجامع الصغیر جلد ۱ صفحہ [illegible]، مشکوٰۃ صفحہ ۸۶، تقریرات حدیث مولانا حسین علی صفحہ [illegible]

[2] رواہ الدار قطنی (القول البدیع صفحہ [illegible])

البحث الثانی — فی بیان الشاہد من الحدیث

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کے متن میں ہم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت پیش کر سکتے ہیں۔ امام نسائیؒ اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر جا ملتی ہیں:-

اخبرنا عبد الوہاب بن عبد الحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفیان بن سعیدؒ و اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و عبد الرزاق (کلاھما) عن سفیان۔

سند حضرت سفیان بن سعید الثوری:-

عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔[1]

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروف سیاحت ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی متعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام عرض کرتے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں: قبر مبارک پر پہنچ کر — قبر کہاں ہے؟ زمین پر — حدیث میں ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے۔ جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں، قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے۔ فرشتے درود بھیجنے والوں اور حضور کے مابین مصروف سیاحت رہتے ہیں۔ وہ درود بھیجتے نہیں اور یہ پہنچاتے ہیں۔ اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ آپ تک ان کا

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

ہر آئینہ خدا سے را فرشتگان اند سیر کنندگان در زمین کہ می رسانند مرا از امت من

سلام را و بتواتر رسیدہ ایں معنی است

ترجمہ: بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے، مجھے میری امت

کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا مضمون جو مسئلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں چھپا ہے اور جس سے محدث جلیل حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور (سیدو کی تحصیل و ضلع کیمبل پور) نے جس سے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے کی دعوت دی ہے۔ وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہ درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔[1]

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی متفق علیہ عقیدہ پر جمع ہو جائیں اور روضہ اقدس کا یہ سماع تسلیم کر لیں۔

البحث الثالث ـــــ الحجر الملقی فی تحقیق اسانید ابی الشیخ والبیہقی

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسے مروی بتایا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث کو حافظ ابو الشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور احد الاعلام ہیں،[2] کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کرتے ہیں اور امام بیہقیؒ اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ اصبہانی اور بیہقی کی سندیں الگ الگ ہیں۔ اصبہانی کی سند جید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اور بیہقی کی سند کا ایک

---

[1] ماہنامہ تعلیم القرآن جلد ۲ ص ۱۱ [2] معارف الحدیث جلد ۵ ص [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص

راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ جید سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ و دانستہ قول رسول کی تضحیک کی جائے۔ یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ جب نبی کا ترجمہ اس عذاب کی زد میں ہے۔ ہدانا اللہ تعالیٰ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق بخشے۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما اسے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور ان کے حاشیہ میں ابو عبد الرحمن محمد بن مروان پر جرح ہوئی ہے۔ اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابو الشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پینترا بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن تو کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے اور یہ حدیث کہتی ہے مُردے سُنتے ہیں۔ ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اوّلاً تو یہ بات ہی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مُردے نہیں سُنتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہے، اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام ضابطہ ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اموات غیر احیاء سے اور قد خلت من قبلہ الرسل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں۔ دلائل خاص اور دلیل عام کا ایسا کربناک منظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماع موتیٰ کی بحث لانا چاہتے ہیں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب حقیقت ہی کھلی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا یہ عذر دور کہ یہ حدیث ضعیف ہے ختم کیا جاتا ہے تو پھر کس جرأت سے قادیانی طرز استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ائمہ اسلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن کے

تیار نہیں ہیں اسکے علاوہ چونکہ اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کرسکیں گے۔ ولو کان بعضہم لبعض ظہیرا۔

مغالطے کا ایک اور انداز

بیہقی کی سند کا راوی ابو عبدالرحمٰن محمد بن مروان ہے اور ابو الشیخ کی روایت کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج (...) ہے جو ضعیف نہیں۔ عبدالرحمٰن کا نام چونکہ دونوں میں آگیا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبدالرحمٰن کی جرح عبدالرحمٰن بن احمد پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابو الشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم۔

المبحث الرابع

تحقیق رواۃ سند ابی الشیخ

① ابو الشیخ الاصبہانی ② ابو صالح عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج

③ الامام الحافظ حسن الصباح ④ ابو معاویہ محمد بن خازم

⑤ سلیمان بن مہران الاعمش ⑥ ابو صالح ذکوان (السمان الزیات)

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

① —— ابو الشیخ الاصبہانی

آپ مشہور محدث ہیں، ان کو حافظ، امام اور مسند زمان کہتے ہیں۔ ان کے ثقہ و عادل ہونے کو تسلیم کرتے

نہ عبدالرحمٰن بن احمد سے ہی ابو محمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ اصبہان ج۲ ص۱۱۳) اور ابو الشیخ اصبہانی بھی (دیکھئے ج۱ الاخبار حافظ ابن القیم ص[illegible]) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دو ثقہ روایت کریں اس کی جہالت ختم ہو جاتی ہے (دیکھئے سنن دارقطنی جلد ۲ ص۱۷۴) ترتیب الاحسن پر مشتمل سند کو علماء محققین نے حجت تسلیم کیا ہے۔ من روی عنہ ثقتان فقد ارتفعت جہالتہ وثبتت عدالتہ۔ تو کیا اب بھی عبدالرحمٰن کی تعدیل نہ ہوگی۔ اس اصول کے لیے دیکھئے: (فتح المغیث ص[illegible])

ہیں۔ ابن مردویہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔[1]

ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ — ہو الحافظ الکبیر ... ثقہ۔[2]

② — ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج

والد کا نام ابو یحییٰ۔ ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے تاریخ اصفہان جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی ہیں اور انہوں نے مسلم بن شبیب اور الامام الحافظ حسن بن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی مسلم بن شبیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

احد الثقات حدث عنہ الائمۃ والنقد من ترکہ[3]

مسلم بن شبیب سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبد الرحمن بن احمد بھی ہیں۔

البتہ عبد الرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے۔

قال ابو الشیخ لم یکن بالقوی — فی الحدیث۔[4]

③ — الحسن بن الصباح

صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ ذہبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر عظمت الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ خدا کا خوف کریں۔[5]

④ — ابو معاویہ محمد بن خازم

کوفے کے مشہور محدث تھے۔ حافظ ذہبی انہیں حافظ اور ثبت کہتے ہیں۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں کسی اور سے روایت کریں تو ہو سکتا ہے اس میں کچھ اضطراب ہو۔[6]

---

[1] دیکھئے تذکرۃ الذہبی جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ [2] لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۹۰ [3]
[4] لسان المیزان جلد ۵ صفحہ ۱۷ [5] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۵۵ [6] دیکھئے تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۱

یحییٰ بن معین کہتے ہیں اعمش سے روایت کرنے میں ثبت ہیں۔[1]

⑤ — سلیمان بن مہران الاعمش

صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں مگر تشیع کا الزام ہے۔ مگر ان والی تشیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی۔ تحریف قرآن، عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ روافض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا، نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

⑥ — ابو صالح ذکوان

صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں:۔

ثقة ثقة من اجل الناس واوثقهم[2]

ترجمہ: ثقہ ثقہ ہیں بڑے اونچے لوگوں میں سے اور سب سے زیادہ ثقہ ترین لوگوں میں سے تھے

اور ہم نے دیکھا تمام راویوں کی جانچ پڑتال، منکرین حدیث سب جرح سامنے لاتے

کہ جناب یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ حدیث متصل بالقرآن ہے یا نہیں۔ یہی راہ سلامتی کے

زیادہ قریب ہے۔ اب دیکھئے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس

کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:۔

① — شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

② — حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ)

③ — خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

④ — سخاویؒ (۹۰۲ھ)

---

[1] حاشیہ تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۲۴ [2] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۸۹

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے جلاء الافہام میں ابو الشیخ کی پوری سند سے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی من بعید اُعلمته [1]

سند یہ ہے:

قال ابو الشیخ فی کتاب الصلاۃ حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسین بن الصباح حدثنا ابو معاویۃ حدثنا الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور کتاب الروح میں لکھا ہے:

وقد صح عنه ان الله تعالیٰ وکّل بقبره الملائکة یبلغونه عن امته السلام۔

ترجمہ: اور حضورؐ سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی قبر پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو حضورؐ کو آپ کی امت کا صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام تم تک پہنچاتے ہیں کہ حضورؐ یہاں خود سنتے ہیں اور تم تو یہاں آنے کا کیا مطلب ـــــ اور جو دور سے درود پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔

یہ حافظ ابن قیم کا عقیدہ ہے اس حدیث کی انہوں نے سند کی پوری تصدیق کی ہے ـــــ پھر لکھتے ہیں:

فالروح هذه ولها اتصال بالبدن فی القبر واشراق علیه وتعلق به بحیث یصلی فی قبره ویرد سلام من سلم علیه [2]

ترجمہ: روح اقدس اپنے مقر میں ہے اور اس کا قبر میں بدن اطہر سے ایک خاص اتصال اور ایک تعلق ہے اس طرح کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضورؐ اپنے روضۂ اقدس پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

---

[1] جلاء الافہام ص [illegible] [2] کتاب الروح ص [illegible] طبع حیدرآباد

④ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت

اخرج ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته۔[۱]

ترجمہ: ابوالشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے ہیں جو صلوا علی فان صلوتکم تبلغنی ہے اس کے بعد آپ اس کے شواہد ذکر کرتے ہیں ① پہلا ابوداؤد کی روایت سے ② دوسرا ابوالشیخ کی روایت سے ③ تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوتکم معروضۃ علی سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ اس روایت کو لائق قبول بتا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھا دی ہے ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ صاف یہ بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔ ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے:-

ومن شواہد الحدیث ما اخرجه ابو داؤد من حدیث ابی ہریرۃ رفعه وقال فیه وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم سنده صحیح واخرجه ابو الشیخ فی کتاب الثواب بسند جید بلفظ من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته وعند ابی داؤد والنسائی وصححه ابن خزیمة وغیرہ عن اوس الحدیث فان صلاتکم معروضة علی قالوا کیف تعرض وقد ارمت۔[۲]

۱؎ فتح الباری جلد ۔ ص

④ حافظ شمس الدین سخاویؒ کی شہادت

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جید۔[1]

ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابو الشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے عمدہ ہے۔

⑤ علامہ ابن حجر مکیؒ کی شہادت

اذا صلی وسلم عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ویرد علیہ من غیر واسطۃ وان صلی وسلم من بعید لم یسمعہ الا بواسطۃ، ویدل علیہ احادیث کثیرۃ۔[2]

ترجمہ: جب کوئی درود وسلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور سلام کا جواب بلا واسطہ دیتے ہیں اور اگر درود وسلام دور سے پڑھا تو آپ اسے نہیں سنتے مگر فرشتوں کے واسطے سے۔ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

اور الجوہر المنظم میں لکھتے ہیں۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یبلغہ الصلوٰۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعھما اذا کان عند قبرہ الشریف بلا واسطۃ۔[3]

ترجمہ: بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو درود وسلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آتے ہیں اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

---

[1] القول البدیع ص۱۵۴ [2] شرح ہمزیہ ص— [3] الجوہر المنظم ص۱۲

تعیین ہوئی جیسا کہ گزر چکا۔ تو شکل یہ لیا جائے گا کہ قریب سے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا۔ اور یہ صحت یہ روایت بھی امام بیہقی کے شعب میں ذکر کی جا چکی ہے

⑥ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

باوجودیکہ آپ اس کی سند پر جرح کرتے ہیں اس کے راوی محمد بن مروان السدی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو باطل قرار نہیں دیتے بلکہ تلقی بالقبول ہے[1]

⑦ علامہ شہاب الدین الخفاجیؒ (۱۰۶۹ھ)

ومما تقرر في هذه الأحاديث علم أنه صلى الله عليه وسلم تبلغه الصلاة والسلام إذا صدرا من بعيد ويسمعهما إذا كان عنده قبره الشريف بلا واسطة۔[2]

لأنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره يسمع من زاره۔[3]

ترجمہ: ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درود و سلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے کہے جائیں اور آپ انہیں خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے ــــ یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

⑧ حضرت علامہ عبد الرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا أي بعيدا (أبلغته) أي أخبرت به من أحد من الملائكة وذلك لأن لروحه تعلقا بمقر بدنه الشريف وحرام على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء۔[4]

۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ [illegible] ۲۔ شیم الریاض جلد ۳ صفحہ [illegible] ۳۔ ایضاً صفحہ [illegible] ۴۔ فیض القدیر جلد ۶ صفحہ [illegible]

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھتے ہیں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے
پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے فرشتوں میں سے کوئی مجھے اس کی اطلاع دے دیتا
ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقر جسد و قبر مبارک سے ایک تعلق
ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

⑨ ملا علی القاری علیہ رحمۃ ربہ الباری (م ۱۰۱۴ھ)

① ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید۔[1]

ترجمہ: اس حدیث کو ابوالشیخ اور ابن حبان نے ثواب الاعمال میں سند جید سے روایت کیا ہے

② من صلی علی عند قبری سمعتہ ای سماعا حقیقیا بلا واسطۃ۔[2]

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور پر سنتا
ہوں بلا واسطہ۔

③ انہ قد ثبت ان من صلی علیہ نائیا بلغہ ومن صلی علیہ عند قبرہ سمعہ۔[3]

ترجمہ: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے درود پڑھے وہ آپ کو
پہنچایا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

④ ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ورد علیہ من
غیر واسطۃ۔ لما جاء فی حدیث بسند جید من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی
علی من بعید اعلمتہ۔[4] ترجمہ: زائر جب آپ کی قبر کے پاس آ کر آپ پر درود و سلام پڑھے تو
آپ اسے حقیقتاً سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ۔۔۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے سند جید کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھتا ہے
وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

[illegible] [1] مرقات [illegible] [2] شرح شفاء جلد [illegible] [3] مرقات جلد [illegible] [4] الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ [illegible] تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۷۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ)

خود حضور کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت عبداللہ بن مسعود آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کرنے والے مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔[1]

۱۸۔ مولانا عبدالغفور غزنوی امرتسری (مترجم مشکوٰۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم کے سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہل حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔[2]

۱۹۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعلیقات السلفیہ

انما احیاء فی قبورهم یصلون وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً بلغته۔[3]

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور بعید سے صلوٰۃ وسلام پہنچ جاتا ہے اس سماع اور صلوٰۃ وسلام کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔[4]

۱؎ نشر الطیب ص ۱۶۸ ۲؎ حاشیہ مشکوٰۃ باب الجمعہ ۳؎ التعلیقات السلفیہ ۴؎ تسکین الصدور

چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہل سنت کہلاتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد الہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

فاما ذلك الحديث وان كان معناه صحيحا فاسناده لا يحتج به وانما يثبت معناه بأحاديث اخر فانه لا يعرف الا من حديث محمد بن مروان السدي الصغير عن الاعمش كما ظنه البيهقي وما ظنه في هذا هو متفق عليه۔

ترجمہ۔ اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جا سکے یہ معنی کہ حضور اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان ہی یہ حدیث لے رہے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو سوچئے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور وہ کوفہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا شخص اس شخص پر حجت نہیں جسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں راوی محمد بن مروان منفرد ہے۔ اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ امام بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے ان کے اپنے طریق اور علم کے مطابق درست ہے۔

ے الصارم المنکی ص

من ذلك يعلم ان الجودة تعبير يراد به الصحة[1]

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جید بولنے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام ترمذی جیسے بزرگ مختلف احادیث پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں۔ آپ نے اپنی سنن کے ابواب الطب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے۔

هذا حديث جيد غريب[2]

دعوئے غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن تیمیہ نے ابو الشیخ کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں۔ ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔

اس حدیث کی اکثر روایات میں أبلغته یا بلغته کے الفاظ ہیں۔ متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخوں کے اختلاف کا نشان موجود ہے۔ لیکن ابو الشیخ کی روایت میں اعلمته (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغته میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلمته میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایتیں ابلغته کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلمته کے الفاظ کو بھی اسی معنیٰ میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباین نہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے۔ اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا لکھا ہے ہی اٹھا کر دیکھ لیں۔

ان الغرابة لاتنافي الصحة۔ حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔

---

[1] تدریب الراوی ص [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص

کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے ..

فرفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ وقال اللہ اکبر خربت خیبر ... قال ابو عبد اللہ دع فرفع

یدیہ خالف اصحاب ان لا یکون معنی ظاہر ولکن خیبر فرفع یدیہ فانہ غریب جدا[1]

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان سدی صغیر جو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے اس پر مشتمل سند کو

کمزور تو کہا جا سکتا ہے موضوع نہیں اور ابو الشیخ کی سند تو باتفاق جید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی

۱۹۶۲ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے:

اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے۔ اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور

کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے ... ملا علی قاری

الحنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال میرک نقلا عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ

...... باسناد جید[2]

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا

مخالف نظر نہ آئے گا۔ پھر کسی خطیب اور منطقی کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام

کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہے کہ وہ اعجاز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری علیہ

رحمۃ الباری فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں۔

وفیہا اشعار بان من خالف السنۃ وان کان فی الظاہر متزینا خطیبا مکرما

عند الناس فہو فی الحقیقۃ نجس اخس من الکلب[3]

ترجمہ اور اس میں اس طرف رہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے

گو ظاہر وہ بڑا بنا ٹھنا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اچھے لوگوں میں اس کا

مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خسیس ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۱۵ [2] ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۲۴ [3] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص

(ماخوذ از حیات الانبیاء ص ۱۵۴)

یہ ابوالشیخ کی سند جید سے بھی ہوتی تو اصولاً بیہقی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی اس لیے کہ وہ پہنچ رہی ہے کہ علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کرلیں وہ دوسروں کے لیے حجت ہو جاتی ہے اور فقہاء کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

(۱) حافظ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) بھی اسی پر ایک روایت پر لکھتے ہیں۔

لان الفقهاء قد تلقت هذا الحديث بالقبول وعملوا به فثبت حجته

بمنزلة التواتر كقوله عليه السلام لا وصية لوارث۔[1]

(۲) حافظ ابن عبدالبر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اسی اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتمد ٹھہراتے ہیں۔ قاضی شوکانی (ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:

ثم حكم ابن عبد البر مع ذلك بصحته لتلقي العلماء له بالقبول۔[2]

ترجمہ: اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبدالبر نے اسے صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

(۳) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ) حدیث من صلی علیّ عند قبری کو ضعیف کہتے ہیں (اگرچہ ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں) لیکن وہ اس کے معنی سے بوجہ تلقی بالقبول پوری طرح متفق ہیں۔[3] حدیث کی سند کا مستحکم نہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط ہونا اور بات ہے۔ اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تلقی بالقبول سے کبھی کوئی حدیث احتجاج کا درجہ نہ پاتی — تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید سند کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس کے جید السند ہونے کا علمائے کبار کی ایک جماعت نے اقرار کیا ہے۔

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۰۹ [2] نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۰ [3] دیکھئے الصارم المنکی صفحہ ۱۴۳

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا لفظ مزور پر برتری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مزید نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نواز رکھا ہے اس کے لیے زیارت کا لفظ کیوں ہو؟

فقہاء احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارۃ النبی یا زیارۃ الرسول کا عنوان اختیار فرماتے ہیں یہ حاضری قبر پر حاضری نہیں آپ کی خدمت میں حاضری ہے اور نہیں تو نور الایضاح جو عام فقہی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے۔

ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ فانہ یسمعہا[1]

ترجمہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت چاہے اسے چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضورؐ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضۂ اطہر پر حاضری آپ کی خدمت میں حاضری ہے حضورؐ کی خدمت میں یہاں تصور رہا کہ حضورؐ میرے لیے اللہ رب العزت سے مغفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے۔ حضورؐ کی اس دنیاوی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا۔

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (پ ۵ النساء ع ۹ آیت ۶۴)

ترجمہ۔ اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کے پاس آتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار چاہتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پاتے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی میں ہے۔ یہ کسی صورت میں متصور ہے کہ وہ حضورؐ کو روضہ انور میں حیات سمجھے۔[2]

---

[1] نور الایضاح ص ۱۷۸ الطحاوی ص ۴۴۲ [2] جذب القلوب ص ۲۲۲ فارسی

قبر مبارک پر حاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھے کہ یہ غائبانہ پکار ہے اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ روضۂ اقدس پر عرض کی گئی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں ہے:۔

عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔
اللّٰھم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

الجواب صحیح	(مولانا) عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی
لاشی (مولانا) غلام اللہ خان	۲۲ صفر ۱۳۷۹ھ

مہر دارالافتاء

حضور کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

آنحضرت پر درود اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات پیرایہ شریعت کے خلاف نہ ہو لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے۔ حافظ ابن ہمام اسکندری نے یہ جو سلام لکھے ہیں:۔

① السلام علیک یا رسول اللہ ② السلام علیک یا خیر خلق اللہ

③ السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ ④ السلام علیک یا حبیب اللہ۔

⑤ السلام علیک یا سید ولد آدم۔ ⑥ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر اپنے عقیدۂ توحید و رسالت کا اقرار اور حضورؐ کے احسانات کا بار بار اعتراف کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے۔

یا رسول اللہ انی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ — وانک عبدہ ورسولہ — واشہد انک یا رسول اللہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانۃ ونصحت الامۃ وکشفت الغمۃ فجزاک اللہ عنا خیرا جزاک اللہ عنا افضل ما جازی نبیا عن امتہ۔

اللّٰھم اعط سیدنا عبدک ورسولک محمداً الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المنزل المقرب عندک انک سبحانک ذو الفضل العظیم

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور بہتے آنسوؤں سے شفاعت کی درخواست کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضورؐ یہ ہستی اب آپ کے حضور میں ہے۔ قبر کے حضور حاضر ہے آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کرنے کے مقام پر آپ کے سوا کوئی نہ جا سکے گا۔

اپنے ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر پر سلام عرض کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی مجمع میں اس کا نام مع ولدیت کے ذکر کرے۔

السلام علیک یا رسول اللہ من ——— بن ———

گنبدِ خضریٰ کے سب مکینوں پہ سلام ہو

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ پہ بھی سلام عرض کرے۔ یہ حضرات گو انبیاء میں سے نہیں لیکن ان کا قرب ایسا متعلق ہو سکیں [illegible] سبب

کہ حضور، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خمیر ایک مٹی سے ہوا کما رواہ الخطیب۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبد خضریٰ پر عرض کیے گئے سلام کو سنتے ہیں اور مسلمان کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں۔ ابن ہمام لکھتے ہیں۔

یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے[1] اور ان کو سلام بھی عرض کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

ویبلغه سلام من اوصاه فیقول السلام علیک یا رسول اللہ من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک فاشفع له ولجمیع المسلمین[2]

ترجمہ: اور زائر حضور کو اس کا سلام پہنچائے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے حضور فلاں بن فلاں کا سلام عرض کرتا ہے وہ آپ سے شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔

انبیاء تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اور ملا کے بعد الوفات اپنی قبر ملا پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کاملین اور شہداء و صالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں۔ اور وجہ وسعت اس سے مستثنیٰ نہیں انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قول اسلام میں قطعی یقینی درجہ رکھتا ہے اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں۔

قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتیٰ اس کے مجوز ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر کے شفاعت مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔[3]

---

۱ [illegible] جلد [illegible] ۲ فتاویٰ عالمگیری جلد [illegible] ۳ فتاویٰ رشیدیہ جلد ا صفحہ [illegible]

ہمارے دور کے کئی حضرات نے اپنے اس موقف کو تقویت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ مردے نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ و سلام سنے جانے کی روایت نعوذ باللہ قرآن کے معارض ہیں۔ مناسب ہو گا کہ پہلے ہم ان مباحث کو بھی اٹھاتے جائیں

إن تدعوهم لا يسمعوا دعاءكم ولو سمعوا ما استجابوا لكم ويوم القيامة

يكفرون بشرككم ولا ينبئك مثل خبير ۝ (پ ۲۲، فاطر ع ۲، آیت ۱۴)

ترجمہ: اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خبیر کے بتاتی ہے۔

ومن أضل ممن يدعو من دون الله من لا يستجيب له إلى يوم القيامة

وهم عن دعائهم غافلون ۝ (پ ۲۶، الاحقاف آیت ۵)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو جو نہ پہنچے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں

(۱) ——— ان دونوں آیتوں میں کہیں بھی سماع سے سننے کی نفی نہیں —— دونوں جگہ پکار سننے کی نفی ہے، پکار کے کہتے ہیں دور سے بلانے کو —— دور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سنتے —— سو ان آیتوں سے حضورؐ کی قبر مبارک پر عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہ سننے کے معرض میں لانا اور ان کے سننے کی نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے، یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں اس کی کچھ وقعت نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو عدم سماع پر پڑھنا اور آ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا امر دیگر ہے ولیست باول قارورۃ کسرت فی الاسلام تلبیسًا علی الاسلام من کان یکید۔

③ —— پھر اُن مدعوین سے براہِ راست انبیاء و شہداء اور اولیاء اور یہ کہ وہ کبھی بھی سنتے نہیں کیا یہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آئی ہی نہیں، اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء اور شہداء کو ٹھہرانا سلف صالحین کا کیا یہی طریق تھا۔ اس پر بھی کچھ غور فرمالیں۔

کیا تفسیر مظہری جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ پر بیان میں پتھروں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لانھا جمادات لا ارواح لھا۔ کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟ قاضی شوکانی کو لیجئے لکونھا جمادات۔ تفسیر فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۴۴ کیا آپ کے سامنے نہیں۔

مفسر حقانی نے لکھا ہے:۔

اگر تم ان کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے، کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔[1]

مگر آپ ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لامحالہ دعا کو بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور اپنے روضہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو نہیں سنتے۔

④ —— پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ "انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا" کیا صحیح ترجمہ ہے؟ مراد یہ ہے کہ نہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

لقد كنت في غفلة من هذا فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد

(پ ۲۶ ق ع ۲)

ترجمہ: تو بے خبر رہا اس دن سے سو ہم نے اٹھا دیا تیرا پردہ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

---

[1] تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۱

سے مشرف ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں!

مولانا حسین علی مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر کے بڑے منکر تھے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے لکھتے ہیں:

"میں اور مولانا غلام اللہ خان عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کو وفات کے بعد برزخی حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قریب میں جب درود شریف پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی دعا کو ہر وقت سنتا اور دیکھتا ہے...... الخ"

مولانا عبد الرحمٰن جامی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پہ حاضری دیتے تو درود و سلام کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے:

خواجہ بسفر مے روم چہ فرمائی

"آقا میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے" جواب تھا۔

بسلامت روے و باز آئی

"سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں"

ایک سال صرف یہ جواب ملا "بسلامت روی" پھر آنے کی بات نہ آئی اور واقعات نے بتایا کہ یہ آخری حاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود و سلام ہی نہیں سنتے تمنا بھی سن لیتے ہیں اور خواہش بھی۔ اور یہ سب منشا اور مشیت اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جامیؒ کی بات مگر آپ کو پتہ نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۲۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضہ اطہر پر حضور اکرم کو یارسول اللہ کہہ کر خطاب کیا۔

یارسول اللہ استسق لامتک فانہم ھلکوا[1]

ترجمہ۔ یارسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔
پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں یہ سنہ ۱۸ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا۔

ائت عمر فاقرأہ السلام واخبرہ انہم مسقون۔[2]

ترجمہ۔ آپ عمرؓ کے پاس جائیں اور ان سے میرا سلام کہیں۔ اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہو صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ وسلام ہی نہیں کہتے تھے کوئی ضرورت داشت و بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے۔ حضرت امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاویہ محمد بن خازم سے لی ہے اور یہ اس کی سند ہے جو

---

[1] تحریرات حدیث، حضرت مولانا حسین علی مرحوم ص ۱۹۵ [2] وفاء الوفاء للسمہودی جلد ۲ صفحہ ۱۳۷۲

حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ کو بطریق ابی الشیخ ہم پیش کر آئے ہیں

ابو معاویہ محمد بن الخازم (م ۱۹۵ھ)　　الاعمش (م ۱۴۸ھ)　　ابو صالح ذکوان السمان

اس حدیث کو ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس حدیث کو حضرت مالک الدار سے نقل کرتا ہے حضرت مالک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا دور پایا ہے۔ یہ سند متصل ہے اور اس کے جملہ روای ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) نے تاریخ الملوک والامم جلد ۴ صفحہ ۲۲۴ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۳۰ھ) نے اپنی تاریخ میں الکامل جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آئیے اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں علامہ سبکی نے شفاء السقام صفحہ ۱۳۰ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے امام بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ھذا اسناد صحیح [1]

ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) پوری تصدیق کرتے ہیں۔

رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان [2]

پھر علامہ سمہودی (م ۹۱۱ھ) نے وفاء الوفاء میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے جلد ۲ صفحہ ۱۳۷

روضہ انور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری دیتے تو یوں سلام عرض کرتے۔

السلام علیک یا رسول اللہ [3]

اور شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی یوں سلام پڑھتے۔

السلام علیک یا ابا بکر　　السلام علیک یا ابتاہ

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۹۲ [2] فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۹۵ [3] المصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۷۶ المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۴ صفحہ ۱۳۸

الباب الثانی وفیہ خمسۃ فصول

الفصل الاول

مسلک خلفائے راشدینؓ

شانِ ورود خطبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضور پیغمبر خدا ﷺ کی احادیث شریفہ روضۂ منورہ کی حیات جسمانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ
کے سامنے آچکیں۔ اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا فیصلہ بھی ملاحظہ
ہو۔ وفات النبی ﷺ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا
تھا۔ اب اس کے بعد حیات النبی ﷺ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے جس سے بڑھ کر اور کون
ذات نبوت کا نبض شناس ہو سکتا ہے۔ پہلے شانِ ورود دیکھئے:۔

نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دنیا کے
احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلب مطہر پوری طرح عالم بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا
تھا۔ ان اوقات میں جسم مبارک پر غشی وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمام وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیت ملکی
سے کیفیت بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے
تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ پر جب ارادۂ موت کا وقوعہ طاری ہوا تو بعض صحابہؓ نے اس ورود وفات کو

نہیں ——— ماحول عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے، بہرحال انسانوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا، موت کی کیفیات بھی کچھ ان سے مخفی نہ تھیں، اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔

پھر آخر ان کا وقوعِ موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشا کیا ہے ——؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزولِ وحی کی بعض کیفیات میں حسِ دنیا کے احساسات سے منقطع ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ورودِ وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیۃً منقطع نہ ہوئی تھی، صرف آثارِ حیات سلب ہو گئے تھے اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالمِ برزخ میں منتقل ہو سکے اور پردۂ قبر میں تشریف لے جا سکیں، حضرت فاروق اعظم کی نگاہیں اس حیات تک پہنچ رہی تھیں، جو زیرِ پردہ مستور رہی تھی اور آخر حقیقت کا مقام کچھ کم مبتنی برتوجہ نہ تھا اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوعِ موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجہ سے حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورتِ پیش آمدہ اور حالات واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ ابھی باقی ہے۔ پیشتر ازیں وہ آیت شریفہ انک میت وانھم میتون کے پیش نظر آپ پر قرائنِ موت کا تیقن نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورتِ پیش آمدہ اور کیفیتِ واقعہ ہی کو وفاتِ نبی کہا اور آیاتِ قرآنیہ، جن میں آپ پر ورودِ وفات کی پیشگوئیاں یا امکان کا بیان تھا، ان کا مشار الیہ اسی قسم کی موت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ؛ جیسے عمومی مفہوم میں زیرِ نظر تھیں اور انہیں شرحِ صدر ہو گیا کہ ان آیاتِ شریفہ کا منشاء وفات النبی کے متعلق کیا ہے؟ فرمانے لگے کہ

ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا۔

"گویا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضورؐ کے متعلق وعدہ موت اگر انہی معنوں میں ہوتا جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی، تو حضرت فاروق اعظمؓ حافظ قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے۔

کانی لم اقرأها الا یومئذ۔

ترجمہ: گویا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاف ہے کہ آنحضرتؐ پر وفات شریفہ کا ورود کچھ ایسے طریق سے ہوا جو عام ورود انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جسم مبارک سے قرائن موت کچھ ایسے عیاں نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔ آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا۔ اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا۔ جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرائن موت سے تطبیق محال تھی وہ ان قرائن کو شک سمجھتے رہے کیونکہ ان کے حاشیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے جو عام طور پر معروف ہیں۔ اور جس ہستی مقدسہ کو رازدار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، ورود وفات سے متصادم نہ جانا تھا۔ اس وجہ سے حیات اور وقوع وفات میں کوئی تعارض تخیل نہ کیا۔ اعلان فرمایا۔

فان محمدا قد مات[1]

ترجمہ: حضورؐ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش آمدہ کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرائن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر ورود وفات کے قائل ہو

---

[1] بخاری شریف جلد [illegible]

گئے. باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

معنی قولہ کانی لم اسمعہا این است کہ استنباط این آیت مائل گردانید او را بسوئے تتبع قرآن و پیش ازیں التفات بآں نداشت لہ

ترجمہ: آپ کے اس ارشاد کا کہ گویا یہ آیت میں نے پہلے سنی ہی نہ تھی یہ مطلب یہی ہے کہ اس آیت کے استنباط نے انہیں تتبع قرآن کی طرف متوجہ کر دیا اور یہ صورت پیش آمدہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے اور پیش ازیں آپ کو (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکار وفات کو عام جذبات محبت پر محمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش آمدہ میں ان حضرات کرامؓ میں کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا نہیں اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرآن سے اسے آیت انک میت وانہم میتون سے متعلق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ مختلف تھی۔ ورنہ اول وہلہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح نہ آئے گی جس طرح عام دوسرے انسانوں پر آتی ہے اس لیے فرمایا کہ نہیں آئی جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ وفات پر بھی آپ کی ذات کا اسی طرح پہنچے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کی حیات تھی آپ کی ایک مدت ختم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پہ آپ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا تحقق کرنا ہوگا — یہ حضرت عمرؓ نے بالآخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح صدور وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام طور سے دوسرے موقعوں پہ کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی۔

لہ قرۃ العینین صفحہ ۳۸

تنوع موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرام نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا

اختصاصات لوفات سید الکائنات

(۱) ——— آپ کو آخری غسل پہنے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا، کرتہ تک جسم اطہر سے جدا نہ کیا گیا۔

(۲) ——— نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی، بلکہ اسے کسی دوسرے طریقے سے ادا کیا گیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

(۳) ——— اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم شریعت میں ہے، اس کے خلاف تقریباً پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس معاملہ میں جلدی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

(۴) ——— پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیز مسکن یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنا دیا گیا، اور آپ اسی میں دفن کئے گئے۔

(۵) ——— اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا قانون جاری نہیں کیا گیا، بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں۔

(۲) ——— اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مخصوص حجروں کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ کے متاع سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام و معاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا۔"

تنوع موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ چلے کہ کیا شریعت مطہرہ نے اس کے متعلق بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟

جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے:۔

النوم اخو الموت[1]

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

---

[1] جاء فی حدیث النوم اخو الموت (فیض الباری جلد [illegible] ص [illegible]) یراجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اہل الجنۃ من الجامع الصغیر (تحفۃ الاسلام للشیخ الانور ص [illegible]) وکذلک فی کتاب الروح ص [illegible] والتعلیقات علی النبراس ص [illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون ان کے ساتھ تھے۔ جب عین منزلِ مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی۔ حضرت یوشع نے فرمایا۔

لا اوقظہ[1] میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔

انبیاء کو خوابِ استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں ان پر کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں گویا نیند کے یہ سبب حرمت بنا جاتے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ترجمان السنۃ لکھتے ہیں:۔

پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کو بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے۔ وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے۔ مگر وہ بشر کی موت کی طرح نہیں یہاں بھی ان کو خاص امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے[2]

سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا
ہم نسبت سمجھتے ہیں اک باب ہے موت یہ ہم بھی

ان حقائق کی روشنی میں غور فرمائیے کہ تنوعِ موت کا انکار اور پیرائے شرعی مدارک پھر ذکر احادیث فی الفقہ کے ارادے سے انکار کرنا کون سی شانِ تحقیق ہے۔ تنوعِ موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوعِ حیات کو دیکھئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوعِ حیات سے تنوعِ موت کیسے لازم نہ آئے گا۔ علامہ راغب فرماتے ہیں:۔

الحیاۃ تستعمل علی اوجہ[3] ۔ لفظ حیات کلامِ عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم و احکم فی کل باب

۱؎ بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۹۱ ۲؎ ترجمان السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۸۵ ۳؎ المفردات صفحہ ۱۳۸

اعتقاد والتصدیق بحیات الرفیق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وفات شریفہ وارد ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ مقام سنح میں تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے کہا:۔

ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ آنحضرتؐ پر جو حالت وارد ہے، وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے:۔

واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذالک۔

ترجمہ۔ خدا کی قسم! میرے ضمیر کا یہی فیصلہ تھا۔

حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے تو آپ نے حضورؐ انور کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی، آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور سبے اختیار رو پڑے اور حضورؐ کو مخاطب کرکے کہا:۔

بابی انت وامی طبت حیا ومیتا والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا۔[1]

ترجمہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ حیات و موت دونوں کیفیتوں میں کیسے پاکیزہ ہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔

اما الموتۃ التی کتب اللہ علیک فقد متھا۔[2]

ترجمہ۔ جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن لی تھی کہ آنحضرتؐ پر جو صورت حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے۔

---

[1] بخاری جلد ا صفحہ ۵۱۷ [2] بخاری کتاب الجنائز جلد ا صفحہ ۱۶۶

فکشف عن وجہہ ثم اکب علیہ فقبلہ وبکی ثم قال بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متہا[1]

ترجمہ: پس آپ نے حضورؐ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، پھر آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا، اور رو پڑے، پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا، جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی اس کا ذائقہ آپ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر ہیں۔

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی جس کا اس خصوصیت سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا صرف محبت کے لیے آتا ہے یا اس فدا و تصدیق کے لیے کسی وجہ حیات لازم ہے؟

ثالثاً: یہاں جمع موتتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم پہلے تیسری بحث کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہوم موتتین کی تعیین

لا یجمع اللہ علیک موتتین (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کرے گا) اس کی شرح میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں، پس گہری نظر سے ان کا جائزہ لینا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات حضرت صدیقؓ حضرت عمرؓ کو تردید کے لیے کہہ رہے تھے کیونکہ اگر اس صورت پیش کردہ موت نہ کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت بھی آئے گی اور اس طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوں گی، اس کی نفی کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی جلد ۲ ص

مطلب یقیناً وہی ہے، جو شیخ الاسلام عینیؒ بیان فرما رہے ہیں :-

المراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وهما الموتتان المعروفتان المشهورتان فلذلک ذکرهما بالتعریف وهما الموتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء علیهم السلام فانهم لا یموتون فی قبورهم بل هم احیاء واما سائر الخلق فانهم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامة ومذهب اهل السنة والجماعة ان فی القبر حیوة وموتا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء [1]

ترجمہ: دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے، اور یہ دونوں موتیں تعلیمات اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔ انبیاء کرام اپنی قبروں میں پھر دوسری موت نہیں پاتے۔ بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں موت وارد ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہی ہے کہ سوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں ہیں۔ پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے، ایک جواب کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

واحسن من هذا الجواب ان یقال ان حیاته فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم ولعل هذا هو الحکمة فی تعریف الموتتین حیث قال لا یذیقک الله الموتتین ای المعروفتین المشهورتین الواقعتین

---

[1] عینی شرح بخاری جلد ۸ ص ۳۰ مصر

فکل بعد غیرہ الانبیاء ۔[۱]

ترجمہ۔ احسن ترین جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیات دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی دوبارہ موت نہ ہوگا۔ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشاد نبوت میں موتتین کو الف لام سے لایا گیا ہے۔ پس یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں، دوسری قبر میں) انبیاء کے سوا باقی سب انسانوں پہ وارد ہوتی ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ نور الحق محدث دہلوی شارح بخاری لکھتے ہیں:

و یذیقک اللہ الموتتین ابداً یعنی بعد از موت حیات است۔ بدیں زندہ خواہی بود از آن کہ وے رضی اللہ عنہ دانستہ بود کہ انبیاء در عالم برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلمانان کہ در وقت سوال منکر و نکیر زندہ می کنند آن را باز می میرانند چنانکہ در تفسیر ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین گفتہ اند۔[۲]

پھر ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

قول مختار و معتمد جمہور علماء است کہ انبیاء بعد از ذوق موت زندہ اند بحیات حقیقی۔[۳]

ترجمہ۔ ارشاد نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفات شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے حضرت ابوبکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیائے کرام عالم برزخ میں زندہ ہوتے ہیں باقی عام مسلمان منکر نکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں اور پھر ان پہ قبر میں دوبارہ دوسری موت ہوتی ہے۔

پھر ایک دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں:

موت دوم آنست کہ مسلمانان را در قبر بعد از سوال منکر و نکیر خواہد بود و این

۱؎ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳ مصری بہامش ۲۳ دہلی ۲؎ تیسیر القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲۲۲

جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اند بحیات بعد ممات انبیاء در عالم برزخ و بایں معنی ناطق است آثار و احادیث چنانکہ بر متتبعان پوشیدہ نیست و ایں قول شد واحسن اقوال است [۱]

ترجمہ۔ دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکر و نکیر کے سوالات کے بعد پھر دوبارہ آئے گی یہ جواب جمہور علماء کے فیصلے کے مطابق ہے۔ وہ عالم برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید میں آثار و احادیث وارد ہیں، چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ مخفی نہیں اور ارشاد صدیقی کا یہ معنی ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح سے ہے۔

مراد بنسبت کردن میرد بموت دیگر در قبر چو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شوند برائے سوال باز میرانیدہ می شوند و ظاہر آنست کہ موت دیگر نیست بروے کہ وجہ از جہاں نعمت الٰہی بر اذاقت موت و زندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی و مستمر خواہد بود و ممات بر آں طاری نخواہد شد پس ایں سخن اشارہ است بحیات آں حضرت [۲]

ترجمہ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عام لوگوں کو قبر میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ موت ہوتی ہے۔ آنحضرت پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ ذائقہ وفات چکھنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپ حیات دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپ پر پھر کبھی طاری موت نہ ہوگا۔ اس ارشاد عالی میں حضرت ابوبکرؓ کا اشارہ مسئلہ حیات النبی کی طرف ہی تھا

---

[۱] تیسیر القاری پ ۱۸ جلد ۲ کتاب المغازی ص ۲۳ [۲] مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۹

تنبیہ

عرض کیا جا چکا ہے کہ "لا یذیقک اللّٰہ الموتتین ابداً" کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ اور دوسرے اجلّہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے، اسے صرف انہی کا یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی توجیہ قرار نہیں دیا بلکہ اُسے پورے اہلسنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج من اہل السنۃ ہے:

ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حيوة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء[1]

ترجمہ: پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں، ہاں انبیائے کرام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ حیوۃ فی القبر کے منکر اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی ہوتا ہے۔

تمسك به من انكر الحيوة في القبر واجيب عن اهل السنة .. ان حيوته صلى الله عليه وسلم في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا[2]

ترجمہ: حیوۃ فی القبر کے منکرین بھی کبھی اس خطبۂ صدیقیؓ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں، ان کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور ﷺ روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں، انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آسکے گی۔

---

[1] عینی جلد ۸ صفحہ ۱۲ مصر [2] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۳

اعتقاد الفاروق الاعظمؓ لحیات النبی الخاتمؐ

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا اب حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے۔ پہلے اس اصولی مسئلے کو پیش نظر رکھیے۔

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

(پ ۲۶، حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اور ان کے سامنے بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے تم ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضورؐ کی مجلس میں آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو۔ جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف ہو کر بات کرتے ہو۔ آپ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور تمہارے عمل ضائع ہو جائیں۔

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی (پ ۲۶ حجرات)

ترجمہ: جو لوگ آنحضرتؐ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے منتخب کر لیا ہے۔

اکابر اہلسنت والجماعت مفسرین کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی حجرۂ مبارک روضۂ اطہر کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے۔ مسجد نبویؐ کی حدود میں شرعی ضروریات کے علاوہ آواز بلند نہیں ہونی چاہیے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

قبر شریف کے پاس حاضر ہو۔ وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔[1]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں :-

آنحضرتؐ حیات ہیں، لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبویؐ کی حدود میں بھی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے۔ اس کو حضرتؐ خود سنتے ہیں۔[2]

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

ہیبت پیدا کرتا ہوا۔ بلکہ بہیئت خشوع اور ادب سے مزار کی طرف عرض کرے اور ہر ایک کا سلام کہتا ہو تو عرض کرے: یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک۔[3]

حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد

عن السائب بن یزید قال کنت قائماً فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت فاذا عمر بن الخطابؓ فقال اذھب فأتنی بھذین فجئتہ بھما فقال من انتما او من این انتما قالا من اہل الطائف قال لو کنتما من اہل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[4]

ترجمہ: سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں میں مسجد میں کھڑا تھا کسی شخص نے میرے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ تھے آپ نے فرمایا: جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپؓ نے ان سے پوچھا کہ تم ان لوگوں میں سے ہو، تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اہل طائف میں سے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے سامنے آپ کی موجودگی میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔

---

[1] قواعد القرآن ص ۱۱۹ [2] تذکرۃ الخلیل ص ۱۰۷ [3] زبدۃ المناسک ص ۹ [4] بخاری شریف [illegible]

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ اطہر ہے۔ جس طرح آپ کی اس دنیوی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا۔ اسی طرح آپ کے روضۂ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جسد عنصری سے زندہ ہیں۔ صلوٰۃ و سلام کی آواز کو بلا کسی واسطے کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ اصل ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا جائز نہیں پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف و خلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشائے نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً۔ علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان ابواب میں ذکر کرتے آئے ہیں جو حضور کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں کما نقل عن مالک الامام وغیرہ من ائمۃ الاعلام۔

ثالثاً۔ اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت محض تشریف مسجد کے لیے ہوگی۔ حکم نکیر براہ راست اس اضافت سے متعلق نہ ہوگا حالانکہ حضرت فاروق اعظم نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ پس اس میں تاویل مذکور یقیناً صرف عن الظاہر ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں صرف عن الظاہر درست نہیں ہوتا۔

رابعاً۔ حضرت فاروق اعظم نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی۔ بلکہ اس اضافت ہی کو دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرمادی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام مدینہ باربار نص قرآن اور واضح تعامل کے پیش نظر بدیہی درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرض دلیل میں لائے بغیر ہی منشائے نکیر کے طور پر بیان کیا جا سکے۔

خامساً۔ محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابل اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے، فعلہ عبداللہ بن مسعودؓ کما رواہ الدارمی فی مسندہ، لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول محل نظر ہے

نے اسی سے سمجھے کہ یہ اپنے گھر کے کواڑ باہر جاکر بنواتے تھے تاکہ ان کے بننے کا شور حضورؐ کو اذیت نہ دے) ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے روضۂ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا دستور تھا جب کسی مہم سے فارغ ہوکر واپس مدینہ آتے، تو سب سے پہلے جو کام آپ کرتے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور یہی آپ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

اول کارے کہ عمرؓ ابتدا کرد سلام بر پیغمبر بود صلی اللہ علیہ وسلم[1]

حضرت عثمانؓ کا اعتقاد

امیر المومنین سیدنا حضرت عثمانؓ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ارشاد فرمایا:

روا نہ دارم کہ از دار ہجرت خود مفارقت کنم و مجاورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بگذارم[2]

ترجمہ: میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دار الہجرت کو چھوڑ جاؤں اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ حضورؐ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضور اکرمؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔ اگر وہاں جسد اطہر محض بے جان و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی، تو پھر اس قرب کو آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا، جو جان کے کر اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسولؐ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

---

[1] جذب القلوب ص۲۱۲ [2] ایضاً ص۲۱۲

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) ۳۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

ان معاویۃ لما ودعہ عثمان حین عزم علی الخروج الی الشام عرض علیہ ان یرحل معہ الی الشام فانھم قوم کثیرۃ طاعتھم للامراء فقال لا اختار بجوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواہ۔[1]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں حضورؐ کے جوار ہمسائیگی پر اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس بچی ہوئی زندگی کو قرب رسول سے علیحدہ نہیں کیا۔ خود ذات رسالت سے دوری قرار دیا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر وہاں جگہ کو نہیں چھوڑتے۔ حضورؐ نے فتح مکہ کے باوجود مدینے سے ہجرت کو نہیں چھوڑا۔ حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے۔ آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے اور اپنی جان کو خطرے میں گھرے ہونے کے باوجود آپ نے مدینہ سے ہجرت کو نہ چھوڑا اور کسی وجہ سے بھی اپنے آپ کو حضورؐ سے جدا نہیں ہونا چاہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسول میں نہ رہتے۔ اس سے پتہ چلا کہ جوار رسول یہیں ہے جس جگہ نہیں اور عاشقان رسول وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں جہاں جمال جہاں آرا ہر وقت ان کے سامنے ہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کسی کی موت ہو وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت عثمانؓ نے جوار رسول سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی اب اگلے جہاں میں وہ عالم برزخ میں آپ بدستور جوار رسول میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر حضورؐ کے مزار سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہے۔ حکماً آپ بھی اپنے پیشروؤں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسول میں ہیں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۹۹، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

علاوہ ازیں حافظ عبداللہؒ مصباح الظلام میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی حضور اقدسؐ کے روضۂ اطہر پہ حاضر ہوا اور عرض کی۔

یا رسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا، ہم نے آپ سے سن لیا اور جو کچھ آپ کے قلب سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کر لیا۔ آپ پہ جو آیات نازل ہوئیں ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما (پ ۵ نساء)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور رسول بھی ان کے لیے اللہ سے معافی کرتے تو پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے

روضۂ منورہ سے آواز آئی۔

اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔[۱]

حضرت علیؓ کی یہی روایت امام ابو حیان نے (اندلسی) البحر المحیط جلد ۵ صفحہ ۱۸۳ مصر میں، علامہ سمہودیؒ وفاء الوفاء میں، وخلاصۃ الوفاء صفحہ ۵۷ مصر، اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر جلد ۵ صفحہ ۲۶۵ میں نقل فرماتے ہیں حضرت علیؓ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہ کرنا ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہر کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور اکرمؐ کی ہمسائیگی میں ہے۔[۲]

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے، اسناد کا تعلق نہ ہوتا اور روایت میں کلام ہو تو مضر نہ سمجھا جائے۔ اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف

---

۱ جذب القلوب فارسی صفحہ ۱۹۹ ۲ ایضاً صفحہ ۱۸۱

استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ

اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جاءوک واگروہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرتؐ کی حیات کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرتؐ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور آپ کے مقبرہ میں پہنچ جانے استغفار کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ جاءوک کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔

وراجع لہ شرح المناسک المتقسط ملا علی القاری ص۳۸۱ مصر

وشرح الشفاء للعلامۃ الخفاجی المصری جلد ۳ ص۳۹۸

والدرر ما في جلد ۸ ص۱۹۹ ، ص۳۰۶ مصر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔[1]

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ ص۳۳۶ مصر میں ہے ثم یسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک و یذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق ۔ انتہی

قلت وکذلک فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجعہ تجدہ کما ہنا فی کل باب شافیا من کل ارتیاب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب. لہ فتاوی رشیدیہ جلد ۱ ص۲۱

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں جاءوک ۔ (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوں) کو عام رکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۔ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود باجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا ، جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔[1]

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :-

مواہب میں بسند امام ابو المنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل : اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں ۔ اور پھر دو شعر پڑھے ۔ ۔ ۔ ان محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے ۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔[2]

فثبت ان حکم الاٰیۃ باق بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریف کے بعد بھی باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضورؐ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

---

[1] آب حیات ص۳۶ [2] نشر الطیب ص۲۵۳ [3] اعلاء السنن جلد ۱۰ ص۳۳۰ ، ص۳۳۱

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ مصر) میں شیخ ابو منصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں۔ اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

جمیع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند۔ ایں حکایت را ذکر کردہ و مستحسن داشتہ و بعضے از ائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت آں کردہ۔[ملہ]

ترجمہ: چاروں مذہب کے علماء نے جنہوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں اس حکایت کو بیان کیا ہے۔ اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہو اختصار کے باعث محمد بن حرب سے اوپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور اعتماد علی محمد بن حرب کے سبب اس کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عموم کے لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں

ملہ جذب القلوب صفحہ ۱۹۵

تتمۃ الفصل

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

مؤرخ سمہودی یہ نقل فرماتے ہیں:۔

روی عن عائشۃؓ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ ﷺ فترسل الیہم لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[1]

وکذا فی شرح العلامۃ الزرقانی جلد ۵ ص مصر

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی سے متصل تھے کسی میخ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ خبردار حضورؐ کو اس آواز سے اذیت نہ دو۔

عن عائشۃؓ قالت کنت ادخل بیتی الذی دفن فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ہو زوجی وابی فلما دفن عمر معہم فواللہ ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمرؓ رواہ احمد

ورجالہ اسناد احمد رجال الصحیح (تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۳۴۳ مطبع انصاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے دوپٹہ رکھے داخل ہو جایا کرتی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میرے والد ہی تو ہیں، جب حضرت عمرؓ دفن ہوئے، تو خدا کی قسم،

---

[1] شفاء السقام ص

میں وہاں پردے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔

دیکھئے! حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں جس حجرے میں داخل ہوتی تھی میں یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ میت مدفون تھا۔ بلکہ یوں فرما رہی ہیں:

"جہاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔"

نبوت و رسالت کے لیے ادراک و شعور لازم ہے۔ اگر ذات مدفون محض بے حس و بے شعور ہو تو پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر کہا بھی ہو تو مجازی طور پر کہنے سے چارہ نہیں۔ حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی گنجائش نہیں۔ فقط روح اقدس کے لیے تو فقط رسول اللہ کے لفظ کے لیے تاویل ہو سکتی ہے۔ روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق صحیح ہے لیکن فقط بدن جسم میں ادراک و شعور دونوں منتفی ہوں۔ اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاقِ رسول قطعاً نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المومنینؓ حضرت ابوبکرؓ کو آپ کے روضۂ اقدس میں دفن یقین کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماعِ موتیٰ سے انکار مشہور ہے، مگر یہاں روئیت ہی کا استثنا ہے۔ بلکہ روئیت بصری بھی ثابت کی جا رہی ہے۔ ہاں پردے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر و حجاب اور پردے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنا ضروری ہوتی تھی۔ لیکن جس طرح قبر شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشافات جاری ہیں، پردے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصود وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصود وجود ضائع نہیں فرماتے۔ ان مختلف حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عامۂ ناس سے پردے میں کرنا ہوتا ہے۔ عامۂ ناس کو ذات مدفون سے پردے میں رکھنا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو ضمناً ہوتا ہے۔ پس اگر ذات مدفون کو پردۂ قبر میں سے باہر کا انکشاف بھی ہو رہا ہو تو یہ

والے اسے عادۃً نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا۔ مدینہ ذی جاہ کا جو کچھ مقصود موجود ہی نہ ہو بستی والے کو پردے میں آتا ہے۔ اس سے منکشفات کی حدود لوگوں کے بارے ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت یہ لکھا ہے۔

وهذا دليل على حياة الميت ويعلم انه ينبغي احترام القبور بعدم زيارته مهما امكن وسيما الصالحون منه يكون في غاية الحياء والتأدب بظاهره وباطنه[1]

ترجمہ۔ یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور یہ کہ قبر شریف کا احترام جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے۔ تمام صالحین کی قبور کے سامنے بہت ادب و حیاء ضروری ہے۔

حضرت صدیقہ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرت کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس کے منکشف ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کی حیات قدسی اور ان کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز والی مدینہ تھے تو ایک دفعہ آنحضرت کے روضہ قدس کی دیوار شکستگی کی وجہ سے کچھ گر گئی تو ایک قدم ظاہر ہوا۔ لوگ بہت گھبرائے یہاں تک کہ:

جاء سالم بن عبد الله بن عمر بن الخطاب وعرف الناس انها قدم جده عمر بن الخطاب[2]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴ [2] مختصر تذکرہ قرطبی صفحہ ۲۰

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضریٰ کے مکین مٹی کی دبیز تہ سے گذر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز تہ کو چیر کر مدفون افراد تک جا پہنچے قبر کا یہ انکشاف اعلیٰ روحانی ادراک رکھنے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرق عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی حائل بنے سے بصری نگاہ ادھر نہ جاسکے اور دنیا کی آنکھ عالم برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

اہل برزخ کا دنیا والوں کو دیکھ لینا اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی مناظر کا مشاہدہ کرے۔ دسویں صدی کے فقیہ و محدث شہیر ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح اللباب میں لکھتے ہیں۔

ثم من آداب الزيارة ما قالوا من انه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل راسه لانه اتعب لبصر الميت بخلاف الاول لانه يكون مقابل بصره۔[1]

ترجمہ: قبروں کے آداب زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے کیونکہ اس طرح آنا میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے حائل نہ ہوں جس سے وہ بخوبی زائر کو دیکھ سکے ——— سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرسکے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرق عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھا دیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھا دیں تو یہی اس کی عادت ہے

---

[1] ردالمحتار جلد ۲ ص ۲۴۲ طبع جدید

کہ جب یہ حاصل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصل نظر میں یہ بات ملے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر منحصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائر کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچی ہوگی اور زائر میت کو بالکل ننگا دکھائی دیتا ہوگا۔ اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بقیع کے باسیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔

یہ بات صحیح مانی جا سکتی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبد خضریٰ کے مکینوں کے مابین مٹی کی دیوار حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جاتی ہوگی جس سے حضرت ام المومنینؓ روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پردہ کیے ہوتا تھا۔

حضرت ام المومنینؓ کا روضہ انور میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضورؐ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضرات شیخین کریمینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

فیه اوضح دلیل علی حیاة المیت وعلی انه ینبغی احترام المیت عند زیارته سیما الکمّل من الصالحین بان یکون فی غایة الحیاء والادب بظاهره وباطنه۔ ؎

ترجمہ: اس میں حیات میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارت قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا — ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیا سے وہاں آئے۔

بتلائیے یہ احترام میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اسے صاحب قبر سمجھ کر کیا جا رہا ہے یا زندہ — اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیات میت کی روشن دلیل نہیں کہا؟

؎ تنقیح: لمعات جلد ۲ صفحہ ۴۳۶

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

حدثنا ابن معاویۃ عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمرؓ انہ کان اذا اراد ان یخرج دخل المسجد فصلی ثم اتی قبر النبیؐ فقال السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجہہ وکان اذا قدم من سفر یفعل ذلک قبل ان یدخل منزلہ۔[1]

اخرجہ عبد الرزاق ایضا بسند صحیح۔ (وفاء الوفاء للسمہودیؒ جلد ۲ ص۱۳۵۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پہ روانہ ہوتے تو مسجد نبویؐ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر روضۂ اقدس پہ حاضر ہوتے۔ السلام علیک یا رسول اللہؐ، یا ابابکرؓ، اور السلام علیک اے ابا جانؓ! پڑھتے اور پھر سیدھے منزل کو تشریف لے جاتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ وسلام عرض کرتے۔

عبد الرحمن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدوم مے آورد، اول بقبر شریف می رسید ومی گفت، السلام علیک یا رسول اللہ۔[2]

وراجع لہ المؤطا للامام محمد ص۳۹۱

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے ہی کا صیغہ ملتا ہے:

السلام علیک یا رسول اللہ ۔۔۔۔۔ وغیر ذلک۔

البتہ شرح شرعۃ الاسلام میں جو ترکی احناف کے ہاں بہت بڑا علمی اور تحقیقی ذخیرہ ہے یوں بھی مرقوم ہے۔

یقول الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد۴ ص۳۸۱ ہند [2] جذب القلوب ص۲۲۳

عن نافع کان ابن عمرؓ یسلم علی القبر رأیته فی الیوم مائة مرة واکثر یجیٔ الی القبر فیقول السلام علیک[1]

ترجمہ حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا۔ وہ روضہ اطہر پہ سلام عرض کرتے تھے میں نے ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار بار قبر شریف پہ آتے اور السلام علیک یا رسول اللہ پڑھتے دیکھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہی صیغے سلام کے لکھے ہیں۔

السلام علیک یا رسول اللہ ۔ السلام علیک یا خیر خلق اللہ ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ ۔[2]

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد روضہ اطہر پہ حاضری دیں گے حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

ولیاتین قبری حتی یسلم علیّ ولأردن علیہ رواہ الحاکم وصححہ[3] ۔

ترجمہ حضرت عیسیٰؑ ضرور میری قبر پہ بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے۔ اور میں بھی اس کا جواب دوں گا۔

مسند ابی یعلیٰ جلد ۸ صفحہ ۱۲ میں یہ حدیث ان الفاظ مروی ہے:۔

والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم اماما مقسطا و حکما عدلا ۔ ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ ۔

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی اعلیٰ علیین والی۔ یہ آپ سوچیں یا محمد کے الفاظ صراحت یا معنی ہوں گے کیونکہ حضورؐ اسے روایت کر رہے ہیں۔

---

۱ منتہی المقال صفحہ ۲ للمفتی صدر الدین ۲ زبدۃ المناسک صفحہ ۲۰ ۳ البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۴۲

حضرت ابو ایوب انصاریؓ

عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ برقبته وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب الانصاریؓ فقال جئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم آت الحجر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیہ اهلہ ولکن ابکوا علیہ اذا ولیہ غیر اهلہ[1]

اخرجہ الحاکم وقال صحیح الاسناد جلد ۴ ص[illegible] واقرہ علیہ الذهبیؒ فقال صحیح[2]

ترجمہ: ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روضۂ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا: جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا: ہاں — مروان اس کی طرف متوجہ ہوا کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین

---

[1] رواہ احمد ایضا بسند حسن قال حدثنا عبد الملک بن عمرو حدثنا کثیر بن زید عن داؤد بن ابی صالح قال ...... الخ قال الهیثمی رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیہ کثیر بن زید وثقہ جماعۃ وضعفہ النسائی (کما فی کتاب الضعفاء والمتروکین للامام النسائی) وغیرہ ورواہ یحیی بن الحسین بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینۃ حدثنی عمر بن خالد حدثنا ابو نباتۃ عن کثیر بن زید عن المطلب بن عبد اللہ قال السبکی وابو نباتۃ ومن فوقہ ثقات وعمر بن خالد لم اعرفہ قلت لا یضر فان احمد رواہ عن عبد الملک بن عمرو وهو ثقۃ عن کثیر بن زید وقد صحح السبکی بتقویتہ (کذا فی وفاء الوفاء جلد ۴ ص[illegible])

پھر وہ رونا جب ہی کے لائق ہے کہ اس کے اہل ہوں جبکہ اس وقت رونا جب کہ دین
کی طبیعت غیر اہل کے ہاتھوں میں آ جائے۔

پیش نظر رہے کہ یہ مقام تعلق ہی حضرات کا ہے جنہیں انکشاف ہو رہا ہو اور وہ قبر سے
نہیں، صاحب قبر سے مصروف نیاز ہوں پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر
مزارات عالیہ یا قبر شریف سے چپٹے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں۔ اس حدیث میں کوئی دلیل
اور حجت نہیں۔ ان کے لیے یہ ممنوع ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے، وہ قطعاً
ناجائز ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حضورؐ کی خدمت میں یہ حاضری بتاتی ہے کہ ان کاملین کے لیے
کس طرح برزخی پردے اٹھ جاتے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے
تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعور کس کس پیرائے میں تھا۔ یورپ سے رومی بھی آپ کو متبرک گرداننے لگے۔
علامہ قرطبیؒ ([illegible]) لکھتے ہیں۔

وفی لیلۃ دفنہ صعد من قبرہ نور الی السماء ورای ذلک من کان بالقرب من ذلک الموضع۔

ترجمہ: مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا تھا آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور
وہ اوپر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حیات برزخی اس وقت بھی پردہ وصال پر کھل گئی تھی۔

خلاصۃ البیان

یہ دس حضرتؐ کے ارشادات عالیہ خلف نے ہماری سے ہم پر تعلیم سے۔ ام المؤمنینؓ
کے عمل فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے تعامل یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آ چکے ہیں۔ ان سب میں یہ قدر
مشترک ہے کہ حضور اکرمؐ اپنے روضہ اطہر میں زندہ بحیات ہیں اور قریب سے عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام
کو خود سنتے ہیں۔ احادیث حسنہ اور قلبی شہادت کے نتیجہ کے جواب مسائل پر بھی ملاحظہ کیجئے۔

مذاہب اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذاہب اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے بڑے اختلافات ہیں مگر حضور کی حیات بعد الوفات
پر چاروں متفق ہیں کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں۔ مسئلہ حیات النبی میں
کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک مذہب اس مسئلہ میں دوسرا طریقہ یا
ترتیب دے سکتا تھا لیکن مسئلہ حیات النبی کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں حضرات اپنے
دوسرے سینکڑوں اختلافات کے باوجود اس میں ہرگز بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ بالخصوص
دیوبند کا یہ ۱۳۰۵ھ کا متفق فتویٰ ہے یہاں ہم قارئین سے حق فرمائیں کہ پنجاب کے
مماتی گروہ میں اگر کچھ بھی مسلکی صداقت علمی قوت اور سنجیدہ شوکت ہوتی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا
کہ ہندوستان کے دس ہزار مدارس دینیہ میں کوئی ایک معروف شیخ الحدیث بھی ان کا ہم نوا نہ ہو
اور یہ بھی چند لوگ صرف پنجاب میں چند دن انتشار کے سہارے ایک اختلافی مسلک بنائے بیٹھے ہوں۔

الفصل الثانی

مذاہب اربعہ در حیات نبویہ

مالکیہ

سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں آپ روضۂ اطہر کے پاس ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المومنین ابو جعفر نے امام مالکؒ سے کسی مسئلے پر مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالکؒ نے فرمایا: اے امیر المومنین! تم کو کیا ہو؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو کہ حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات کے بعد بھی ہے جو حالت حیات میں تھا۔ سو ابو جعفر دب گیا۔

(وكذلك في وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۲۲ طبع مصر)

نقل عن الإمام مالكؒ انه كان يكره ان يقول رجل زرت قبر النبي قال ابن رشد من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو صلى الله عليه وسلم حياه الله تعالى بعد موته حياة دائمة واستمرت تلك الحيوة وهي مستمرة في المستقبل وليس هذا خاصة به صلى الله عليه وسلم بل يشاركه الانبياء فهو حي بالحياة الكاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسي الدنيوي۔[1] (وكذا في وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۱۲ طبع مصر)

---

[1] نشر الطیب از حضرت تھانوی ص ... مطبوعہ دیوبند ... بحوالہ حبیب الرحمن ص ... مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی [illegible]

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ (جلد ۴ صفحہ ۱۷۶) امام ابو حیان اندلسی (بحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۱۱۸)، علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی جمرہ وغیرہم من اکابر نے ان مسائل کا خوب تذکرہ کیا ہے۔

شوافع

شوافع میں سے امام بیہقیؒ اور امام سیوطیؒ نے حیات انبیاء کے عنوان پر مستقل تصانیف سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالیؒ اور علامہ سبکیؒ نے بھی اس حقیقت کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلک اہل سنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

جمیع اکابر شافعیہ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو اپنے روضۂ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے اور یہی جسد اطہر فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قونویؒ (شافعی المسلک) کا تفرد اس میں تو ہے کہ وہ انبیائے کرام کے استقرار قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیائے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبور شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیائے کرام کی روحیں ان کے اجساد مبارکہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیائے کرام کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیات جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیات جسمانی پر بہرصورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا حیات فی القبر پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکی الشافعیؒ طبقات شافعیہ میں لکھتے ہیں:۔

عقیدتنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ الاعمال

الوسمة ويبلغ الصلوٰة والسلام۔ ؎

ترجمہ: ہم شافعیہ کے نزدیک حضور زندہ ہیں اور آپ میں احساس و شعور موجود ہے
آپ پر اعمالِ اُمت بھی پیش ہوتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ یوسف اردبیلی الشافعی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں۔

ویقف بعد للوجہ فیقول السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ لان
الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون و یحجون کما ورد۔ ؎

حنابلہ

حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضور اپنے روضۂ اطہر کے قریب پڑھے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریر باحوالہ پیشِ خدمت آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کی تصریحات بھی پیچھے دیکھئے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی۔ ؎

ترجمہ: حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حنفیہ کرامؒ

① علامہ خفاجیؒ نسیم الریاض میں فرماتے ہیں یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے

ولما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع

؎ طبقات شافعیہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ ؎ کتاب الانوار جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ مصر ؎ الرد علی البکری صفحہ

؎ مسالک اربعہ میں سے اس مسلک کو ادب پر یہ ترتیب۔ تحقیقاً اور تبرکاً باقی سب مسالک پر فائق و مقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی اور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے ہاں کم پائے جاتے ہیں اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

الاذی والعبادات فیها انه اعجب من احبار المقصرین عن شریف المقامات۔[۱]

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور اقدس زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

② مراقی الفلاح میں ہے۔

ینبغی لمن قصد زیارة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوٰۃ علیہ فانہ یسمعہا وتبلغ الیہ[۲]

ترجمہ: جو شخص حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے درود عرض کرے کیونکہ آپ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

③ طحطاوی میں ہے۔

(فانہ یسمعہا) ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم (وتبلغ الیہ) ای یبلغہا الملک اذا کان المصلی بعیدا۔[۳]

ترجمہ: آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ

علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے تمام محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق و توثیق ذکر کرتے چلے جاتے۔ آخر کسی مقام پر اسے نشانہ ضعف کیا جاتا، جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انور اپنے روضہ اطہر میں جسمانی طور پر

تاکہ التحیات میں اور قریب عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود بالمشافہ سنتے ہیں۔ واللہ اعلم

(۴) محقق علی الاطلاق امام ابن الہمامؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:۔

تستقبل القبر بوجهك، ثم تقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته
...... وذلك انه عليه السلام في القبر الشريف المكرم على شقه
الأيمن مستقبل القبلة فليكثر دعاءه بذلك في الروضة الشريفة عقيب
الصلوة وعند القبر ويجتهد في خروج الدمع فانه من امارات القبول
وينبغي ان يتصدق بشيء على جيران النبي ثم ينصرف متباكيا متحسرا
على فراق الحضرة النبوية والقرب منها ...... ثم يسئل النبي الشفاعة
فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة يا رسول الله ...... الخ[1]

ترجمہ: تم حضور اکرمؐ کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ
عرض کرو ...... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں داہنی کروٹ قبلہ
کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں، روضۂ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس
بکثرت سے دعا کرے اور آنسو آ جانے کی حد تک زاری کرے کیونکہ یہ قبولیت
کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضۂ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے
پھر روتا ہوا آپ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیے ہوئے واپس
ہو ...... پھر حضور اکرمؐ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے یا رسول اللہ
میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

(۵) علامہ ابن عابدین شامیؒ:۔

امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کی
وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچتا ہے کیونکہ آنحضرتؐ کو یہ حق قیادت اور قیام بامور المسلمین کی بناء

---

[1] فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۶، طبع مصر

پہنچتا تھا اور اب آپ کے بعد یہ اشکال ہے کہ قیامت تک نبوت موقوف ہے۔ احناف کے نزدیک
آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نے رسالت کو
[illegible] نہیں۔ پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے یہ
بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً
باقی ہوتی ہے حقیقۃً نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقۃً باقی ہے۔ یعنی حضورؐ اب بھی حقیقی طور پر رسول
ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا صحیح نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"افاد فی الدر المنتقیٰ انه خلاف الاجماع قلت وما نسب الی الامام الاشعری
امام اهل السنة والجماعة من انکار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان
والمصرح فی کتبه وکتب اصحابه خلاف ما نسب الیه بعض اعدائه
لان الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم وقد اقام
النکیر علی افتراء ذلك ابو القاسم القشیری"[1]

ترجمہ۔ در منتقی میں ہے کہ حضورؐ کی رسالت آپ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی
حقیقۃً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہل سنت
امام اشعریؒ کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے وہ افتراء و بہتان ہے۔ اشاعرہ
کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت
کا حقیقۃً باقی نہ ماننا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔
کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

ان المنع هنا لانعدام الشرط وهو اما عدم وجود الوارث بصفة الوارثية كما اقتضاه
الحديث واما عدم موت المورث بناء علی ان الانبياء احياء فی قبورهم
كما ورد فی الحديث [2]

---

[1] شامی باب المرتد [illegible] [2] رسائل ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ [illegible]

ترجمہ: حضور اقدس کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوئی، کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

انہ حی فی قبرہ ..... وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاته۔[1]

ترجمہ: حضور اکرم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں

(۲) شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ:-

والذی نعتقد ان رتبة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبرہ حیوة مستقرة ابلغ من حیاة الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذ هو افضل منهم بلاریب وانه یسمع من یسلم علیه۔[2]

ترجمہ: ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرمؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہدا کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپ ان سے بلاریب افضل ہیں، اور آپ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

(۳) نواب صدیق حسن خاںؒ:-

حدیث «من صلی علی عند قبری سمعته» (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے اُسے

---

[1] آپ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف الجیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔ شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید کی ہے جو ان کے والد ماجد سے منسوب کئے جاتے ہیں کہ آپ تقلید سے غیر مقلد تھے۔

[1] نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۸۶ [2] اتحاف النبلاء صفحہ ۴۱۲ مطبوعہ کانپور

عقائد متکلمین در حیات النبیین

علم کلام کے مشہور امام علامہ توربشتیؒ فرماتے ہیں:

صورت و ہیکل آنجناب کہ خبر از وے شود و ما اندیشہ در و گم گردد ز مرا چہ دہ
کبریائے او خبر دہد پاک و کالبد زندہ ساکن مدینہ

پھر اہلسنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و از آں جملہ آں است کہ بدانند کہ کالبد وے را زمین نخورد و پوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے ہمچناں خود باشد در حشر وے و جملہ انبیاء علیہم السلام ہم چنیں درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ـــــ ہم احیاء فی قبورہم یصلون ـــــ و اوّل کسے کہ از زمین برخیزد او بود ـــــ و الحق این جملہ یاد کردیم بس است[1]

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ

(۱) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تربتہ حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ واللہ تعالیٰ خلق ملائکۃ سیاحین یبلغون الیہ الصلوٰۃ من امتہ[2]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں علم و احساس آپ میں سارے موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے پیدا کئے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوٰۃ وسلام آپ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

(۲) عندھم محمد صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ[3]

اشاعرہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

---

[1] المعتمد فی المعتقد باب دوم فصل سوم علامہ توربشتیؒ [2] الروضۃ البہیۃ ص۱۳

امام ابو منصور شافعی البغدادی اکابر ائمہ اہل سنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:۔

(۳) قال الاستاذ ابو منصور البغدادی ۔۔۔ قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ۔[1]

ترجمہ: امام ابو منصور بغدادی نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب محققین متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات شریفہ کے بعد بھی زندہ ہیں۔

خلفائے راشدین مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ ایک دینی تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہو سکتی۔

ترتیب الفصل عقائد علمائے دیوبند اور علمائے ہند

مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے ہجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان سے مقابلہ کیا۔ مامانا علیہ واصحابی سے جب مقابلہ معتزلہ اور فلاسفہ وغیرہ آئے تو یہ متکلمین اسلام ہی تھے جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودھویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت جو اہل سنت سے صف آرا ہوئے اس تحریک کا آغاز شیعوں کی طرف سے ہوا پھر بریلی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خان ۱۳۲۳ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے۔ اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) پھر اپنے عقائد کا ایک جامع مرتب کریں۔ المہند علی المفند ایسی ہی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات النبی پوری صراحت سے موجود ہے۔

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۶ کا حاشیہ طبع۔ علاوہ السنن جلد ۱۰ ص۲۱

الفصل الرابع

شواہد الحیات من بیان الواقعات

واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ سانحہ یزید کے عہد حکومت میں پیش آیا سانحہ کربلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس ترقی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور کثیر تابعین کرامؒ تھے، فوج کشی کا حکم دیا مسلم بن عقبہ مری فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیرے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

وحرة هذه ارض بظاهر المدينة فيها حجارة سود كثيرة۔[1]

ترجمہ: حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبوی میں حضرت سعید بن مسیب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن المسیبؒ بڑے جلیل القدر تابعی تھے، ان کے عظمت شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سیکڑوں ایسی ہستیوں کو دیکھا جن کی آنکھیں آنحضرتؐ کی دولت دیدار سے بارہا مشرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام واقدیؒ، ابن سعدؒ، ابو نعیمؒ، زبیر بن بکارؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ روایت کرتے ہیں کہ

---

[1] مجمع البحار ص ۲۹۲

حضرت سعید بن المسیبؒ نے ارشاد فرمایا۔

اذا جاءت الصلوٰۃ سمعت اذاناً یخرج من قبل القبر الشریف۔ وبیاتی
وقت الصلوٰۃ فلا سمعت الاذان من القبر ثم اقیمت الصلوٰۃ فتقدمت
فصلیت وما فی المسجد احد غیری۔[1]

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہوتا تھا میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا پھر اقامت
بھی ہوتی۔ میں اذان اور اقامت سے نماز پڑھتا۔ ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا
اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

یہی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القول البدیع میں نقل کیا ہے۔ نواب صدیق حسن
خاں صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ابن جوزی نے بسند متصل تا سعید بن المسیبؒ روایا ہے۔[2]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

وقصۂ سماع سعید بن المسیبؒ ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تا سہ روز
کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند۔[3]

ترجمہ: ایام حرہ میں سعید بن المسیبؒ کے حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے
کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری
میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ جس سے سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی جس کو اس
نے تمام سورۃ ختم کی۔ صحابیؓ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ تو

---

[1] خلاصۃ الوفا للسمہودی ص [illegible] [2] جذب القلوب ص [illegible] [3] مدارج النبوت جلد ۲ ص [illegible]

آپ نے فرمایا:۔

ھی المانعۃ المنجیۃ وتنجیہ من عذاب القبر

ترجمہ: یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

؎ امام بیہقیؒ اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی التکشف ص۱۴۲ پر نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب۔

؎ اور مذکورہ سابقہ واقعہ جزء کو۔۔ واقعہ حال کہہ کر نظر انداز کیا جاسکے۔ اس لیے کہ اکابر علماء نے ثقات سے ایک معمول اور ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے آئے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ان کثیرا من الاعمال ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القرآن عند الترمذی؎

ترجمہ: بے شک بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثبوت پذیر ہوتے ہیں جیسے کہ دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ حرہ) اور ترمذی کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

واقعہ سلطان نورالدین شہید محمود بن زنگیؒ (۵۵۵ھ)

سلطان نورالدین شہیدؒ (شاہ مصر) نے ایک رات سرور انبیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہیں کہ جلدی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو۔ سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آرہا ہے۔ سلطان مذکور نے اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سا مال ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف

؎ فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۳

چلتا پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔[1]

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیزگار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے، روضۂ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا تھا کہ جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے

جس رات وہ روضۂ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے رعد و باراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا زمین کانپنے لگی اور صبح سلطان نور الدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالآخر دونوں فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چار دیواری بنا دی تاکہ جسد اطہر تک پھر کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

این قصہ را جمیع مؤرخان مدینہ منورہ و شیخ جمال الدین مطری و مجد الدین فیروز آبادی و غیرایشان از علمائے اعلام ذکر کردہ اند و تصریح نمودہ۔[2]

قلت و کذلک فی خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص۱۱۲ و اخرجہ الشیخ السمہودی بالاسناد و الاوجہ اھ۔

تتمۃ الفصل

محب طبری ریاض النضرہ میں ایک عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں،

روافض حلب کی جماعت والی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطہ یا) بہت سی رشوت اور

---

[1] جذب القلوب ص۱۷۳ ۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص۲۸۶ [2] جذب القلوب ص۱۷۳

لالچ دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرۂ شریفہ تک باریابی دے دے تاکہ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اجساد مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے، چالیس رافضی کھودنے، گرانے کے آلات اور شمعیں لے کر باب السلام پر آ گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔

خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور ان ستونوں کے قریب ہی تھے جو حضرت عثمانؓ کے نزدیک وہ حصہ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات و سامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے۔ والیٔ مدینہ جو بدمذہب اور منافق تھا، سرانجام کار کا منتظر تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا۔ میں نے جو کچھ دیکھا تھا، پورے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا: کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے کہا: امیر خود جا کر دیکھ لیں، ان کے دھنسنے کے آثار[1] اور ان کے کپڑوں کے نشان ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

---

[1] دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کھود کر اندر پہنچنے کے بعد وہاں سے اغلظ کر پھر کسی دوسری جگہ پہنچے جا سکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا مستقر کیسے مل سکتا تھا اگرچہ روضۃ من ریاض الجنۃ کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ مقدسہ سے ذرا پیچھے تھی۔ تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص۲۱ مطبوعہ لکھنؤ دیکھیے ——— وراجع لهذا كتاب الاستبصار للفاضل السمہانی لدحی۔

طبری نسبت ایں حکایت بہ ثقات سے کنند کہ بصدق و دیانت مشہور اند و بعض محدثان مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔[1]

ارشاداتِ نبوت، خلفائے راشدینؓ کے تقریباتِ ثقہ سے، امہات المؤمنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے بیاناتِ عالیہ، مذاہبِ اربعہ کی تصریحات، متکلمین کرام کے عقیدے اور خواب و واقعات کے بعد دیگرے آپ نے ملاحظہ فرمالیے۔ تاریخِ اسلامی کے ان مختلف ادوار میں حیاتِ انبیاء کا مسئلہ اس کثرت سے بیان ہوتا رہا کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور احاطہ تقریباً ناممکن ہے، ہاں یہ حقیقت لطف سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ مسئلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ سوادِ اہلسنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی عقیدۂ حیات سے صرفِ نظر یا تجاوز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض افراد اکابر اسے بیان کرتے رہے اور دوسرے اعیانِ امت میں سے کسی کا اس پر نکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرامؑ کی حیات بعد الوفات کے جسمانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہلِ حق اہلسنت کا تاریخِ ملت کے ہر دور میں اجماع رہا ہے۔

شہاداتِ اجماع

(۱) محدثِ کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذِ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔

نحن نؤمن ونصدق بانه صلى الله عليه وسلم حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تأكله الارض والاجماع على هذا۔[2]

ترجمہ۔ ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو مٹی نہیں کھاتی، اور اس عقیدے پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔

---

[1] جذب القلوب صفحہ [illegible] [2] القول البدیع صفحہ [illegible]

(۲) قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ..

قبر کے پاس ..... انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں۔[۱]

جب جمیع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر روضۂ اطہر کی

حیات جسمانی کا انکار

آخر کن کا مذہب ہے؟

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ..

من انکر الحیوۃ فی القبر وھم المعتزلۃ ومن نحا نحوھم واجاب اھل السنۃ عن ذلک۔[۲]

ترجمہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں سے نہیں ہیں ..

فقد تمسک بہ من انکر الحیوۃ فی القبر واجیب عن اہل السنۃ ..... بان حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا۔[۳]

ترجمہ منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلسنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ اس کے بعد اس پر موت نہیں اور آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۷ پر نقل اور تسلیم کیا ہے

---

[۱] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۔ [۲] عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۲۰۰ [۳] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۰ مصر

الفصل السابع

وفیہ اربعۃ من المباحث

مبحث اول

حیات فی القبر

تمام اہل السنۃ والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں یا جہاں بدن منتشر ہو
ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں سب میں، پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ
تعلق یا تو دخول روح در جسد سے قائم ہوتا ہے یا مس کا تعلق۔ اتصال روح بجسدہ سے
ہوتا ہے۔ ہر صورت میں بھی قبر میں زندگی ضروری ہے

سوال و جواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اسے
موت فی القبر سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے کہ
ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ
روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی
نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض اشاعرہ اور حنفیہ روح و حیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر یہ تو سوال و جواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجہ کی حیات روح کے ساتھ قائم
ہوتی ہے یا روح کے بغیر لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے حیات فی القبر
روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ وہ اعادۂ روح بجسدہ کے ساتھ ہو خواہ اتصال روح بجسدہ
کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ وقت

کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ اماتت حقیقی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب و عذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں سواد اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادۂ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصال روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اور یہ حیات کیسے حاصل ہے، یہ براہ راست ہمارا موضوع نہیں۔ ہاں یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ میت مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے تازہ حیات پاتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر اس کی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی قدرت شناسی ہے اور صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر قائم ہوا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض حضرات اعادۂ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصال روح یا تاثیر روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادۂ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تعلق اتصال روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔

تنبیہ: چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادۂ روح سے قائم ہوتی ہے یا اتصال روح۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:-

اس کا ماحصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجین سے تعلق قائم رکھ کے دوبارہ ہوکر پھر زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:-

هذا الحديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه اصلا من اصول الدين۔[1]

ترجمہ: یہ حدیث ثابت ہے، مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

البحث الثانی

ردّ الاشتباہات فی تحقیق الرواۃ

حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد:-

قال الحافظ ابو نعيم الاصبهاني وأما حديث البراء رواه المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء فحديث مشهور رواه عن المنهال الجم الغفير و رواه عن البراء عدي بن ثابت و محمد بن عقبة وغيرهما و روى عن زاذان عطاء بن السائب قال وهو حديث اجمع رواة الاثر على شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبد الله بن منده هذا الحديث اسناده متصل

---

[1] کتاب الروح ص۴۹

مشہور رواہ جماعۃ عن البراءؓ (شرح حدیث النزول ص۲۳ للحافظ ابن تیمیہؒ)

حافظ ابن قیمؒ کا ایک اور حوالہ:-

وہو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ"

(اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ الجہمیہ لابن القیم ص۴۴)

امام احمدؒ کی اس روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ:-

اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ اعتماد روحہ فی جسدہ کے قطعہ روایت میں منفرد ہے۔ ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے۔ لیس بالقوی۔

جواباً عرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ امام عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواۃ میں ہے۔

وفی اسناد الحدیث منہال بن عمرو وثقہ ابن معینؒ والعجلیؒ وقد تکلم ابن حزمؒ فی المنہال ولا یلتفت لکلام ابن حزم بعد احتجاج الشیخین بہ ولذا رد ابن حزم حدیث المنہال رادّاً علی معتقدہ فی انکار عذاب الجسد فی قبرہ ما طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح۔[1]

ترجمہ: اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے۔ اسے امام یحییٰ بن معینؒ اور عجلیؒ ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزمؒ نے اس پر کلام کیا ہے لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے کیونکہ حدیث کے دونوں بڑے امام اسے حجت مان رہے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے جسمانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس پر جرح کر دی۔ حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے۔

---

[1] تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۵۹

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

والمنهال احد الثقات العدول قال ابن معین المنهال ثقة وقال العجلی کوفی ثقة واعظم ما قیل فیه انه سمع من بیته صوت غناء وهذا لا یوجب القدح فی روایته واطراح حدیثه وتضعیف ابن حزم له لا شیء فانه لم یذکر موجبا لتضعیفه غیر تفرده بقوله فتعاد روحه فی جسده وقد بینا انه لم یتفرد بها بل رواها غیره وقد روی ما هو ابلغ منه۔[1]

ترجمہ: منہال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں، ابن معین و عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ جو ان پر اعتراض ہے وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے ہی مروی ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا مرتکب کون تھا اور کوئی نہیں) اور یہ اس کی روایت میں موجب قدح نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لا شئ ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں

دوسرا اعتراض

حضرت براء بن عازبؓ سے اس حدیث کو زاذان نقل کر رہا ہے اور اس کا سماع حضرت براءؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزمؒ کو کلام ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ حافظ ابو عوانہ اسفرائنیؒ نے زاذان کندی کا حضرت براءؓ سے صیغۂ سماع نقل کیا ہے۔ بس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

---

[1] کتاب الروح ص ۵۹

هذه العلة باطلة فان ابا عوانة الاسفرائني رواه في صحيحه باسناده قال عن ابن عمرو زاذان الكندي قال سمعت البراء[1]

ترجمہ: یہ نسبت باطل ہے کیونکہ امام ابوعوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں سماع کی تصریح ہے۔

نیز زاذان کے متعلق فرماتے ہیں۔

فالحدیث لاشک فیہ صحیح وقد رواہ عن البراء بن عازب جماعۃ غیر زاذان منہم عدی بن ثابت ومحمد بن عقبہ ومجاہد[2]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براءؓ سے زاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت محمد بن عقبہ و مجاہد بھی ہیں۔

اور توثیق زاذان کے متعلق ملاحظہ ہو۔

امام یحییٰ بن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں خطیب اور عجلیؒ نے بھی ثقہ کہا ہے ابن عدی اور حاکمؒ نے بھی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۰۳)

علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں۔ حدیث صحیح (السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۳۳ مصری)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابة کعمر وغیرہ وروی له مسلم فی صحیحه قال یحیی بن معین ثقة وقال حمید بن هلال وقد سئل عنه هو ثقة لا تسأل عن مثل هؤلاء[3]

ترجمہ: زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے روایات لی ہیں امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے یحییٰ بن معین

---

[1] کتاب الروح ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۵۵ [3] ایضاً ص ۵۵

اسے ثقہ کہتے ہیں عبید بن عباس سے نزول الٰہی کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ تو مردود اور لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث

اعادہ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب میں "اعادہ روح" کے قائل ہیں لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی پایا ہے کہ وہ اعادہ روح کے قائل نہیں بلکہ اتصال روح سے بدن مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:۔

لیس المراد بالحی ههنا ما یوجد فیه الروح ویصدر عنه الافعال الاختیاریة بل ما لم یطرء الالم و اللذة فاذا اخلق الله فیه ادراکا . . . یکون حیا لا جماداً۔[1]

ترجمہ۔ اس جگہ سے "حی" سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح ڈالی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ الم و لذت کا ادراک کر سکے۔ اس اندازِ حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کئے جاتے ہیں:۔

---

[1] عبدالحکیم علی الخیالی صفحہ ۱۷

(۱)——— میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے جس سے عذاب قبر ہوتا ہے۔ یہ مسلک اہلسنت والجماعۃ کا ہے۔

(۲)——— میت قبر میں جماد محض ہے لہذا عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ اور روافض کا مسلک ہے۔

(۳)——— میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے

خیالی کی عبارت "وجوزہ بعضہم تعذیب غیر الحی" میں اس تیسرے مسلک کا ابطال ہے اس پر حضرت مولانا سیالکوٹی انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جماد تو اسے کہتے ہیں جس میں کوئی احساس نہ ہو۔ جس سے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ الم ولذت کا ادراک کر سکے تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہو گئی، جماد محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹی "حیات میت کی تشریح" میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو اوپر لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جس صورت عذاب قبر کو تم تجویز کر رہے ہو اس سے بھی حیات قبر لازم آتی ہے۔ ہاں اس صورت حیات میں اعادہ روح لازم نہیں ہے تھی۔ خیالی کی شرح العقائد میں ایسے جواب پر لکھا ہے۔

ہذا جواب اشکال اوردہ المعتزلۃ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یذوقون فیہا الموت الا الموتۃ الاولیٰ ؎

ترجمہ یہ ایک اشکال کا جواب تھا معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا وہ نہیں چکھیں گے وہاں کوئی موت، سوائے پہلی موت کے جو ہو چکی

؎ خیالی صفحہ [illegible]

یہ صورتِ جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادۂ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیث براء بن عازبؓ کی رُو سے خبرِ واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبرِ واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے بلکہ انہیں اعادۂ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جا سکتا تھا۔ اور عذابِ قبر کی روایات چونکہ حدِ تواتر تک پہنچ رہی تھیں، اور ان کی رُو سے میت مدفون کے لیے لذت و اَلم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہاں سے ہی حیاتِ میت ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور منکرین یقیناً اس کے جواب باصواب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے میت میں اعادۂ روح مانتے ہوئے کیا تحقیقِ واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک الزامی شکل جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسلک وہی ہے جو محدثین کا تھا؟ شرح نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے:

وعندي في هذا الجواب بحث فإن الأحاديث الصحيحة ناطقة
بأن الروح تعاد في الجسد عن السؤال فالجواب بإنكار الإعادة غير موجه
وقد أجاب الشارح من هذه الآية بوجوه[1]

ترجمہ: میرے نزدیک یہ جواب محلِ نظر ہے اس لیے کہ احادیثِ صحیحہ بآوازِ بلند کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ پس اعادۂ روح کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں۔ معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔

سائر الأحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح إلى البدن إذا
المسألة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وأنكره الجمهور
مبتدا خبر

---

[1] نبراس ص

کیا تھا جیسے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں :۔

انه صلى الله عليه وسلم قال من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا بلغته فكيف التطبيق؟ قلنا وجه التطبيق ان مقر ارواح المؤمنين في عليين او في السماء السابعة ونحو ذلك كما مر ومقر ارواح الكفار في سجين ومع ذلك لكل روح منها اتصال بجسده في قبره لا يدرك كنهه الا الله تعالى وبذلك الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار وتحس اللذة والالم ويسمع سلام الزائر[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور دور کا پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی سابق گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں، اب دونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کا مقر تو علیین یا ساتویں آسمان ہی میں ہے۔ اسی طرح ارواح کفار کا مقام سجین میں ہی رہتی ہیں لیکن ان حقائق کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد سے اتنا گہرا ہے کہ ہر جسد سے بھی ضرور جڑا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، روح کے جسد کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ سامنا قبر روح و جسد کے مجموعے سے ہوتا ہے اور الم و لذت کا ادراک اسی طرح واقع ہوتا ہے۔

پس جب عادۃً روح کا موقف من حیث الاصل مخصوص ہے اور اتصال روح کا مختلف ہے

[1] تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۴۲، صفحہ ۱۴۳ جلد

حیثیت سے مستقلاً اجتہادی ہے۔ تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے، تاہم اتصالِ روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثین اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورتِ کیفیتِ حیات کے قائل ہیں۔ جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالمِ برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے، ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں، ایسے اٹھے پردے بھی دنیا نے بارہا دیکھے ہیں۔ ہم اپنے بحث کے ایسے واقعات پیش کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں چودھویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدانِ مبارکہ کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں:-

> قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ بپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔[1]

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظِ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام سے ہے۔ لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ بعض دوسرے اجسادِ کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان اہلِ حق میں سے بڑے لوگوں کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

---

[1] صدق لکھنؤ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۲ء

انبیاء کرام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی محفوظ ہونا

حیاتِ قبریہ اور اُس کے ادراکات

① —— جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستانِ اُحد آ رہا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہدائے اُحد بالکل اسی حالت پر بالکل تر و تازہ تھے۔ کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا۔ یہ واقعہ جنگِ اُحد سے تقریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

② —— بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزاعیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا۔

السلام علیک یا عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہاں سے جواب آیا۔

علیک و علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

③ —— حضرت عمرو بن الجموح انصاریؓ بھی شہدائے اُحد میں سے تھے۔ جب سیلاب سے ان کی قبریں کھل گئیں تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا کل دفن کئے گئے ہیں۔ جنگِ اُحد اور اس واقعہ کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا۔

فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس وکان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت۔[1]

---

[1] موطا امام مالک

ترجمہ: پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا کہ وہ ابھی کل ہی فوت ہوئے ہیں۔ دونوں
میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح
انہیں دفن کر دیا گیا تھا پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ
دیا گیا تو وہ وہیں آگیا جہاں کہ تھا۔

(۷) ——— حضرت حذیفہؓ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے
تھے، چند بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت
عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو۔ چنانچہ
ایسا ہی کیا گیا۔ جس میں ہزار آدمیوں کے قریب ان جنازوں میں شامل ہوئے، قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان
الحیٰوة فیہم متعلقة بالجسد۔[ٹ]

ترجمہ: شہدائے کرام کے حق میں نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں
رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے
بالاتر ہی کیوں نہ ہو)۔

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر گو ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی اور ہم
انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کر سکتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ
ہمیں ان کے مصروف بالعبادت ہونے کا ادراک ہو سکے، یہ نہیں کہ وہ ذوات مقدسہ بھی معطل عن الاعمال
ہیں۔ پردہ برزخ میں ہر ایک لطیف میں عامل ہوتا ہے۔ ہاں! اللہ تعالیٰ جب کسی کے لیے اس عالم سے
پردہ اٹھا دیں، تو وہ اس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اس عالم کے بعض حالات مشاہدہ کر
لیتے ہیں۔

ٹ نیل الاوطار جلد ۴ ص ۱۱۲

مسلک ارجمند از اکابر دیوبند

المعروف

اجماع العلماء الاعلام

علیٰ

حیات الانبیاء الکرام

پیشتر اس کے کہ حیات النبی ﷺ کے باب میں ہم اکابر دیوبند کی تصریحات پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسلک دیوبند سے کیا مراد ہے:

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند کسی مستقل مکتب فکر کا بانی نہیں اور نہ اکابر دیوبند کے مسلک کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ اکابر دیوبند نے کوئی نیا مسلک ترتیب نہیں دیا۔ بلکہ دارالعلوم کے تمام اکابر انہی عقائد و افکار کے پابند رہے جو قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر سے ما انا علیہ و اصحابی کی مقدس وراثت کے طور پر چلے آ رہے تھے دیوبندیت کسی مستقل مکتب فکر یا مسلک عمل کا نام نہ تھا۔ بلکہ سلف صالحین۔ کی تحقیق کی کامل اتباع اور اس کی تعلیم و اشاعت اکابر دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ یہ تمام حضرات عقائد میں اہلسنت والجماعت اور فروعات میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک عمل پر تھے اور دارالعلوم دیوبند پورے ایشیا میں مسلک فکر کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا اور اس میں سے کسی کا اختلاف نہ تھا۔

اچانک اوپر سے تار چلا اور جناب مولوی احمد رضا خان صاحب اواخر ۱۳۲۳ھ میں ان بزرگوں کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے۔ تاکہ علمائے حرمین سے اس پر

دھوکہ دینے میں کامیاب ہو سکیں۔ ان کے پاس پہنچنے کا فائدہ یہ تھا کہ وہ اردو نہ جانتے تھے اور وہاں علماء دیوبند کی اردو تحریرات بے مفہوم سے پیش کی جا سکتی تھیں۔

کئی منزلیں گزرنے کے بعد معاملہ یہاں تک پہنچا کہ علمائے حرمین نے "موضوعات زیر بحث" کا بر دیوبند سے خود براہ راست ۲۶ استفسارات کئے اور ان کے عقائد و افکار کو اصول اہلسنت پر جانچنے کی کوشش کی۔

اس کے جواب میں اس وقت کے اکابر دارالعلوم نے اپنا مسلک پیش کیا اور ۲۶ مفصل جوابات کے ضمن میں اپنے عقائد و افکار کو قلمبند کر دیئے۔ اور اس پر اپنی مہریں ثبت کر دیں فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے انہیں لکھا اور حضرت شیخ الہند، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمن صاحب، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی جیسے سب بزرگوں نے اس پر تصدیقات تحریر فرما دیں اور فقط دستخط ہی نہیں، بلکہ تحقیقاً سب جواب دیکھ کر اس پر دستخط کر دیئے۔

چنانچہ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

رأیت الأجوبة کلها فوجدتها حقة صحیحة۔[1]

ترجمہ: میں نے تمام جوابات خود دیکھے ہیں اور انہیں حق صحیح پایا ہے

ان عقائد پر بھی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جامعہ ازہر، مصر و شام کے علمائے کبار نے جن میں کہ احناف، شوافع، موالک و حنابلہ مسالک اربعہ کے اکابر علماء سب شامل تھے سب نے اس پر تصدیقات فرمائیں۔ اور یہ "المہند" نامی دستاویز عقائد علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہوگئی۔

ان منزلوں سے گزرنے کے بعد اکابر دیوبند کا مسلک ایک واضح، متعین اور مشخص صورت میں سامنے آگیا۔ یہ کوئی نیا مسلک نہ تھا، چودہ سو سال کے اکابر علماء کے حق کی صدائے بازگشت تھی۔

---

[1] ...

نہ ہے اس پہلو سے کسی شیخ کی نگاہ سے دیکھا اور نہ کہیں سنا گیا کہ علماء کا فلاں طبقہ مسلک دیوبند سے ہٹ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایسے تمام اختلافات اور ایسے مختلف نظریات ان ابواب میں ہے جو مسلک دیوبند کا مرکزی مسلکی دستاویز "المہند علی المفند" سے کسی طرح متصادم نہ ہوتے تھے مسلک دیوبند کے خدوخال جس آئینے میں مشخص یا متعین ہوتے ہوں وہ یا ارباب اکابر دیوبند کی اجماعی تحریر "المہند علی المفند" ہی ہے۔ مسلک دیوبند کی حدود باعتبار کمیت کبھی بھی "المہند" سے متجاوز نہیں ہوئیں۔ ہاں باعتبار کیفیت یعنی قوت و ضعف کے متعلق بزرگوں کا مزاج مختلف رہا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کا مدار اگر صرف مد آب حیات ہی ہوتا تو اس سے اختلاف مسلک دیوبند سے خروج نہ تھا۔ اس لیے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مکتب فکر نہیں اور نہ حضرت نانوتویؒ کسی علیحدہ مکتب فکر اور مسلک عمل کے بانی تھے بلکہ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جس اصول پر رکھی وہ سلف صالحین اہل سنت کی اعتقادی اور عملی کامل اتباع ہی تھی۔ ان اکابر سے کسی ایک مسئلہ میں اختلاف بضرورت فکر پیش کر سکنا حد تک جانب مخالف اہل سنت سے خروج ہے۔ یا یہ اختلاف صرف اہل سنت میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بحث ہرگز نہ چل سکتی تھی کہ یہ مسلک دیوبند سے خروج ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ دیوبندیت حضرت نانوتویؒ یا حضرت گنگوہیؒ کی تقلید شخصی کا نام ہرگز نہیں۔

دیوبند سے قریبی تعلق رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں مسلک دیوبند کا مدار صرف آب حیات پر نہیں۔ بلکہ "المہند" کی اجماعی مسلکی دستاویز پر ہے۔ پس اس سے اختلاف یقیناً مسلک دیوبند سے خروج اور دیوبندیت سے ہٹ جانا ہے۔ اور اس سے ان تمام اکابر کی تکذیب لازم آتی ہے جنہوں نے "المہند" کو آئینہ دیوبندیت قرار دیا تھا۔ اور ان تمام بزرگوں کی بھی تجہیل ہوتی ہے، جو اسے دوسروں کے سامنے اسے دیوبندی مسلک فکر کے ترجمان کی صورت میں پیش کرتے رہے۔

مسئلہ زیر بحث میں مسلک دیوبند تو "المہند" سے ہی پوری طرح عیاں ہے، تاہم

اکابر دیوبند کی علیحدہ علیحدہ تعریفات بھی ناچیز حسب خدمت ہیں۔ انہیں مرحومین اور موجودین کی ترتیب سے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

مرحومین

① ——— حجۃ اللہ العالمین، مرکز دائرۃ التحقیق، قطب افلاک اسرار الشریعۃ

حضرت مولانا الشیخ محمد قاسم النانوتوی الصدیقی آنار اللہ برہانہ (۱۲۹۷ھ)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حسب ارشاد حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی ایک کتاب ہدیۃ الشیعہ تحریر فرمائی تھی۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں۔

رسول اللہ بلکہ تمام انبیاء بالیقین قبر میں زندہ ہیں۔ تو اس صورت میں آپ کی ملک زائل ہونے کی نہیں پائی۔ جو وارثوں کی ملک اس کے قائم مقام ہو بلکہ جیسے ہم تم

ے ہدیۃ الشیعہ اور ہدایۃ الشیعہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں اول الذکر حضرت نانوتوی کی تصنیف ہے اور ثانی الذکر حضرت گنگوہی کی۔ مولانا نانوتوی کی کتاب بھی دراصل حضرت گنگوہی کی ہی تحریک پر لکھی گئی تھی یہ آب حیات سے پہلے کی تصنیف ہے۔ حضرت مولانا نانوتوی آب حیات میں لکھتے ہیں:-

ارشاد حضرت مجمع علم و عمل جامع کمالات عیانی و نہانی عالم ربانی مولانا رشید احمد صاحب خلیفہ ارشد حضرت پیر و مرشد امام الشریعۃ مدظلہ باعث تحریر اصل رسالہ یعنی ہدیۃ الشیعہ ہوا تھا۔

(آب حیات ص۴ طبع مجتبائی)

ہدیۃ الشیعہ پر آب حیات (الحجۃ) کے مضمون کا ہونا ان لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو اسے محض حضرت نانوتوی کی انفرادی تحقیق قرار دیتے ہیں اور اسے ان کے تفرد پر محمول کرتے ہوئے حضرت گنگوہی کو اس سے بالکل لاتعلق قرار دیتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہدیۃ الشیعہ (اور آب حیات الحجۃ) کے بیان پر حضرت نانوتوی کی پہلی تصنیف کے محرک ہی حضرت گنگوہی تھے۔ فافہم وتدبر

کہیں بیچ باغ یا چھپ کے کسی گوشہ میں بیٹھ رہیں اور جا ہے لواحق وغیرہ بیماری اختیار کر لیتیں

اور اس سے بعد کو ملک زائل نہیں ہوتی اور بستے والے پادشاہ ملک نہیں بن جاتے

ویسے ہی رسول اللہ بھی گوشہ قبر میں پنہاں ہو گئے اور آپ بدستور اپنے اشیاء اموال کے

مالک ہیں کوئی اور مالک نہیں ہو گیا اور حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقہ جو ابوبکر صدیق

سے مروی ہے اس حدیث کا لم بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ اب تک بقید حیات

ہیں ہمیشہ زندہ سمجھیں تو کیا کیجئے۔

حضرت نانوتوی لطائف قاسمیہ میں لکھتے ہیں۔

انبیائے کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں

اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ

ہدیۃ الشیعہ ص ؎ حضرت نانوتوی کے لطائف قاسمیہ ص سے واضح معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی اور علماء دیوبند جو آنحضرت کی اس عالم برزخ کی حیات کو دنیاوی حیات کہتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ حیات بعینہٖ اسی دنیا والے جسم عنصری سے متعلق ہے نہ یہ کہ وہ حیات بجمیع الوجوہ دنیاوی حیات ہے۔ جب حضرت نانوتوی حیات دنیاوی کے مفہوم اور اس کی حدود کو خود واضح فرما چکے ہیں کہ وہ بعینہٖ اس دنیا والی حیات نہیں بلکہ حیات دنیوی کا اطلاق محض ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے اطلاق کے لیے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جائے جن میں اس عالم دنیا کی حیات اور اس کے مطالب و مجیب نہ ہونے کا بیان ہے جو لوگ اس مغالطہ دہی کے سہارے علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور استقلال روحانی علماء کے قائل نہیں۔ انہیں حضرت کا یہ ارشاد پیش نظر رکھ کر آپ کے مواخذے سے ڈرنا اور منع فرمایا ہے اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔ [illegible] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی حیات النبی کے مضمون کو محض الہامی طور پر بیان نہیں کرتے بلکہ اس کا حق ہونا حضرت کے نزدیک محقق ہے لیکن کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے۔ افسوس کہ اس باب میں بھی مغالطہ دہی سے کام لیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ حیات النبی حضرت کا اپنا عقیدہ نہ تھا بلکہ آپ نے اسے محض الزامی طور پر تردید شیعہ کے لیے بیان کیا تھا۔ رب العزت تعصب کی نحوست سے محفوظ رکھے۔

موت و نیند میں بھی فرق ہے اور وجہ فرق میں لحاظ کیجئے تو یہی فرق یہاں سمجھنا چاہیے
ہے اور اسی بناء پر لازم ہے کہ نوم نبوی اور نوم مومنین میں فرق ہو اس لیے کہ
النوم اخو الموت[1] چنانچہ خداوند کریم نے بھی اپنے کلام پاک میں موت اور نوم کو
ایک سلک میں کھینچا ہے اور ایک ذیل میں داخل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا[2]

جب دونوں کی حقیقت توفی اور امساک ٹھہری چنانچہ ارسال کا تقدم امساک
پر دال ہے۔ جیسے موت تقدم حیات پر دلالت کرتی ہے۔ تو پھر جو حال وقت
امساک موت ہوگا وہی حال وقت امساک نوم ہوگا۔ جن کی موت کے وقت
استتار حیات ہوگا ان کی نوم کے وقت بھی استتار ہی ہوگا۔ فرق ہوگا تو
شدت استتار و ضعف استتار ہو۔ ۔ ۔ چنانچہ آنحضرت کا کلام اس تفصیل
کی تصدیق کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

تنام عینای ولا ینام قلبی او کما قال۔ (رواہ البخاری ومسلم بالفاظ مختلفۃ)
ترجمہ میری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔[3]

---

[1] عزیزی کی شرح جامع صغیر جلد ۳ ص ۔ [2] فیمسک التی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی (پ ۲۴ الزمر) یعنی اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت بھی اور نیند کے وقت بھی۔ پھر نہیں ان کے متعلق روکے رکھتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا — اور دوسری جانوں کو پھر لوٹا دیتا ہے کچھ مدت تک کے لیے — حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جوزی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل نہیں ہونے پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے (فوائد القرآن شیخ الہند ص) [3] اس لیے انبیاء علیہم السلام کی نیند کے وقت بھی روح نہیں نکلتی اسی سے حقیقت موت پر بھی غور کرو۔ واللہ اعلم [4] آب حیات ص ۲۱۴ مجتبائی

میرا کلام کر دیئے ، جن میں اختلاف علماء کا ہے ۔ مگر تمام صحابہ موافق ہیں کہ جواز کے مقر ہیں بعد ماثین صحابہ منع کرتے ہیں ، سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے ، مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں ، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے ، اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے ، پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔[1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم حضرت گنگوہیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں[2] :

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ سے ذیل حدیث الانبیاء کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے ، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی تعبیر سے بھی بہت اونچا ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیائے کرام کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہ و تجلی آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس طرح مستغرق باقی ہیں ۔ نیز ان پر اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین روح ہو کر اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس تحقیق سے مسئلہ ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء اور بھی ظاہر ہو جاتا ہے[3] ۔ انتہی کلامہ الشریف۔

---

[1] معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے سینے روضہ اطہر میں خود سماعت فرمانے پر پوری امت کا اجماع ہے اور اس کا منکر گویا اجماع امت کا منکر ہے۔ [2] ثم یسئل النبی الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ (فتح القدیر اخیر کتاب الحج جلد ٢ ص ۳۳۷ مصر) [3] حضرت شیخ الحدیث کا پورا بیان آگے آ رہا ہے یہاں صرف حضرت گنگوہیؒ کا مسلک پیش کرنا مقصود تھا اس لیے اسی پر اکتفا کیا ہے۔ [4] حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا مسلک بھی اس نقل سے واضح ہو گیا ۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

③ — رئیس المحققین زبدۃ المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ (۱۳۳۹ھ)

"المہند علی المفند" میں پانچویں سوال کے جواب میں لکھا ہے :-

عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ الشریف وحیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف لکونہ فی عالم البرزخ۔[1]

اور یہ حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں :-

ھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعا لاریب فیہ۔[2]

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہی عقیدہ ہے بلکہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تصحیح کردہ ابو داؤد کے حاشیہ صفحہ میں ہے :-

ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد وحسبوا ان جسد النبی یکون کجسد کل احد فکفیٰ فی الجواب ما قال علی وجہ العرب۔[3]

ترجمہ: وفات شریفہ کے بعد حضورؐ پر درود شریف کیا صرف روح مجرد پر پیش ہوا کرے گا یا روح متصل بجسد پر اس کا عرض ہوگا؟ حضورؐ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجسام مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔

④ — فخر المحدثین زبدۃ العارفین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجرہا کالارض ...

[1] مطبوعہ دیوبند [2] المہند ص [3] ص ۱۴۱

علماء دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند کے مصنف بھی بزرگ ہیں۔ المہند کی تالیف سے پچیس برس پہلے آپ نے مولانا عبد السمیع رامپوری کی کتاب انوار ساطعہ کے جواب میں براہین قاطعہ لکھی تھی یہ کتاب حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے لکھی گئی اور ان کی زندگی میں لکھی گئی تھی۔ اس وقت مولانا احمد رضا خاں میدان میں نہ تھے نہ ابھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تکفیر کی مہم شروع کی تھی۔ اس میں آپ نے اپنا عقیدہ حیات النبی ان الفاظ میں لکھا ہے:

> اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب و جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آ سکتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت ان پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت چاہے حق تعالیٰ دنیا کے احوال ان پر کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ مجلس مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت جزئیہ اور عرض و حالات دنیا کے ہر وقت معلوم ہوتے ہوں یہ بدوں اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔[۱]

اس عالم میں آنے کا یہ مطلب نہیں کہ اب وہ اسی جہات (عالم دنیا) کے فرد ہو گئے۔ آپ کی یہ تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے ہی ہوگی جس طرح معراج کی رات عالم برزخ کے ان مسافروں کی بیت المقدس میں تشریف آوری ایک برزخی زندگی سے تھی۔ وہ اس میں اس زندگی (دنیا کی زندگی) کے لوازم گرمی سردی بھوک اور پیاس وغیرہ نہ تھے۔ اس عالم میں عالم برزخ کے مسافر اسی پیرایہ میں آتے ہیں۔

یاد رکھیے آپ نے عقیدہ حیات النبی حضرت مولانا احمد رضا خاں کے جواب میں ترتیب نہ دیا تھا۔ پہلے سے یہ حضرات اس عقیدہ پر چلے آ رہے ہیں اور براہین قاطعہ اس پر شاہد ہے

۱؎ براہین قاطعہ ص ۱۹۱ طبع تقطیع کلاں

في حضوره وغيبته في زمان حياته ولهذا قالت العلماء لمن ذهب اليه عند
عن الاقامة۔[1]

ترجمہ: یقیناً نبی کریمؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جیسے کہ سب انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دفن کئے جائیں یا پردۂ زمین میں استراحت فرما ہوں، وہ زندہ یقیناً ہیں، جیسے کہ آپ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں زندہ ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں:

ان الانبیاء فی قبورھم احیاء۔[2]

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

رئیس الطائفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر اس عقیدہ کی کیفیت اس طرح غالب تھی کہ سامنے اس کا انکشاف ہو رہا تھا۔ تذکرۃ الخلیل میں ہے:

آستانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالنا تو کیا مواجہہ شریفہ کے قریب یا مقابل بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ، مودبانہ، دبے پاؤں آتے اور مجرم و قیدی کی طرح دور کھڑے ہوکر بکمال خشوع صلوٰۃ و سلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کہیں بھی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔[3]

پھر لکھتے ہیں:

عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ

---

۱ بذل المجہود جلد ۳ صفحہ ۱۰۴ ۲ ایضاً صفحہ ۱۹۰ ۳ تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۰۳

الشریف وحیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ من غیر تکلیف ... فثبت

بہذا ان حیوتہ دنیویۃ لکونہا فی عالم البرزخ[1]

ترجمہ: ہمارا اور ہمارے سب مشائخ کا عقیدہ یہی ہے کہ حضورؐ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات اس دنیا والے جسم اطہر میں ہونے کے اعتبار سے دنیاوی ہے، ہاں من جمیع الوجوہ دنیاوی نہیں، اس لیے آپ مکلف بالاحکام نہیں لہٰذا آپ کی حیات اس طرح دنیاوی اور عالم برزخ میں ہونے کے لحاظ سے برزخی ہے۔

⑤ — شیخ الاتقیاء زبدۃ الصلحاء حضرت مولانا الحاج الشاہ عبد الرحیم صاحب رائپوریؒ

حضرت رائے پوریؒ قدس سرہ العزیز مذکورۃ الصدر "المہند علی المفند" جس کی عبارت در بارۂ حیات النبیؐ اوپر ہدیۂ قارئین ہو چکی ہے، کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

الذی کتب فی ہذہ الرسالۃ حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح و ہو معتقدی ومعتقد مشائخی رضوان اللہ علیہم اجمعین احیانا اللہ بہا وامتنا علیہا وانا العبد الضعیف عبد الرحیم عفی عنہ الرائپوریؒ

ترجمہ: جو کچھ اس رسالہ "المہند" میں لکھا ہے حق اور صحیح ہے اور کتابوں میں نص صریح کے ساتھ موجود ہے۔ یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرے مشائخ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدے کے ساتھ زندہ رکھے اور اسی عقیدے پر ہمیں موت دے۔ میں ہوں بندہ ضعیف عبد الرحیم عفی عنہ رائے پوری۔

⑥ — امام کبیر محدث شہیر حضرت مولانا العلامۃ الشیخ امام انور شاہ صاحب کشمیریؒ

یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط[2]

---

[1] المہند ص[illegible] اعزاز یہ [2] فیض الباری [illegible] [3] تحفۃ الاسلام ص[illegible]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ "انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں" کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

المراد بحدیث "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" انهم ابقوا علی هذه الحالة ولم تسلب عنهم فلا یرد ان الروح بنفسه تستطیع الصلوٰة ورد السلام فکیف وجه فی الحدیث بقاء الحیوٰة بفعل الصلوٰة وکذا رد السلام مع الروح[1]

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اسی حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں، اور (بقائے حیات ہو کر اشتغال باعمال طیبہ کی) یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی، یہ خیال نہ ہو کہ روح اکیلی ادائے نماز اور جواب سلام کی استطاعت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا، تو حضورؐ نے حیات انبیاءؑ کے ساتھ ان کے فعل نماز کو اور روح (لوٹنے یا متوجہ ہونے) کے ساتھ جواب سلام کو وابستہ نہ فرمایا ہوتا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

قوله نبی الله حی یرزق واحیاء فی قبورهم یصلون صرح فی ذکر الحیوٰة فانها لا اصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت علی الارض[2]

ترجمہ: حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔ اور یہ کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں، یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں، بلکہ نفس حیات (زندہ ہونے) کا اصول کرام کو ثابت کرتی ہیں، بایں نتیجہ کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

---

[1] حیات الاجساد ص۲ مصنفہ محدث شاہ [2] ایضاً

(۵) —— حکیم الامت، مجدد الملت، محی السنۃ الغراء، قامع البدعۃ الظلماء

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسد کو کھائے۔ پس اللہ کے پیغمبر زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

ف۔ پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔ اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور رزق ثابت وارد ہے، مگر انبیاء علیہم السلام میں یہ اکمل و اقویٰ ہے۔ بیہقی وغیرہ نے حدیث انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ کذا فی المواہب۔ اور یہ نماز تکلیفی نہیں، بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔[1]

ندا کا شبہ یہاں بھی نہ کیا جائے، دو وجہ سے۔ ایک تو متبادر قصہ سے یہ ہے کہ مسجد نبوی میں جانے کو فرمایا، سو وہاں حضورؐ قریب ہی سے تشریف رکھتے ہیں تو ندائے غائب لازم نہیں آتی۔[2]

شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کا نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔[3]

---

[1] نشر الطیب صفحہ [illegible] شائع کردہ ادارہ اشرفیہ لاہور۔ [2] [illegible] [3] بیان القرآن جلد [illegible] تاج کمپنی

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دور تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف سننے میں نہ آیا تھا علمائے دیوبند کے مخالفین بھی اس مسئلے میں ان کے ساتھ تھے آپ فرماتے ہیں۔

(۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محققین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور صحیح و سالم ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعۂ زمین جس سے جسمِ مبارک خصوصیت الصاق میں لگے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔[1]

(۲) ایک دوسری جگہ حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کی تشریح میں فرماتے ہیں۔
ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اس لیے زیارت کرنے والے کو یہ کہنا چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں۔[2]

(۳) ایک مرتبہ فرمایا کہ۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسدِ اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور خود بھی بجسدہٖ الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہلِ حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق پہنچتا ہے۔
اس کے بعد حضرتؒ نے حیات کی تفصیل بیان فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ۔

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کا ہے کہ وہ شہید کی حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لیے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو مٹی نہیں کھا

---

[1] نیل الشفاء ص ۲۴ [2] امداد الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ رسالہ الاربعین ص ۱۳۵ [3] شکر النعمۃ ص ۳۲

کی نفی، حدیث شریف میں ہے:-

حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض۔

اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں، نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی۔

نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

یہ باتیں شہید کے لیے شریعت نے مشروع نہیں کیں، تو اگرچہ شریعت نے اس کا کوئی خاص راز بیان نہیں کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں کہ اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے۔ ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مؤمنین سے اقویٰ ہونا ثابت ہوا۔

بہرحال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں اور ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے.. اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح ہونے کا اعتقاد تھا۔[1]

(۴) حضرت حکیم الامت ایک اور وعظ میں فرماتے ہیں:-

خوب سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو میں نے اموات کے ذیل میں بیان کیا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ حیات انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے کیونکہ بوجہ ظاہری موت کے آپ کو میت کہہ سکتے ہیں، ورنہ واقع میں

۱؎ وعظ الحبور ص۱۲ ، ماسر الاعیان ص۵

آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات ایسی قوی ہے کہ دوسروں کو وہ حاصل نہیں۔ انبیاء علیہم
السلام کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے
بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی
بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ شہداء جن کی
حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن
کو زمین نہیں کھاتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے۔
معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔[1]

⑤ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

ایک شخص نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے کہا جو
لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں ان کے حق میں ارشاد ہے بل احیاء عند ربھم
اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں وہ کیوں کر نہ زندہ ہوں گے
اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں اس باب میں تو حدیث صریح موجود ہے اور نکتہ
تائید کے درجہ میں ہے۔[2]

⑥ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے۔ وہ
حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے
قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھیے
زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات
رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوتی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہوا ہے۔[3]

---

[1] تعلیم الشاہ ص [illegible] [2] الافاضات الیومیہ جلد ۲ ص [illegible] [3] وعظ الظہور ص [illegible]

(٧) ایک مرتبہ فرمایا کہ :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔[۱]

ایک مرتبہ فرمایا کہ :

مدینہ طیبہ جانے والو یوں کہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔[۲]

(٨) حضرت حکیم الامتؒ کے ایک خلیفہ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ :

جب تم مدینہ منورہ روضۂ اقدس پر حاضر ہو تو میرا سلام اس طرح عرض کرنا :

یا سیدی یا رسول اللہ اشرف علی تھانوی یسلم علیک ویسئلک ان یدعوا اللہ تعالیٰ ان یدخلہ فی عشاقک وخدام دینک ویحشرہ معک۔[۳]

(٩) حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں کہ :

میں اب میں بیان کر اس واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا :

سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے تو عرض کیا، السلام علیک یا جدی، جواب مسموع ہوا۔ وعلیک السلام یا ولدی۔ اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا	تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت	فامدد یمینک کی تحظی بہا شفتی

پس فوراً قبر شریف سے ایک دست مبارک جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔[۴]

۱؎ الکشف ص [illegible] ۲؎ التبلیغ ص [illegible] ۳؎ القول الجمیل جلد اول ص [illegible] ۴؎ ملفوظات حکیم الامت الافاضات جلد ۵ ص ۲۴۳

یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرونِ نماز اور بیرونِ نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لیے دوامِ حیات لازم آئے گا۔[1]

محمد بن عبدالوہاب اور اس کے فرقہ سے ان حضرات (اکابر علمائے دیوبند) کو دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ عقائد و اقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز اور بین اہل السنۃ و بینہم ہیں، ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں۔ وہ وفاتِ ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی اور تعلق مابین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آبِ حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لیے لکھا گیا ہے۔ نیز "ہدیۃ الشیعہ" و "اجوبہ اربعین" حصہ دوم اور دیگر رسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز ان مضامین سے بھرے ہوئے ہیں۔[2]

---

[1] مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ / ۱۲۹ مطبوعہ [2] نقشِ حیات جلد ۱ صفحہ ۱۰۳

[3] حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حیاتِ جسمانی اور بقاء تعلق مابین الروح والجسم کے منکر اہلِ سنت میں سے نہیں اور وہ دیوبندیت سے بھی خارج ہیں۔ نیز اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوبندیت صرف یہی نہیں کہ حضرت کے تعلق مابین الروح والجسم کا اقرار کر لیا جائے بلکہ دیوبندی ہونے کے لیے اس کا مثبت ہونا ضروری ہے خواہ تحقیقاً ہو، خواہ تقلیداً۔ اور اس عقیدے کو تسلیم کرانے کے لیے پوری طرح فکر و قوت صرف کرنا ضروری ہے۔ حضرت کا یہ بیان ان لوگوں کے لیے پیامِ عبرت ہے جو اس تعلق روح و جسم کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اس کے اثبات میں مطلقاً خاموش ہیں۔ [4] معلوم ہوا کہ آبِ حیات لکھنے کی غرض محض رد روافض ہی نہیں جیسا کہ بعض کا خیال ہے، بلکہ اصل مقصد عقیدہ حیات النبی کا اثبات تھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز آں حضرت کی شان مبارک میں وہ علمیہ پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں جن کے حریم حقائق تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ رسالہ آب حیات، قبلہ نما، تحذیر الناس، ہدیۃ الشیعہ، اجوبہ اربعین، قاسم العلوم، مناظرہ عجیبہ وغیرہ ایسے مضامین سے بھرے ہوئے ہیں [1]

ہمارے اکابر دیوبند قدس اللہ سرہم کا بیان ختم ہوا۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اکابر دیوبند حضرات موجودین دامت برکاتہم

(۱) صدر الافاضل، فخر الاماثل، جامع شریعت و طریقت حضرت العلامہ الحاج

القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں:۔

مسئلہ زیر بحث جہاں تک اپنے بزرگوں کی کتابوں اور ان کے مقالات و مشورات اور حق کا تعلق ہے۔ دیوبندیت تو یہی ہے کہ برزخ میں آنحضرت کو حیات دنیوی کے ساتھ زندہ مانا جائے کیونکہ دیوبندیت کی موجودہ جماعتی تشکیل قیام دار العلوم سے شروع ہوتی ہے جس کی ابتدا حضرت اقدس حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے دو جلیل القدر خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ سے ہوئی۔ ان حضرات کا مسلک بھی حیات دنیوی کا ہے اور عالم برزخ کی حیات اسی جسد اطہر سے ہے جو اس دنیا میں تھا ہے۔ پھر آ گے ان کے دو بزرگوں کے تلامذہ مثل حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا محمد حسن دیوبندی، حضرت مولانا خلیل احمد

[1] نقش حیات جلد ۱ صفحہ ۱۵

کی بات نہیں، تو ایسی کتاب ہم جیسے نالائقوں کے بس کی بات کیا ہو سکتی ہے:

...... حاصل یہ ہوا کہ سرور عالم ہر آن بمشاہدۂ جمال الٰہی میں بھی مستغرق رہتے ہیں
ہیں اور امت کی طرف بھی آپ کی توجہ ہر لمحہ مبذول رہتی ہے، نہ یہ استغراق توجہ میں
مانع ہوتا ہے، نہ توجہ استغراق میں، یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارف کامل
حالت کشف میں اپنے محبوب کے جمال جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوا تو
اس نے سرور عالم کو اسی حال میں پایا۔

ورأيته مستقرا على حالة واحدة . . . متوجها الى الخلق لابسا لباس
العظمة . فاذا توجه اليه انسان بجميع همته وقربه الانسان
العالي الهمة فتمثل له ككل ذي كبد يشتاق الى شيء ويتوجه اليه بقصده
وشوقه ودنه يدلي اليه . . . ورأيته صلى الله عليه وسلم ينشرح
انشراحا عظيما لمن صلى الله عليه وسلم ومدحه۔

ترجمہ: میں نے سرور عالم کو اس حال میں دیکھا کہ آپ بندگان الٰہی کی طرف متوجہ تھے
پوری توجہ کے ساتھ عظمت وشان کا لباس آپ کے زیب تن تھا جب کوئی شخص کا
بدہ ذوق وشوق کے ساتھ آپ کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ سرور عالم اس
سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور پر درود و سلام بھیجا اور
آپ کی تعریف کی، تو آپ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ کشف ہے اُن کا جو بارہویں صدی کے امام اور مجددوں کے سرتاج تھے، یعنی حضرت
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو انہوں نے اپنی مشہور کتاب

ؔ یہ جو شبہات منکرین حیات کی طرف سے حدیث ما من احد یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی۔
پر وارد کئے جاتے ہیں، ان کا ازالہ فرمانے اور مضمون حدیث پر نہایت نفیس بحث کرنے کے بعد حضرت
قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ بیان فرمایا ہے۔

کا جامد مجتمع ہے اور اس زمانہ کی تحریر میں کسی لفظ میں ان اکابر کی تحقیق کے خلاف
ہے تو وہ لغو ہے ناقابل التفات ہے، مردود ہے۔ اس سب کے بعد گرامی
نامہ کے مستفسرات کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ جیسا حیات کے درجات متفاوت
ہیں جس کا اعتراف یہ حضرات خود بھی کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا۔ اسی طرح
ممات کے بھی درجات مختلف ہیں۔ نوم پر بھی احادیث صحیحہ صریحہ میں موت کا
اطلاق کیا گیا ہے اور جاگنے کی دعاؤں میں کثرت سے ہے الحمد للہ الذی
احیانا بعد ما اماتنا۔ وارد ہے۔ قرآن پاک میں ہے اللہ یتوفی الانفس حین
موتہا۔ الآیۃ میں نوم پر وفات کا اطلاق کیا گیا۔ لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ
میں موت کی نفی کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا جن نصوص میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
پر موت کا اطلاق کیا گیا، ان میں سے کوئی سی بھی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ
یا اکابر دیوبند یا مہند کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبہ میں بھی
وہی موت مراد ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایان شان ہے۔ خود حضرت
عمرؓ کے تفصیلی اقوال جو اس سلسلہ میں نقل کیے گئے ہیں اس کی واضح تائید کرتے
ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کسی درجہ ممات کے بھی قائل نہ تھے چنانچہ ان کا ارشاد
ان رجالا من المنافقین یزعمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
توفی واللہ ما مات ولکن ذہب الی ربہ کما ذہب موسی ابن عمران
واللہ لیرجعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما رجع موسی فلیقطعن
ایدی رجال وارجلہم زعموا انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مات۔
بیہقی کی روایت سے خود حضرت عمرؓ کا یہ مقولہ نقل کیا گیا کہ وہ آیت وکذلک
جعلناکم امۃ وسطا الآیۃ کے متعلق فرماتے ہیں واللہ ان کنت لاظن
انہ صلی اللہ علیہ وسلم سیبقی فی امتہ حتی یشہد علیہا بآخر اعمالہا وانہ

عمر اللہ سے حلف علی ان مثلت ما قلت۔ لہذا شیخینؓ کے مذاکرہ کو موجودہ مسئلہ متنازعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ موت کا بالکلیہ انکار فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ابھی واپس تشریف لے آئیں گے۔ اس بنا پر حضرت صدیق اکبرؓ کا رد بالکل صحیح اور واضح ہے کہ ذائقۃ الموت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ اشکال صرف موت کے بعد اس وجہ سے ہے کہ نوع خاص من الحیات فی الجسد الاطہر ہوتی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات اجساد انبیاء کے بقاء کے قائل ہیں، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ان اجساد میں اگر کسی نوع کی بھی حیات نہ مانی جائے، تو یہ حدیث پاک ہی مہمل بن جائے گی۔ اس لیے کہ حضورؐ کا پاک ارشاد اس حدیث پاک میں یہ ہے "فاکثروا علی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی"۔ اس پر صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوتا ہے۔ قالوا یا رسول اللہ کیف تعرض وقد بلیت۔ اس پر حضورؐ جواب فرماتے ہیں ان اللہ حرم الخ آپ ہی غور کریں کہ اگر ان پاک اجساد میں کوئی نوع حیات کی نہیں تو حضورؐ کا یہ پاک ارشاد صحابہؓ کے اشکال "کیف تعرض" کا جواب کیسے بن گیا۔ روایت بھی صحیح ابن حبان کی ہے اور حاکم نے اس کو علی شرط البخاری بتایا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اقرار کیا۔ ایک چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ باجماع امت قبر اطہر کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے متصل ہے کعبہ شریف بلکہ عرش معلی سے افضل ہے کیا یہ فضیلت صرف اس جسد اطہر کی ہے، جس کے ساتھ کبھی روح کا تعلق رہ چکا ہے اور اب نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر وہ کپڑے مبارک جو کبھی جسد اطہر پر پڑ چکے ہیں۔ ان کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال یہ ناکارہ تو اکابر دیوبند قدس اللہ اسرارہم کا بہت متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ "المہند" میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔ اس سے آپ کے کل سوالات کا جواب واضح

ہوگیا۔ مختصر نمبروار یہی معروضہ ہے۔ لیکن آپ نے صفحہ ۵ پر سوالات کرکے گرامی نامہ ختم کرکے صفحہ ۱ پر پھر وہی سوالات عبارت کے تغیر کے ساتھ درج کر دیئے۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال ہر دو کے جواب حسب ذیل ہیں:۔

صفحہ نمبر ۵۔

① ــــــ احیاء انبیاء کرام علیہم السلام میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔

② ــــــ یہ ظاہر ہے کہ حیات تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے۔ بغیر تعلق روح کے حیات کا کیا مطلب؟

③ ــــــ اگر ایسی حیات ہوتی جو ہر ذی روح کو کائنات میں ہوتی ہے تو پھر انبیاء کی کیا تخصیص ہوتی۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ "نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ"۔

④ ــــــ یہ بات کہ جو پوچھی ہے یہ سوال کہ علماء دیوبند کا یہ قول قابل اقتدا ہے یا نہیں، بے محل ہے۔ علامہ سخاویؒ تو امام بیہقیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔ "قال البیہقی وفی حدیث سعید ابن المسیب عن ابی ہریرۃؓ انہ لقیہم ببیت المقدس وفی حدیث ابی ذرؓ و مالک بن صعصعۃ فی قصۃ المعراج انہ لقیہم فی جماعۃ من الانبیاء بالسموات فکلمہم وکلموہ وکل ذلک صحیح لا یخالف بعضہم بعضاً فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائماً یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنبینا فیراہم فیہ ثم یعرج بہم الی السموات کما عرج بنبینا فیراہم فیہا کما اخبر قال وحلولہم فی اوقات مختلفۃ فی مواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بہ خبر الصادق وفی کل ذلک دلالۃ علی حیوتہم"۔ یہ تو بہت ہی صاف ہے۔ لیکن اگر یہ حضرات

۱ـ القول البدیع صفحہ ۱۶۳ ۔ ۲ـ ایضاً صفحہ ۱۶۳

اپنی قبروں میں روح مع الجسم ہوں اور دوسرے مواقع میں روح متشکل ہو جیسا کہ بعض نے فرمایا تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں۔

(۵) —— جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے حضور اقدس اس کو سنتے ہیں۔ "من صلی علی عند قبری سمعتہ" مرفوعاً مروی ہے علامہ سخاویؒ نے حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے "سندہ جید"۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مستقل قاصد مدینہ پاک بھیجا کرتے تھے۔ تاکہ قبر اطہر پر سلام پہنچائے اگر کوئی فرق نہیں تھا تو ان کا یہ فعل عبث تھا، نعوذ۔

اس کے بعد نمبروار پھر مکرر سوالات درج ہیں نہ معلوم کیوں۔

(۱) —— یہ اوپر بیان ہو چکا کہ ان سب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے اجساد میں ایک خاص نوع حیوۃ ہے۔

(۲) —— یہ سوال بھی مکرر ہے اور جواب بھی وہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع حیوۃ کی ہے۔

(۳) —— مجھے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کے مسلک میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ مہند میں حضرت سہارنپوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت رائپوریؒ وغیرہ کا یہ ارشاد "ھذا معتقدنا ومعتقد مشائخنا" درج ہے۔ اس لیے کہ ان تمام حضرات کے شیخ حضرت گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے "انک میت" الآیۃ کے اشکال کا جو جواب نقل کیا ہے، وہ تو حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تعبیر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کرام کی روح اس مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ شانہٗ و تقابلیا

له دیکھو شہاب ثاقب صلہ

کو آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پہنچ جاتی ہیں کہ اجزائے بدن پر
اُن کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن بحکم روح پیدا کر لیتا ہے۔ اور تمام جسم ان کا عین
روح ہو کر اس میں حیات ہو جاتی ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہوتی ہے اور اس
تحقیق سے معلوم ہوتا ہے: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بھی ظاہر ہو
جاتا ہے۔ آپ بھی غور کیجئے کہ ہم ناواقف ان واصلین کے علوم تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔

(۴) معلوم نہیں ایک ہی سوال کو بار بار مختلف عنوانات سے لکھنے میں کیا مقصد
ہے یقیناً جو اس میں ہے وہ صحیح ہے۔ شہاب ثاقب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔

(۵) حضرت رائپوری دامت برکاتہم بار بار زبانی اور تحریری ارشاد فرما چکے ہیں
کہ میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ اس وقت بھی یہی فرمایا اور یہ بھی فرمایا
کہ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں ۸۰ سال سے متجاوز ہو کر من یرد
الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا میں داخل ہو گیا ہوں۔ اور بھی کسر نفسی
کے الفاظ ارشاد فرمائے جن کا نقل دشوار ہے کہ میں ان حضرات اکابر کے
مقابلے میں کیا چیز ہوں۔

نوٹ: علامہ ذہبیؒ کا قول جرح و تعدیل میں معتبر ہے۔ لیکن ہر شخص کے قول کو
دیگر اہل فن کے اقوال کے ساتھ دیکھا جائے گا۔ اگر علامہ ذہبیؒ کی جرح و تعدیل دیگر
اکابر کے خلاف ہو گی۔ تو غور کیا جائے گا۔ ورنہ یقیناً معتبر ہے۔ فقط

آخر میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ یہ دقیق مسائل عوام کی عقول سے اونچے ہیں۔ ان
مسائل کو اشتہارات میں لانا اور ان میں بحثیں کرنا نہایت نامناسب ہے۔ لا عبد لک
النصیحۃ مدملک العالم۔ ہر دو فریق سے درخواست ہے کہ اس بحث کا سلسلہ
جہاں تک جلد ختم کر دیا جائے۔ فقط والسلام

زکریا عفی عنہ مظاہر العلوم سہارنپور ۲۵ رجب ۸۱ھ

(۳) — فخر المحدثین و الفقہاء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

— دامت برکاتہم شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار سندھ

من ینکر حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ... کان فؤادہ خالیاً من حبہ وعقلہ خالیاً من لبہ[1]

ترجمہ: جو شخص حضور اکرمؐ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کا دل حضورؐ کی محبت سے خارج ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

(۴) — زبدۃ الفقہاء بدر الادباء حضرت مولانا الحاج محمد شفیع صاحب

— دامت برکاتہم مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ رحمت کائنات مصنفہ مولانا زاہد الحسینی تقریباً پورا مطالعہ کیا۔ حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل سنت والجماعۃ کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاقیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے۔ وہ خود ایک نہایت مفید مضمون ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت مومن کے قلب میں جم جاتی ہے، جو سرمایہ سعادت دنیا و آخرت ہے ورنہ تا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی ہجران اللہ وس سے تجا لقع پہنچا۔ علمائے دعا نکل جمہور علماء امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] وعلاء السنن جلد ۱۰ صفحہ ۳۹

وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسم عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان
کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی
کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں لیکن آثار
بعض دنیاوی احکام اب بھی باقی ہیں۔ مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا۔ ازواج مطہرات
سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔ متقدمین میں امام بیہقیؒ کا اور متاخرین
میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ اس مسئلہ کی توضیح کے لیے
کافی ہے جن میں روایات حدیث کافی تفصیل سے مندرج ہیں۔ بیہقیؒ
نے فرمایا ہے "وحیاۃ الانبیاء بعد موتھم ثابتۃ من الاحادیث الصحیحۃ"
اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ سے ثابت
ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آتی ہے۔ روح پر نہیں۔ اس لیے
حیات بعد الموت کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں اور متاخرین
میں امام حدیث و تفقہ تقی الدین سبکیؒ نے اپنی کتاب کا ایک باب اسی مسئلہ
کی تحقیق کے لیے لکھا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے لیے بعد الوفات کے
حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لیے فرمایا ہے:-

وقد ذکرنا من جماعۃ من العلماء وشھد له صلوٰۃ موسیٰ علیه السلام
فی قبرہ فان الصلوٰۃ یستدعی جسداً حیاً وکذلک الصفات المذکورۃ
فی الانبیاء لیلۃ الاسراء وکلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونھا
حیاۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج
الی الطعام والشراب والامتناع من النفوذ فی الحجب الکثیفۃ وغیر
ذلک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد یکون لھا حکم آخر فلیس
فی العقل ما یمنع من اثبات الحیاۃ الحقیقیۃ لھم۔ (شفاء السقام سبکی)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کر کے بہت لکھتے ہیں ۔

فلم یبق الا انہا حیاۃ حقیقیۃ الآن وان الشہداء احیاء حقیقۃ وھو قول جمہور العلماء لکن علی ذلک الروح فقط او الجسد معہا فیہ قولان ۔

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لیے نہیں بلکہ جسد کے لیے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لیے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہوئی تو انبیاء کی حیات کا اس سے اعلیٰ وارفع ہونا ہی ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے جمہور علماء امت کا یہی عقیدہ ہے ۔ اور یہی عقیدہ میرا اور بزرگان دیوبند کا ہے ۔

(۳) اس مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں اتباع سلف و جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبند کے بھی ضرور خلاف ہے ۔

بندہ محمد شفیع عفی عنہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

(۵) محدث کبیر فقیہ شہیر جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

الجواب :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں

آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق جسد وروح ہے۔

جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے اور خلاف عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے:

ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء (الحدیث) وعن ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جید۔ (القول البدیع) عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الانبیاء صلوات اللّٰہ علیہم احیاء فی قبورہم یصلون رواہ ابن عدی والبیہقی وغیرہما۔[1]

تین حدیثیں نقل کر دی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور خارج اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کا درود بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پہنچنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

کتبہ: السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند ۲۳ ⁄ ۷ ؁۸۳ھ

تحفۃ الف: الجواب:-

اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں حیات ہیں۔ ان کی ارواح کو ان کے اجسام مطہرہ سے خصوصی تعلق ہے۔ اس خصوصیت میں مخلوق میں سے کوئی

---

[1] شفاء السقام صلاھ

ان کا شریک وسہیم نہیں ہے کہ ان کی قبر پر سلام پڑھا جائے تو وہ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔

قال الشیخ الکبیر ابو عبد اللہ القرشی سافرت الی الشام فلما وصلت الی قریب حرم الخلیل علیہ وعلی نبینا افضل الصلوۃ والسلام تلقانی فقلت یا رسول اللہ جعلنی ضیافتی عندک الدعاء لاھل مصر فدعا اللہ ففرج اللہ عنہم قال الیافعی فقولہ تلقانی الخلیل قولہ حق لاینکرہ الا جاہل بمعرفۃ ما یرد علیہم من الاحوال التی یشاھدون فیہا ملکوت السموات والارض وینظرون الانبیاء احیاء ردت الیہم ارواحہم بعد ما قبضوا واذن لہم فی الخروج من قبورہم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی ویمثل صورتہ الکریمۃ البہیۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانہ نائم فی قبرہ عالم بہ یسمع کلامہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ۔[۲]

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی اپنے مزار مبارک میں اپنے جسد اطہر کے ساتھ حیات ہیں، جو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ زائر کے صلوۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اس لیے زید کا خیال صحیح نہیں ہے بکر کا قول اور اس کا عقیدہ صحیح اور اہلسنت والجماعت کے مطابق ہے اور کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے۔ مواہب لدنیہ، شرح مواہب للزرقانی انباء الاذکیاء، الخصائص الکبری، مستدرک، شرح لباب، شفاء السقام وغیرہ ذلک من الکتب

بے شک اس عقیدے کے سلسلے میں زید اہل سنت کے عقیدے سے خارج

؎۱ الفتاوی الحدیثیہ ؎۲ الاختیار شرح المختار جلد ۱ ص ۱۷۳

ہے کہ یہ ان کا عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۳ [illegible] ھ

(۲) — رأس الاتقیاء استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتی

[illegible] تلمیذ خلیفہ اعظم حضرت مولانا الشیخ حسین علی صاحب بچھروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام اولادِ آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت اور انک میت وانھم میتون۔ کل من علیھا فان اعلانِ خداوندی ہے۔ تمام بنی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب و عذاب محسوس کرتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو جب چارپائی پر قبرستان لے جاتے ہیں تو وقت اگر مومن ہے تو قدمونی قدمونی مجھے جلد پہنچاؤ کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے کہ اے مجھے ہلاکت ہو مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ قبر میں سوال منکر نکیر میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کی آواز سننا۔ قبر میں عذاب اور ثواب۔ یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان "احیاء" اور "حیات ثابت" کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سرور انبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور یہ حیات ان کی شان کے مناسب ہے۔ اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے۔ جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان

درود شریف قبر اطہر کے پاس پڑھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے تو فرشتے رسول اکرم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہائے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی توثیق اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا۔ یہ تو ایک اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔

مسکین نصیر الدین غور غشتوی

(۷) — بقیۃ السلف حجۃ الخلف مجاہد کبیر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری دامت برکاتہم

انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا۔ وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی کے ہے اور باعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔

انبیاء کرام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔

جہاں تک مجھے علم ہے یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اس عقیدہ حیات النبی ﷺ کا منکر نہیں ہو سکتا جن کو

باطن کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روضہ مطہر کی حیات مدینہ حیات میں ہے۔

احقر الانام احمد علی عفی عنہ

(۸) — رئیس الاتقیاء اسوۃ الصلحاء شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری دامت برکاتہم

میرا مسلک وہی ہے جو اکابر دیوبند کا ہے۔ یہ لوگ بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔

(ارشاد حضرت رائے پوری بتحریر حضرت شیخ الحدیث کاندھلوی)

(۹) — دارالافتاء مدرسہ عربیہ امینیہ مفتی کفایت اللہ صاحب کا قائم شدہ ۱۹۰۱ء

بقلم شیخ الحدیث والفقہ علامہ محمد عبدالغنی صاحب دامت برکاتہم

الجواب:

صریح صحیح اور قوی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ الانبیاء احیاء فی قبورھم۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب اور شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمہور علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں جو بجائے نور روضہ ہائے جنت ہیں، حقیقتاً زندہ ہیں۔ ان کو وہاں سے کہیں دوسری جگہ نقل نہیں کیا جاتا۔ الخ فی معارج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ حیات انبیاء متفق علیہا ست۔ ہیچ کس را دروے خلافے نیست۔ حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔ چنانکہ شہداء راست۔ اور حضرت محدث گنگوہیؒ نے بھی اپنے فتاوے میں کئی جگہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور مزار مبارک کے پاس استشفاع بھی

کر سکتے ہیں۔ کیونکہ باتفاق مفتیین اس استشفاع اور طلب دعا جناب
باری تعالیٰ میں کسی کو اختلاف نہیں۔

الحاصل حیات انبیاء فی قبورہم کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے۔ اس کا انکار اجماع
کا انکار ہے اور سخت بدعت، شقاوت کا ارتکاب ہے۔ بہرحال اگر کسی نے غلطی
کی وجہ سے انکار کیا۔ تو جماعت مخصوص میں اس سے اجتناب ہے اور اگر احادیث کثیرہ
اور اجماع امت کو رد کرتے ہوئے انکار کیا تو اس بدعتی عقیدہ ضلالت سے
توبہ واجب ہے۔ فقط

محمد عبدالغنی غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ۲۶ جون ۱۹۵۹ء

حیات النبی کے قائلین پر یہ الزام کہ وہ آنحضرت پر ورود موت کے قائل نہیں۔ اس کے
ازالہ اور حیات بعد الوفات کے اثبات و تحقق پر یہ دو حوالے ملاحظہ کیجئے۔

(۱۰) سلطان المناظرین عمدۃ المحققین حجۃ السلف حجۃ الخلف

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم

چونیاں[۱] ضلع لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں۔

کسی کا یہ خیال کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک لمحہ کے لیے بھی موت جو مبارک جسد اطہر
سے جدا نہیں ہوئی کہاں تک صحیح ہے؟ الفرقان کی قریبی اشاعت میں اس مسئلہ کی تحقیق فرما کر
ممنون فرمائیں۔

تحقیق: یہ غلط خیال ہے اور نصوص قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور شاید ایسا خیال
کرنے والوں کو مسئلہ حیات النبی کی حقیقت سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم پر موت کا طاری ہونا ایک ناقابل انکار بلکہ ناقابل شک و ریب حقیقت ہے قرآن مجید

۱؎ یہ ۱۹۴۵ء کی تحریر ہے جب ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور چونیاں ضلع لاہور میں تھا۔

میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ انک میت وانھم میتون (زمر) اے رسول اللہ! آپ کو بھی ضرور موت سے دوچار ہونا ہے اور وہ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔ پھر احادیث بھی اس بات میں بکثرت ہیں۔ انہی میں حضور کے آخری وقت کے بیان میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت کے سامنے اس وقت لکڑی کے ایک پیالہ میں پانی تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ ان للموت سکرات (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی کچھ سختیاں ہیں) حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ حتیٰ قبض ومالت یدہ (صحیح بخاری) پھر آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھایا اور فرماتے تھے "آپ رفیق اعلیٰ میں" یہاں تک کہ روح مبارک قبض کر لی گئی، اور آپ کا ہاتھ نیچے آ گیا)۔

نیز حضرت عائشہؓ اور حضرت عباسؓ دونوں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں:

فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغسل اختلفوا فی دفنہ فقال ابوبکر ما نسیت ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ۔ ادفنوہ فی موضع فراشہ للترمذی۔ (جمع الفوائد)

ترجمہ۔ دونوں فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کو غسل دے لیا گیا تو مقام دفن کے بارہ میں اختلاف آراء ہو گیا اس وقت صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں ابھی تک نہیں بھولا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی روح وہیں قبض کرتے ہیں جہاں ان کا دفن ہونا چاہیے

ہیں لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بستر مبارک ہی کی جگہ دفن کرنا چاہیئے۔

اور صحیح بخاری و شمائل ترمذی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری وقت کی تکلیف شروع ہوئی تو حضرت سیدہ فاطمہؓ کی زبان سے نکلا واکرباہ ہائے کیسی بے چینی ہے، تو حضورؐ نے ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا لیس علی ابیک کرب بعد الیوم، انہ قد حضر من ابیک ما لیس اللہ بتارک منہ احدا۔ الموت (یعنی) آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ اب تمہارے باپ کے لیے وہ وقت آگیا ہے جس سے اللہ پاک کسی کو بھی مستثنیٰ کرنے والا نہیں ہے۔

اور وفات نبوی کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ اس باب میں ارشاد فرمایا ہے وہ تو نص صریح قرآن و حدیث کے بعد اس بارہ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ از انجملہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صدیق اکبرؓ کو وفات نبوی کی خبر پہنچی تو آپ سیدھے حضورؐ کے پاس آئے۔ چہرہ پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر آنسو گراتے ہوئے کہا۔

بابی انت وامی لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد متہا۔

ترجمہ: آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتیں نہ دے گا جو موت آپ کے لیے مقدر ہو چکی ہے وہ بہرحال آپ پر وارد ہو چکی ہے۔

غالباً حضرت صدیق اکبرؓ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا تھا جو اس وقت یہ سمجھ رہے تھے کہ حضورؐ کی یہ وفات آخری وفات نہیں ہے بلکہ عنقریب آپ اٹھیں گے اور فلاں فلاں کاموں کی تکمیل جب خود آپ کے ہاتھوں سے ہو جائے گی اس کے بعد آپ کو آخری وفات آئے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس خیال کی تردید یوں فرمائی کہ ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر دو دو موتیں وارد کرے۔ آپ کے لیے ایک ہی موت مقدر تھی جو آ گئی۔

ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام انسانوں کے لیے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے۔ پھر قبر میں منکرین کے سوال و جواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہو گئی۔ اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ پھر قائم رہے گی۔ اور عام انسانوں کی طرح آپ پر دوبارہ موت طاری نہیں ہو گی۔ واللہ اعلم

اور صحیح بخاری اور دیگر صحاح میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات نبوی کے دن جب حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر فرما رہے تھے۔ واللہ ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت وارد نہیں ہوئی) تو حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو خاموش کر کے خطبہ دینا شروع کیا جس میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

من كان يعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت وقال - انك ميت وانهم ميتون ۔ وقال تعالى - وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين ۔

ترجمہ۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت محمدؐ وفات پا گئے اور جو اللہ کا پرستار ہو تو اللہ تعالیٰ بے شک ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کے لیے موت نہیں (پھر وفات نبوی کے ثبوت میں) آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "آپ کو بھی (اے رسول!) موت آنی ہے اور آپ کے بدخواہ دشمن بھی مرنے والے ہیں" اور صدیق اکبرؓ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب بس رسول ہی تو ہیں (کوئی حی وقیوم خدا تو ہیں نہیں) تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں گے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں گمراہی کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور یاد رکھو جو بھی اس طرح پلٹے گا تو وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ خود اپنے کو برباد کرے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے شاکر بندوں کو ثواب دے گا۔

پھر واضح رہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ صحابہ کرامؓ کے بھرے مجمع میں دیا۔ اور کسی نے اس کے کسی جزء پر کوئی تنقید نہیں کی۔ بلکہ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ - ابوبکرؓ کے اس بصیرت افروز بیان نے خود میری آنکھیں کھول دیں اور میں نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا۔

گویا ایک طرف تو یہ مسئلہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کے عام قانون کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت کے ماتحت موت طاری ہوئی تھی اور وہ موت بنصوص قرآن وحدیث کے ثابت ہے۔ اور دوسری طرف اس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے لہٰذا سوال میں کسی کا جو خیال ذکر کیا گیا ہے اس کے لیے ہرگز کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا ان صاحب کو یہ غلط فہمی مصنفین کے کلام میں "حیات النبی" کی عبارت سمجھنے کے باعث ہوئی ہے۔ شاید انہوں نے سمجھا ہے کہ وہ علماء کرام جو "حیات النبی" کے قائل ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر موت وارد ہی نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس موت کے بعد حضور اقدس کو حیات بخش دی گئی ہے غالباً متقدمین میں امام بیہقیؒ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مسئلہ حیات الانبیاء پر مستقل

لہ امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیاً ابلغتہ۔

ترجمہ: کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھے گا میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے درود شریف پڑھے گا وہ

رسالہ لکھا ہے۔ امام بیہقی نے اس مسئلہ کے متعلق تمام احادیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خود اس کی تشریح اس طرح کی ہے۔

ان الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیہم ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۵ ص [illegible])

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کی ارواح ان کی وفات کے بعد انہیں لوٹا دی گئیں ہیں وہ رب کے یہاں زندہ ہیں جیسے کہ شہدائے کرام۔

(فرشتوں کے ذریعہ) مجھ تک پہنچایا جائے گا۔

ملا علی القاریؒ اپنی کتاب الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ میں فرماتے ہیں۔

ومن اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلی وسلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعاً حقیقیاً وردّ علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی او یسلم علیہ من بعید فان ذلک لو یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء عنہ بسند جید من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ۔

ترجمہ: زیارت قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا فرماتے ہیں بخلاف اس شخص کے جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے وہ آپ کو نہیں پہنچتا مگر بذریعہ فرشتوں کے بوجہ اس کے کہ سند جید سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی مجھے اطلاع دی جاتی ہے۔ (تفہیم القرآن ص ۱۵۹، ۱۶۰)

ملا علی قاری نے اس حدیث کو اس کی دوسری سند کے اعتبار سے جو ابو الشیخ کی ہے سند جید کہا ہے۔ اس سے امام بیہقی کی کمزور سند کی بھی ترجیح ہو جاتی ہے۔ خالد محمود عفا اللہ عنہ

پھر بعد کے دور میں جن اکابر نے اس مسئلہ پر خاص توجہ کی ہے ان میں ایک جلیل القدر شخصیت علامہ تقی الدین سبکیؒ ہیں۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب "شفاء السقام" میں "حیات انبیاء" پر ایک مستقل باب لکھا ہے جس میں پوری قوت کے ساتھ مسئلہ کا ثبوت دینے کے بعد خود ہی یہ شبہ وارد کیا ہے کہ "قرآن عزیز صاف حضورؐ کی موت کا اعلان کر رہا ہے (انک میت و انہم میتون) اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں، انی مقبوض (میں قبض کیا جاؤں گا)، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں ان محمدا قد مات (یعنی حضور اقدس وفات پا گئے) اور ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کے متعلق موت کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں۔

یقال انہ موت غیر مستمر وانہ احیی بعد الموت۔ (شفاء السقام ص۱۴۲)
ترجمہ: جواب میں کہا جائے گا کہ یہ موت غیر مستمرہ کا ذکر ہے اور حضورؐ کو اس موت کے
بعد اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرما دی۔

بہرحال حیات انبیاء کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ ان پر موت قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح و سالم قبر میں محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

ھذا الجواب ویتوب اللہ علی من تاب۔ محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان کے جنوری اپریل ۱۹۵۹ء کے ماہنامہ میں شائع ہوا تھا، پھر یہ مضمون ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی مئی ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ دوبارہ اسی حاشیہ سے شائع ہوا جس میں سماع عند القبر الشریف کی بحث کو مستند حیثیت سے مانا گیا ہے پھر تعلیم القرآن کی جولائی، اگست ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں اس کی تصدیق حضرت مولانا عبدالرحمن کیمل پوری سے ان الفاظ میں منقول ہوئی۔

میرے نزدیک مولانا محمد منظور صاحب کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع و شائع

ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے یہ (تعلیم القرآن راولپنڈی)

یہ ان دس بزرگوں کی شہادات ہیں جو بقید حیات ہیں۔ وہ کتنی بہوش نما فضلاء

ان تمام مضامین میں حیات روح بالجسد مذکور ہے اور روضہ پاک کے پاس حضورؐ کے سماع حقیقی کی

تشریح کی گئی ہے۔ وھو الحق والحق احق ان یتبع۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم وہ بزرگ ہیں جنہیں حضرت مولانا حسین علی

واں بھچراں نور اللہ مرقدہ نے سلانوالی کے مناظرہ کے لیے بلایا تھا اور ان کی تقریریں سامنے

بیٹھ کر سنیں اور فرمایا مسلک دیوبند کی حقانیت مولانا منظور نعمانی کی زبان سے آج بہت کھل کر

ہمارے سامنے آئی ہے اور بیشک انہی حضرات کا مسلک برحق ہے۔

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی نے ایک مجلس میں بیان کیا کہ میں جب سلانوالی کے مناظرہ کے لیے

جا رہا تھا تو میں نے ارادہ کیا تھا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے ملاقات نہ

کروں، وہ بطور صدر مناظرہ میں میری تقریر سنیں اور حضرت سے میری ملاقات۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور علماء دیوبند کا مسلک حضرت مرحوم کے سامنے اس طرح آیا کہ اب آپ کے

بارے میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مرحوم اور علمائے دیوبند کے مابین اختلافات ہیں۔ اگر اس میں

کچھ بھی حقیقت ہوتی تو حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی کبھی کھلے بندوں حیات النبی کا اقرار نہ کرتے

اور حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری جو کچھ عرصہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سرپرست

بھی رہے نہ کہتے کہ حیات النبی میں مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان بالکل حق اور درست ہے۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ کیا ہے۔ اسے ہم دس اکابر دیوبند سے جو سب جنت میں

لگ چکے ہیں اور دس ان بزرگوں سے جن کے نام اور کام سے آج دیوبندیت کا تعارف ہوتا ہے

آپ کے سامنے پیش کر چکے۔ ان بیس بڑے مسلمانوں کی تشریح و تفصیل کے مقابلے میں ایک مجہول عقیدے

کی اشاعت اور وہ بھی علماء دیوبند کے نام سے علمی دیانت کو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔

سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

صورۃ ما کتبہ اکابر العلماء وجہابذۃ الفضلاء ممن تولی لدرس الافتاء فی عقیدۃ حیاۃ الانبیاء

پاکستان کے دس اکابر مسلک دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور وہ حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ کہ وہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تو مستقل تصنیف حیاۃ انبیاء پر آب حیات کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ المہند علی المفند بھی اہل انصاف اہل بصیرت کے لیے کافی ہے اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

- محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
- عبد الحق عفا اللہ عنہ اکوڑہ خٹک
- محمد رسول خان عفا اللہ عنہ
- شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ
- محمد ادریس کاندھلوی عفا اللہ عنہ
- (مفتی) محمد حسن عفا اللہ عنہ
- خیر محمد جالندھری عفا اللہ عنہ
- (مفتی) محمد صادق عفا اللہ عنہ جامعہ عباسیہ بہاولپور
- عبد القدیر عفا اللہ عنہ
- محمد عبد اللہ درخواستی عفا اللہ عنہ (خانپور)

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد

دارالعلوم دیوبند کا تاریخی فیصلہ

مسئلہ حیات النبی میں اختلاف پنجاب سے آگے کسی طرف نہیں جا سکا۔ ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا میں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت کر رہے ہیں مگر ان میں سے کسی نے پنجاب کے اس اختلاف سے کوئی اثر نہیں لیا۔ اور اکابر دیوبند کی یہی تصریحات سے کہیں سر مو بھی آگے نہیں نکلے۔ صوبہ سرحد، آزاد قبائل اور افغانستان میں ہزاروں فضلاء دیوبند اپنا کام کر رہے ہیں مگر ان میں کسی نے اکابر علماء دیوبند سے اس مسئلے میں اختلاف نہیں کیا۔

پنجاب میں یہ بات خصوصیت سے مشہور ہوئی کہ اس مسئلے میں جماعت دیوبند دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ کچھ علماء حیاتی ہیں اور کچھ مماتی — مطلب یہ کہ مماتی لوگ عقیدہ حیات النبی کا کھلم کھلا انکار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو دیوبندی کہتے ہیں اور پاکستان میں بیشتر حصوں میں انہیں دیوبندی ہی سمجھا جا رہا ہے۔

عجیب ہے کہ لوگ اس موضوع میں خود دیوبند کی طرف رجوع نہیں کرتے — دارالعلوم دیوبند کوئی آثار قدیمہ میں سے تو نہیں کہ اس کی طرف رجوع نہ کیا جا سکے اور حقیقت حال معلوم نہ کی جا سکے۔

پنجاب میں یہ مسئلہ دیوبندی حلقوں میں بڑھتا ہی چلا۔ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر بھرپور کتابیں لکھیں اور ان کے ذریعہ دونوں طرف کے دلائل دارالعلوم دیوبند پہنچے وہاں کے علماء کے سامنے کوئی فریق نہ تھا اور کوئی مصنف نہ تھا۔ وہ مسئلے پر محض علمی نقطہ نظر سے

غور کرتے اور فریقین کی معرکہ آرائی دیکھتے رہے۔

مقام حیات پہلی بار ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ میں چھپی۔ اس کے جواب میں قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء لکھی۔ قاضی صاحب اس میں کسی ایک مسلک پر جم نہیں سکے اور ان کی یہ کمزوری خود اس کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ جب پاکستان آئے اور قاضی صاحب کے سامنے اپنا دیوبندی عقیدہ لکھا تو قاضی صاحب نے جھٹ اس پر دستخط کر دیئے۔ اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسئلہ زیر بحث میں اختلاف اتنا نہیں ہے جتنا انتشار ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اب اس انتشار کی ہی اختلاف کے نام پر پرورش کی جا رہی ہے اور زیادہ لوگ نہیں جانتے کہ اختلاف کیا ہے۔

پنجاب کی اس معرکہ آرائی پر جب ربع صدی گزر گئی اور پچیس سال حیاتی اور مماتی آپس میں معرکہ آرا رہے تو کچھ لوگوں نے یہ معاملہ پھر دیوبند لکھ بھیجا اور دارالعلوم دیوبند سے سوال سوالات کیے۔ مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب نے نمبر ۹۸۳/ج کے تحت ۱۴۰۵ھ میں ان کا جواب لکھا۔ پھر دوسرے مفتی حضرات نے اس پر دستخط کیے اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی مہر اس پر ثبت کر دی۔

پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے اور مماتیوں کی کتابیں اور تحریریں دیکھنے کے بعد علماء دارالعلوم دیوبند اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مماتیوں کے پاس اس موضوع میں سوائے انتشار کے کچھ نہیں اور اگر ان کے پاس کوئی مادہ اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ان کو کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے۔

اب دارالعلوم دیوبند کا یہ حالیہ تاریخی فیصلہ سراسر عقیدہ حیات النبی کی تائید میں ہے اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت ہے کہ یہ پنجاب کی ربع صدی کی معرکہ آرائی دیکھنے کے بعد کا ہے اور اس سے مماتیوں کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آ گری ہے۔

اس تاریخی فیصلے کو ذرا دھیان سے پڑھیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہ فتوے مقام حیات کا ہی ایک دوسرا مختصر پیرایہ ہے۔ امانت اللہ علی ہذہ العقیدۃ اسلافنا رضی اللہ عنہم تدینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۹۸ / ش

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) ——— کیا علمائے دیوبند اور جمہور اہلِ السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ شریف میں دنیا کی سی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں ——؟

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق ومنہ الصواب

حامداً و مصلیاً۔

تمہید ——— سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ مسئلہ مستفسرہ میں بزرگانِ دیوبند کا مسلک بالکل صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بارہا اس کی اشاعت ہو چکی ہے نیز علمائے دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں تمام دنیا میں معروف و مشہور ہیں مثلاً ۱۔ آبِ حیات ۔ ۲۔ جمالِ قاسمی ۔ ۳۔ نشر الطیب ۔ ۴۔ الشہاب الثاقب ۔ ۵۔ المصالح العقلیہ ۔ ۶۔ فیض الباری ۔ ۷۔ المہند علی المفند ۔ ۸۔ تسکین الصدور ۹۔ مقام حیات ۱۰۔ ... وغیرہ ذلک ——— پھر مسئلہ کے آخری حل اور نزاع کے تصفیہ کے لیے ۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی فریقین کے ذمہ داروں نے درج ذیل عبارات پر دستخط بھی فرما دیئے ——— عبارت مجوزہ یہ ہے:-

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق
روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے
والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

اس صاف اور صحیح عبارت پر قریشی دستخط کے باوجود اصل اور اجماعی مسئلہ سے
انحراف جہاں امانت و دیانت کی دنیا میں حیرت زا ہے وہیں باعث صد افسوس بھی فیالِلعجب
ویا حسرتاہ۔

پھر یہ افسوس اس وقت مزید دو چند ہو جاتا ہے جب باہمی اتحاد و اتفاق، عزت و احترام
کے بجائے تشتت و افتراق، نزاع وجدال اور طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار کیا جائے جو عزت
نفس و شرافت ضمیر کے قطعاً قطعاً منافی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

خدا اصلاح احوال کی توفیق بخشے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اس تمہید کے بعد اصل جواب ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) —— جی ہاں ——

تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں اجساد عنصریہ
کے ساتھ حیات ہیں اور یہ حیات برزخی حیات دنیوی سے کم نہیں ہے اور تلاوت نماز و
دیگر عبادات میں مشغول ہیں۔ یہ حیات برزخی اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ
حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواح کفار
کو بھی حاصل ہے

امت کا یہ اجماعی عقیدہ اصول شریعت کتاب و سنت اور اجماع امت سے
ثابت ہے۔ چنانچہ ادلہ ذیل پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

عقیدہ حیات الانبیاء قرآن حکیم میں

قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر حیات الانبیاء کا ثبوت اشارۃً، دلالۃً اور اقتضاءً ملتا ہے۔ ان تمام آیات کا احصاء مشکل بھی ہے اور موجبِ طول بھی — اس لیے اختصار کی غرض سے چند آیتوں کے ذکر پر اکتفاء کیا جا رہا ہے:۔

(۱) واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن آلھۃ یعبدون۔ (پ۲۵ الزخرف)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

یستدل بہ علیٰ حیات الانبیاء۔[1]

(۲) ولقد اٰتینا موسی الکتٰب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔ (پ۲۱ السجدہ)

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب سو اس کے ملنے میں شک میں نہ رہنا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:۔

معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار[2]۔ اور ملاقات بغیر حیات ممکن نہیں لہٰذا اقتضاء النص سے حیات الانبیاء کا ثبوت ملتا ہے — یہاں اصولِ فقہ کا یہ مسئلہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ جو حکم اقتضاء النص سے ثابت ہوتا ہے وہ بحالت انفراد قوت و استدلال میں عبارۃ النص کے مثل ہوتا ہے۔

(۳) ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

(پ۲ البقرہ آیت ۱۵۴ ع ۱۹)

---

[1] مشکلات القرآن ص۲۳۴ وکذا فی الدر المنثور جلد ۶ ص۱۶ روح المعانی جلد ۲۵ ص۸۷ جمل جلد ۴ ص۸۵ شیخ زادہ جلد ۴ ص۲۹۸ خفاجی جلد ۷ ص۴۲۷ [2] موضح القرآن ص

(۴) بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ (پ آل عمران آیت ۱۶۹)

ان دونوں آیتوں کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا۔

واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشہداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشہداء[1]

جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو عقلی اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام تو شہداء سے بہرحال افضل ہیں۔

غور فرمایئے! حافظ الدنیا کس قدر قوت کے ساتھ آیت کریمہ سے دلالۃ النص یعنی درجہ بدولیت سے حیات الانبیاء کو ثابت فرما رہے ہیں۔

(۵) فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منسأتہ۔ (پ۲۲ سبا)

اس آیت سے بھی دلالۃ النص سے حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط اور سخت ترین عصائے سلیمانی کو کھا لیا تو جسم عنصری کا کھا لینا اس سے کہیں سہل تھا۔ اس کے باوجود جسم کا بچا رہنا بلکہ محفوظ رہنا حیات کی صریح دلیل ہے۔

حیات الانبیاء احادیث کی روشنی میں

(۱) حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔[2]

حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کرکے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۷۹ [2] شفاء السقام صفحہ ۱۳۴ حیات الانبیاء للبیہقی صفحہ ۳

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالکؓ آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔[۱]

امام ابو یعلیٰ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں :

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیہقی۔[۳]

چونکہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں علامہ منذریؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں :

رواہ ابو یعلیٰ برجال ثقات ورواہ البیہقی وصححہ۔[۴]

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۴۰، جذب القلوب ص ۱۸۰ [۲] تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۳۴ [۳] نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۳
[۴] وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۰۵

ابویعلیٰ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے۔[1]

آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ امام ابویعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔[2]

کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

حدیث کی صحت کے متعلق محدثین کرام کی آراء

امام سبکی فرماتے ہیں کہ: وھو اعتماد صحیح۔[3]

(امام ابوداؤد اور امام احمد نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے اور یہ اعتماد صحیح ہے)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ: رواتہ ثقات۔[4]

علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ: اسنادہ حسن۔[5]

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: صححہ النووی فی الاذکار۔[6]

---

[1] فضائل درود شریف ص۲۲ [2] ابوداؤد جلد ۱ ص۲۷۹ واللفظ لہ مسند احمد جلد ۲ ص۵۲۷ [3] شفاء السقام ص۳۸ [4] فتح الباری ج ۶ ص۳۷۹ [5] السراج المنیر جلد ۳ ص۲۵۹ [6] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۵۱۵

علی قال قالوا وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[1]

بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخۂ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخۂ ثانیہ ہوگا سو تم جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو کھا نہیں سکتی)

اب حدیث کی صحت اور محدثین عظام کے اقوال لیجئے

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ[2]

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:۔

ومن تامل فی ھذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقۃ رواتہ وشہرتھم وقبول الائمۃ احادیثھم[3]

اور یہی الفاظ اس موقع پر علامہ ابن عبدالہادیؒ کے ہیں۔[4]

علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:۔

صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء[5]

---

[1] ابوداؤد ج۱ ص۱۵۰ والنسائی ج۱ ص۲۰۴ والدارمی ص۱۹۱ والبیہقی ج۳ ص۲۴۸ مستدرک ج۱ ص۲۷۸ و ج۴ ص۵۶۰ مواردالظمآن ص۱۴۶ وابن ماجہ ص۷۷ و[illegible]

سنن کبریٰ ج۳ ص۲۴۹ والمصنف لابن ابی شیبۃ ج۲ ص۵۱۶ [2] فتح الباری ج۶ ص۳۷۹ [3] جلاء الافہام ص۴۲ [4] الصارم المنکی ص[illegible] [5] عمدۃ القاری

حافظ ابن القیمؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء[۱]

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں۔ انہ حسن[۲]

اور علامہ عبد الغنی النابلسیؒ لکھتے ہیں۔ انہ حسن صحیح[۳]

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح[۴]

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

فانہ صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عز وجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[۵]

اصولِ حدیث کے اعتبار سے یہ حدیث بھی بالکل صحیح ہے بلکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس حدیث کو صحیح علی شرط البخاری کہا ہے اور ایک دوسرے مقام پر دونوں نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے[۶]

(۴) حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں ارشاد فرمایا۔

فنبی اللہ حی یرزق[۷]

پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

حدیث شریف کی صحت محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں۔ اسنادہ جید[۸]

علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں۔ ورجالہ ثقات[۹]

---

[۱] کتاب الروح [۲] القول البدیع ص۱۶۱ [۳] ترجمان السنۃ جلد ۳ ص۲۹۷ [۴] مدارج النبوۃ ج۲ ص۴۴۰ [۵] فیض الباری ج۱ ص۱۸۳ [۶] مستدرک حاکم ج۱ ص۲۷۸ [۷] سنن ابن ماجہ ص۱۱۹ [۸] ترجمان السنۃ ج۳ ص۲۹۷ [۹] السراج المنیر جلد ۱ ص۲۹

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: صحیح[1]

امام سخاویؒ فرماتے ہیں:۔

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم والبیہقی والمنذری وابن حبان والحاکم

فی صحیحہا وقال صحیح الاسناد۔[2]

ائمہ حدیث کے ان بیانات سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے۔ بلکہ علامہ سمہودیؒ

اور علامہ ابن عبد الہادیؒ کے بیان کے مطابق امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے مختلف طرق سے

اسانید صحیحہ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔[3]

یہاں تک شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اس کے تواتر کا دعوی کیا ہے۔

وتواتر رسیدہ ایں معنی۔[4]

⑤ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

من صلی عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ من بعید اعلمتہ۔[5]

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے

مجھ پر دور سے درود پڑھا تو وہ مجھے بواسطہ فرشتوں کے بتایا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف کے سلسلہ میں بھی محدثین کرام کی آراء ملاحظہ ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ حدیث کی سند طریق ابو الشیخ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

بسند جید۔[6]

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں: وسندہ جید۔[7]

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: بسند جید۔[8]

---

[1] مستدرک حاکم ج ۱ [2] القول البدیع ص ۱۵ [3] وفاء الوفا ج ۲ [4] الصارم المنکی ص ۱۹۱ [5] قاری جزری ص ۱۵ [6] جلاء الافہام ابن القیم ص ۲۳ [7] فتح الباری ج ۶ [8] القول البدیع ص ۱۱۵ شرح شفاء ج ۲

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ بھی لکھتے ہیں اسنادہ جید۔[۱]

اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں۔[۲]

ان اکابر محدثین کے ذہن میں حافظ ابن حجرؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے ۔۔۔ ان دونوں لفظوں (جید اور صحیح) میں کوئی خاص فرق نہیں ہے چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں :۔

ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجید والصحیح۔[۳]

چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور ان احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثبوت موجود ہے۔ یہاں اختصار کی غرض سے چند احادیث صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے اور امت کے ہر طبقہ میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے، اس لیے امام سیوطیؒ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ہو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیاً لما قام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک۔[۴]

ایک دوسرے مقام پر تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ان من جملۃ ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم۔[۵]

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی تائید کی ہے۔[۶]

غرض اس باب میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام

---

[۱] دلیل الطالب ص۸۳۷ [۲] فتح الملہم ج۱ [۳] تدریب الراوی ص۲۸ [۴] انباء الاذکیاء ص۳ للحاوی للامام سیوطیؒ ج۲

[۵] نظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح ابو سنوی ص۳ [۶] المنحۃ الوھبیۃ ص۲

ان احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ سے علمائے امت نے جو کچھ کہا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ احادیث شریفہ کے صحیح مطالب کی تعیین کے ساتھ امت کا اجماعی نظریہ بھی واضح ہو جائے ـــــ جیسا کہ جواب کے آغاز میں عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں ـــــ اور اہل السنۃ والجماعت کلی طور پر چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ ۱۔ مفسرین۔ ۲۔ محدثین۔ ۳۔ متکلمین اور ۴۔ فقہاء۔ اس لیے آنے والے دلائل بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے ـــــ لیکن مفسرین کے اقوال تقریباً ہر آیت کے بعد تفسیر کے طور پر ذکر کر دیے گئے ہیں۔ اب مابقی تین طبقوں کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین عظام

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ فرماتے ہیں :۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیّا و الانبیاء احیاء فی قبورھم[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے کہ جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان کی گئی ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ زندگی دائمی اور مستمر ہے جس پر موت پھر طاری نہیں ہوتی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی ؒ فرماتے ہیں :۔

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۲۹

غیر الانبیاء علیہم السلام فانہم لا یموتون فی قبورہم بل ہم احیاء۔

ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں:۔

ان اللہ جل ثناءہ رد الانبیاء ارواحہم فہم احیاء عند ربہم کالشہداء۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے یہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ ارقام فرماتے ہیں:۔

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم وہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون۔

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے لحاظ سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا گیا ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں:۔

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم حیاۃ اکمل من حیاۃ الشہداء التی اخبر اللہ

لہ عمدۃ القاری جلد ۸ صفحہ ۱۰۸ لہ حیاۃ الانبیاء ص ۳ مرقاۃ المفاتیح جلد ۲ ص ۲۱۲ زرقانی جلد ۵ ص ۳۳۲ لہ شرح شفاء جلد ۲ ص ۱۴۲

بما فیہ کفایۃ لعزیزؒ[1]

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

وما ادلۃ حیاۃ الانبیاء فمقتضاھا حیاۃ الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء[2]

بہرکیف! حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات جہاں شہداء کی مخصوص حیات سے بڑھ کر ہے وہاں محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے وہ مستغنی ہیں — یہی بات شیخ الاسلام دہلویؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

ازیں احادیث معلوم شود کہ انبیاء زندہ اند در قبر بعد از وفات بحیات حسی واجساد ایشاں نیز ثابت باشند و پوسیدہ نگردند۔ وآں حیات چو حیات دنیا باشد، باوجود استغناء از غذاء[3]

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

وقول مختار ومقرر جمہور ہم ہمیں است کہ انبیاء بعد از ذوق موت زندہ اند بحیات دنیوی۔[4]

اس عبارت میں جہاں حیات بعد الممات کو جمہور کا قول بتلایا گیا ہے وہیں حیات کی

۱؎ وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ ۲؎ ایضاً صفحہ ۴۰۷ ۳؎ تیسیر القاری جلد ۲ صفحہ ۱۳۷ ۴؎ ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۲۱

کیفیت بھی متعین کر دی گئی ہے کہ وہ حیات، دنیوی حیات کی طرح ہے یعنی جس طرح دنیوی حیات میں ان کو ادراک علم و شعور حاصل ہے اسی طرح اس حیات برزخی میں بھی یہ چیزیں حاصل ہیں۔ انہیں امور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ تاج الدین السبکیؒ حضرت انسؓ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لا بد اما ان یکون عالما او جاھلا ولا یجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاھلا [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو یا جاہل، اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لامحالہ آپ عالم ہوں گے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام [2]

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں حس و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔

غور کیجئے حس اور علم سے موصوف ہونا حیات کے لیے کس قدر واضح دلیل ہے۔

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۳ صہ ۲۸۱ [2] ایضاً صہ ۲۸۲

علامہ ابوالوفا علی بن محمد بن عقیل الحنبلیؒ کا ارشاد ہے۔

وهو حيٌّ في قبره يصلي۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بدرالدین بعلی الحنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاوے کا اختصار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون۔[2]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں بلکہ وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں اس لیے پابندی لازم نہیں۔ وقد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو اشارۃً ذکر کر دیا گیا ہے کیونکہ قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔

علامہ عزیزیؒ حدیث ما من احد يسلم علي الا رد الله علي روحي کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الا رد الله علي روحي اي رد علي نطقي لانه حي دائماً وروحه لا تفارقه لان الانبياء احياء في قبورهم۔[3]

اور روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دائمی طور پر زندہ ہیں آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوتی کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] الروضۃ البہیۃ ص ۱۵ [2] مختصر الفتاوی المصریہ جلد ص ۱۰۲ [3] عزیزی جلد ۲ ص ۲۸۸، شرح متین ص ۲۹۲

[3] السراج المنیر جلد ۲ ص ۲۹۸

فالجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[1]

پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ حدیث شریف سے مسئلہ حیات الانبیاء کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وفیہ دلیل علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی حیاۃ مستمرۃ۔[2]

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر علیہ السلام دائمی طور پر زندہ ہیں۔

مندرجہ بالا عبارات میں آپ نے دیکھ لیا کہ جمہور محدثین بیک زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات حسی جسمانی دائمی کے قائل ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمہور متکلمین کی آراء کی روشنی میں

علامہ تاج الدین سبکیؒ متکلمین اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم۔[3]

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیریؒ اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وعندھم محمد صلوات اللہ علیہ حی فی قبرہ۔[4]

اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

ان عبارات میں صاف تصریح ہے کہ اہل سنت والجماعت کے امام ابو الحسن الاشعریؒ کے نزدیک مسلم عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں ــــ یہاں یہ اصل بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جب علم کلام میں لفظ اشاعرہ بولا جائے تو کلام کے معنی کتب فکر اشعری اور ماتریدی مراد ہوتے ہیں۔ مطلب صاف ہے کہ اہلسنت والجماعت کے دونوں طبقے اشعریہ

---

[1] مرقات جلد ۲ ص ۲۱۰ [2] نسیم الریاض جلد ۳ ص ۴۱۹ [3] طبقات جلد ۳ ص ۳۸۳ [4] الرسائل القشیریہ ص ۱

اور ماتریدی کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں ـــ چنانچہ امام ابو منصور طاہر الشافعی البغدادی لکھتے ہیں:-

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ۔[1]

ہمارے اصحاب کے متکلمین محققین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

اصحاب سے متکلمین کی جماعت مراد ہو یا اشاعرہ کی، بہرصورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر میں زندہ ہیں۔

فقہائے اسلام اور مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی لکھتے ہیں:-

ومما ہو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ حجب عن الابصار القاصرین عن شریف المقامات۔[2]

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں۔ مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا یہ مسلک بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق وعبادات سے متمتع ہیں۔ لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں۔ بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہان کا ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ [2] نور الایضاح صفحہ ۱۴۶ ، رسائل ابن عابدین جلد ۲ صفحہ ۲۰۳

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں :-

ان الانبیاء احیاء فی قبورہم کما ورد فی الحدیث۔[1]

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ جو متاخرین حنفیہ میں محقق الکل ہیں کس طرح صراحت کے ساتھ حدیث شریف سے استدلال کر کے حیات الانبیاء کا نظریہ پیش کر رہے ہیں۔

علمائے دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں ——— علماء دیوبند جو خالص اہل سنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہلسنت کے سب سے بڑے ترجمان۔ اس لیے قدرتی طور پر اس بات پر کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے ——— ذیل میں علمائے دیوبند کے ایسے حوالے نقل کیے جا رہے ہیں جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے تمام علمائے دیوبند متفقہ طور پر حیات الانبیاء کے قائل ہیں۔ دلائل کے ذکر کرنے میں یہاں بھی وہی ترتیب قائم رہے گی جو پہلے تھی یعنی سب سے پہلے محدثین پھر متکلمین اور اس کے بعد فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں گے۔

ملاحظہ ہو

محدثین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ محشی بخاری فرماتے ہیں :-

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یتعقبہا موت بل یستمر

[1] رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص

حتٰی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم [۱]

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات نبی ہے کہ
اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دائمی حیات آپ کو حاصل ہے اور
باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری لکھتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء احیاء فی قبورھم [۲]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام
علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا
مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کو جسم اطہر سے تعلق ہے اور اسی کی بدولت
حیات حاصل ہے

حضرت علامہ عثمانی فرماتے ہیں۔

فدلت النصوص الصحیحۃ علی حیاۃ الانبیاء [۳]

نصوص صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں
ایک دوسرے مقام پر بھی علامہ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ [۴]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پر ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں
اذان اور اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہاں یہ بات
بھی ثابت کی گئی ہے کہ آپ اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں اور اذان و اقامت سے نماز

---

۱ حاشیہ بخاری جلد ۱ ص [illegible] ۲ بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد ۱ ص [illegible] ۳ فتح الملہم جلد ۱ ص [illegible] ۴ ایضاً جلد ۱ ص [illegible]

آگے فرماتے ہیں:۔

اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دو نامل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے

حضرت اقدس قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی حدیث شریف ونبی اللہ حی یرزق سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللہ حی یرزق

مولانا تھانوی فرماتے ہیں:۔

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی حدیث ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہ ہی صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں بلکہ

متکلمین دیوبند اور عقیدہ حیات الانبیاء

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری متفقہ طور پر علمائے دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں:۔

عندنا وعند مشائخنا حیاۃ حضرۃ الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم دنیویۃ

لہ معارف الحدیث ص ... لہ ہدایۃ الشیعہ ص ... لہ نشر الطیب ص ... لہ معارف الحدیث ص ...

من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي في رسالته انباه الاذكياء بحيوة الانبياء حيث قال: قال الشيخ تقي الدين السبكي حيوة الانبياء والشهداء في القبر كحيوتهم في الدنيا ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فان الصلوة تستدعي جسدا حيا الى آخر ما قال فثبت بهذا ان حيوته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ

ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کر برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

یہ عبارت رسالہ المہند علی المفند سے ماخوذ ہے۔ یہ رسالہ علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً کے ان چھبیس[1] اعتقادی سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جو اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں۔ جسے سرخیل علماء محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے مرتب کیا۔

[1] المہند علی المفند ص۱۲، ص۱۳

اور جب یہاں کی جماعت دیوبند کے تمام بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم قابل ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھوا کر علمائے حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں، وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے ——— اس طرح یہ رسالہ بعد یہ جواب علمائے دیوبند کا اجماعی مذہب ہے۔ اس اجماعی اور مرکزی جواب کے بعد مزید کچھ لکھنے کی مطلقاً ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم مزید چند حوالے اطمینان خاطر کے لیے درج ہیں۔

حضرت امام مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں:۔

حضرات انبیاء زندہ ہیں ان کی موت ان کی حیات کے لیے ساتر ہے رافع حیات اور دافع حیات نہیں ہے[1]

واضح رہے کہ حضرت نانوتوی نفس موت کو اعتقاداً لازم اور ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:۔

میں انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں، بحسب ہدایت کل نفس ذائقۃ الموت اور انک میت وانھم میتون۔ تمام انبیاء کرام کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے اور اس ظاہری موت کی وجہ سے حضرات انبیاء کرام کا قبروں میں مستور ہو جانا بمنزلہ چلہ کشی یا پردہ نشینی یا گوشہ نشینی سمجھا جائے گا —— لیکن انبیاء کرام کی زندگی زیر پردہ موت ظاہر جیسے کی تقریر سے مستور ہے —— بشکل امت کے ان کی موت میں زوال نہیں ہے[2]

---

[1] آب حیات ص ۲۷، [2] بحوالہ سیرت المصطفیٰ ۳ ص [illegible]

اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا حسب سابق صحیح و سالم رہنا اور تغیر اور مٹی سے بالکل محفوظ رہنا۔

(۲) اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی ازواج مطہرات کے نکاح کا حرام ہونا۔

(۳) اور ان کے اموال میں میراث کا جاری نہ ہونا۔

امور ثلاثہ میں سے ہر ایک امر حیات انبیاء کرام پر شاہد عدل ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ روح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق منقطع نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام کا اپنے بدن سے اسی قسم کا تعلق ہے جس قسم کا پہلے تھا۔ [1]

شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنیؒ حیات کی نوعیت متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سے وجوہ سے اس سے قوی تر۔ [2]

حضرت مدنیؒ کی مراد انبیاء کی حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیائے کرام کا نظریہ ہے بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے ایک مقام پر صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھتے ہیں۔ [3]

فقہائے دیوبند اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ و نبی اللہ حی یرزق۔ [4]

۱؎ آب حیات ص [illegible] ۲؎ مکتوبات شیخ الاسلام ج۱ ص [illegible] ۳؎ لطائف قاسمیہ ص [illegible] ۴؎ ہدایۃ الشیعہ ص [illegible]

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں :-

پس آپ کو زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے [1]

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب لکھتے ہیں :-

اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے [2]

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب پاکستان ہی کے ایک استفتاء میں فرماتے ہیں :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں [3]

حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اصحاب ظواہر

اس سے قبل جتنے حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے کوئی حنبلی تھا، کوئی مالکی اور کوئی شافعی تھا اور کوئی حنفی ـــ بجز قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خان کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتمام حجت کے لیے ہم اس مقام پر اصحاب ظواہر حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کردیں تاکہ حیات انبیاء کرام کی حقیقت بلا تامل روشن ہو جائے اور اجماع امت کا دعوٰے بھی صاف ہو جائے۔

قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں :-

وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ وانہ یسر بطاعات امتہ وان الانبیاء لا یبلون مع ان مطلق الادراک کالعلم والسماع ثابت لسائر الموتی الی ان قال وقد ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیوۃ فیھم متعلقۃ

---

[1] نشر الطیب صفحہ ۱۷۵ [2] فتاویٰ دارالعلوم مکمل مدلل جلد ۵ صفحہ ۱۵۲ [3] فتاویٰ دارالعلوم غیر مطبوعہ

بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث ان الانبياء احياء في قبورهم رواه المنذري وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال مررت بموسى ليلة اسري بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي۔[1]

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ مطلق اور اک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے ثابت ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہوگی۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ امام منذری نے اس کو روایت کیا اور امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:-

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حي في قبرہ بعد موتہ کما في حدیث الانبیاء

---

[1] نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۳

بحیاتہ فی قبورہم[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیساکہ حدیث میں آیا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

استاد ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ ویؤید ذلک ما ثبت ان الشہداء احیاء یرزقون فی قبورھم والنبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم[2]

ہمارے اصحاب میں متکلمین محققین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ اپنا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیاۃ الشہداء المنصوص علیہا فی التنزیل اذ ھو افضل منہم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ[3]

جس چیز کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پہ عند القبر سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے ہیں۔

۱۔ نیل الاوطار جلد ۳ ص ... ۲۔ ایضاً ۳۔ اتحاف النبلاء ص ...

اس عبارت سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ علمائے نجد کا بھی یہی نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ وارفع ہے۔ علمائے نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنے عقیدہ کے اختیار کرنے میں اپنے بزرگوں کے اعتقاد پر کلی اعتماد کرتے ہیں۔

اما الکلام علی حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعتقادنا فی ذلک اعتقاد سلف الامۃ واعتقادھم الاصوب۔[1]

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس مسئلہ میں ہمارے مقتداء ہیں۔

متاخرین اصحاب ظواہر حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔

اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔[2]

اور مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم۔[3]

حضرات انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ذکر دادا صحاب ظواہر بھی جملہ اہل الرائے حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام بیہقی وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و تفسیر

---

[1] الھدیۃ السنیۃ فی اجوبۃ النجدیۃ جلد ۱ ص ۴۱ [2] فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۳۵ [3] عون المعبود جلد ۱ ص ۴۰۵

میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض و اعراض نہیں کیا جا سکتا۔

اجماعِ امت اور حیات الانبیاء

"علمائے امت اور حیات الانبیاء" کے عنوان کے تحت آپ نے تفصیل سے دیکھ لیا کہ اجماع پر خاصی روشنی پڑ چکی ہے۔ بلکہ سر سے سے اجماع کا ثبوت ہو چکا ہے۔ تاہم مزید اطمینانِ قلب کی خاطر اجماع سے متعلق چند صریح حوالے نقل کیے جا رہے ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاویؒ لکھتے ہیں کہ:

نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حي يرزق في قبرہ وان جسدہ الشریف لا تاکلہ الارض والاجماع علی ھذا[1]

ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع منعقد ہے۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسدِ اطہر کا محفوظ رہنا اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض قرآن و حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہوتا تب بھی امت مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں ایک قطعی دلیل ہے علامہ محمد عابد سندھیؒ لکھتے ہیں:

اما ھو حیاتھم لا شک فیھا ولا خلاف لاحد من العلماء في ذلک لکون کل منھم صلی اللہ علیہ وسلم حیا ... علی الدوام[2]

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے

---

[1] القول البدیع ص ۱۶۲ [2] رسالہ مدینہ ص ۳

کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

کسی کا کوئی اختلاف نہ ہونا یہی اجماع سکوتی ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔

حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست [1]

شیخ محدث دہلویؒ ایک وسیع النظر عالم ہونے کے باوجود کس وضاحت سے اجماع کا دعوے کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

نواب قطب الدین خاں صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی اور دنیا کی سی ہے۔ [2]

نواب صاحب دنیاکی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے جیسے ادراک علم اور شعور وغیرہ میں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں۔

والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع۔ [3]

حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

بزرگان دیوبند کا اقرار اجماع بر حیات الانبیاء

مولانا ابوالحقیق عبد الہادی صاحبؒ نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

انہم اتفقوا علی حیوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۶۱۳ [2] مظاہر حق جلد ۱ صفحہ ۴۴۲ [3] المنحۃ الوہبیہ صفحہ ۲

متفق علیہا لا اختلاف لاحد فیہ[1]

محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ:-

تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے[2]

اصحاب ظواہر حضرات اور اجماعی حیات الانبیاء علیہم السلام

مشہور ظاہری عالم مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی لکھتے ہیں:-

اہلسنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے اور اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں وہ آگے فرماتے ہیں انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں صحیح احادیث میں انبیاء کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے[3]

قیاس صحیح اور حیات الانبیاء

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:-

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر

---

[1] بذل المجہود شرح ابو داؤد جلد ۱ صـ۲۱ [2] حیات نبوی [3] حیات النبی صـ۱۷

لکون الشہداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشہداء اھ۔[۱]

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام اور شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں اس لیے بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)۔

غور فرمائیے ــــ جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رو سے تو حضرات انبیاء کرامؑ کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالت النص سے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی لہٰذا نقل و عقل سے حضرات انبیاء کرامؑ کی حیات ثابت ہے۔

سوال ۱۲: جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سردار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں محض بے جان اور مردہ ہیں اور آپ کی دنیا کی سی زندگی کا انکار کرتے ہیں یہ کس فرقہ کا عقیدہ ہے۔ نام متعین فرمائیں۔

جواب: تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتوے دیا تھا ان کا ایک بڑا جرم یہ تھا کہ حجاج جب مدینہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضۂ اطہر کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو یہیں پر علماء نے اس پر کفر کا فتوے لگا دیا۔[۲]

۱؎ فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۴۹ ۲؎ مجموعہ رسائل کاثبات صفحہ [illegible]

اسی طرح فرقہ مستقشفہ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام کو بشمول جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ یہ عقیدہ درحقیقت اس بات کا انکار ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت ظاہری کے بعد حیات دائمی حاصل ہے ۔۔۔۔ اسی طرح فرقہ کرامیہ بعض معتزلہ اور رافضیہ کا بھی عقیدہ عدم حیات کا ہے۔

سوال ۲۸: حیات النبیؐ کا عقیدہ رکھنے والے کی نماز منکر حیات النبیؐ کے پیچھے کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب: بلا تاویل حیات النبیؐ کا منکر بدعتی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:۔

(ویکرہ امامۃ) مبتدع ای صاحب بدعۃ۔[۱]

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے۔[۲]

سوال ۲۹: عالم کرام کا سردار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت کے لیے نہ جانا اس عقیدہ کی بناء پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: پہلے سوال کے جواب میں آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور قبر اطہر کے قریب پڑھا جانے والا درود شریف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اس لیے اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اسی عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی تاکہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کر سکے مسلمانوں کا یہ عمل احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

---

[۱] الدر المختار جلد ۱ صفحہ ۔ [۲] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰

يشدون رحالهم لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم ويعدونها من

أعظم القربات[1]

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:۔

انها قريبة من الوجوب لمن له سعة.[2]

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں:۔

تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں جلیل قربتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن، ونیز مروی است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود من زار قبری وجبت له شفاعتی رواہ الدارقطنی والطبرانی والبزار وصححہ عبدالحق ونیز فرمود صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کمن زارنی فی حیاتی رواہ ابو سعید بن منصور والدارقطنی، ووارد شدہ اند در فضل زیارت احادیث و آثار بسیار کہ اکتفا کردہ شود از آنہا بریں مقدار طلبا للاختصار۔[3]

اجماعِ امت اور زیارتِ روضۂ اقدس

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زیارتِ نبوی جہاں احادیثِ کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے وہیں بغیر کسی اختلاف کے تعامل امت کے ساتھ اجماعِ امت سے بھی یہ ثابت ہے چنانچہ مخدوم ہاشم سندھیؒ فرماتے ہیں:۔

بدانکہ اجماع کردہ اند مسلماناں برآنکہ زیارت حضرت پیغمبر علیہ السلام از اعظم قربات و افضل طاعات و اکد سنن و مندوبات است۔[4]

ے مجموعہ مذکورہ بالا ے فیض الباری جلد ۲ ص ۴۳۳ ے شامی جلد ۲ ص ۶۲۷ ے حیات القلوب ص ۲۹۸ ے ایضاً

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:۔

اعلم ان زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم باجماع المسلمین من غیر عبرۃ بما ذکرہ بعض المخالفین من اعظم القربات وافضل الطاعات وانجح المساعی لنیل الدرجات قریبۃ من درجۃ الواجبات بل قیل انہا من الواجبات لمن لہ سعۃ وترکہا غفلۃ عظیمۃ وجفوۃ کبیرۃ وفیہ اشارۃ الی حدیث استدل بہ علی الزیارۃ وہو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید قال بعض المالکیۃ بان المشی الی المدینۃ افضل من الکعبۃ وبیت المقدس۔[۱]

اس عبارت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ زیارت نبوی اجماع امت سے ثابت ہے وہاں یہ بات بھی واضح ہے کہ بعض کے اختلاف سے اجماع متاثر نہیں ہوگا، نیز وجوب کی تحقیق کے ساتھ ترک زیارت کو عظیم غفلت اور بڑی زیادتی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ ۔۔۔ یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض مالکیہ کے نزدیک مدینہ جانا کعبہ اور بیت المقدس جانے سے بھی بہتر ہے ۔۔۔ ہمارے فقہائے احناف نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر فرض حج کے لیے گیا ہے تو پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے، اور اگر حج فرض نہیں ہے تو پھر اختیار ہے خواہ پہلے زیارت کرے اور بعد میں حج کرے یا پہلے حج کرے اور بعد میں زیارت کرے۔

قالوا: ان کان الحج فرضاً قدمہ علیہا والا تخیر۔[۲]

پھر مدینہ جانے میں یہ بھی بہتر ہے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرے۔

والاولیٰ فی الزیارۃ تجرید النیۃ لزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[۳]

اسی عمل ۔۔۔ مسلمانوں کا یہ عمل وحدت محمدیہ کا عظیم الشان مظاہرہ ہے جس پر عہد صحابہ سے لے کر

۱؎ بذل المجہود جلد ۳ ص [illegible] ۲؎ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص [illegible] ۳؎ ایضاً

آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اتفق مالک والشافعی وابو حنیفۃ واحمد علی ان زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من افضل المندوبات۔[1]

لہٰذا اس تقریب کی خیال پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے — روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے نہ جانا جہاں ان احادیث صحیحہ کا — جن میں سماع النبی عند القبر اور زیارت نبوی کی تصریح ہے — انکار ہے اور اجماع امت سے انحراف جس کی اہانت و دیانت کی دنیا میں قطعاً گنجائش نہیں ہے — اعاذنا اللہ منہ — وہیں حد محرومی اور حرماں نصیبی بھی ہے چنانچہ بذل المجہود کی عبارت گذر چکی ہے۔

علامہ سندھی فرماتے ہیں:-

وترک کردن زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتی قبیحہ۔[2]

اس لیے گنجائش کے باوجود زیارت کے لیے نہ جانا موجب وعید شدید ہے۔

سوال ۵: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام فی القبور قائلین حیات الانبیاء فی القبور کو دجال و کذاب و مشرک کہتے ہیں۔ آیا یہ منکرین حیات الانبیاء فی القبور دیوبندی کہلانے کے مستحق ہیں؟

جواب: منکرین حیات الانبیاء دیوبندی تو کجا بعض علماء نے تو ان کو اہلسنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند ایسے شخص کو اہل سنت والجماعت سے بھی خارج قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں — اس باب (حیات الانبیاء) میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔[3]

---

[1] حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد ا ص۱۲۹ [2] حیات القلوب ص۱۹۵ [3] فتاویٰ دار العلوم دیوبند غیر مطبوعہ

الکاتبین وعذاب القبر وکذا من ینکر الرویۃ لانہ کافر۔[1]

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمد بن عبدالواحد الحنفی السیواسی فرماتے ہیں:۔

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ھذہ الامور من الشارع صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذاب القبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی انکار عذاب قبر کو کفر لکھا ہے۔[3]

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبی ارشاد فرماتے ہیں:۔

فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رویۃ عذاب القبر ونعیمہ لحکمۃ الٰہیۃ ومن شک فی ذالک فھو ملحد۔[4]

---

[1] شرح فقہ اکبر جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ [2] فتح القدیر مصری جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ [3] فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ طبع مصری
[4] مختصر تذکرۃ القرطبی لعبدالوہاب الشعرانی صفحہ ۳۲ طبع مصری

اے بھائیو! تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مکلف مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب و راحت کو اوجھل رکھا ہے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ عبد الشکور سالمیؒ فرماتے ہیں:-

فلما عذاب القبر للمؤمنين حق وللكافرين واجبات والله تعالى يقول النار يعرضون عليها غدوا وعشيا يعني فرعون وقومه دل انه كان صحيحا في اي موضع وعلى اي حال ومن انكر هذا فيصير كافرا والله اعلم۔[1]

عذاب قبر مومنین کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو، جو اس کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ واللہ اعلم

مولانا عبد الحی بحر العلوم حنفیؒ لکھتے ہیں:-

منكر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين كافر۔[2]

ترجمہ: اہل کبائر کی شفاعت کا منکر، رویت باری تعالیٰ کا منکر، عذاب قبر کا منکر اور کرام کاتبین کا منکر سب کافر ہیں۔

کتبہ حضرات مفتیان کرام

مہر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ دیوبند ۱۰ شعبان [illegible]

---

[1] تمہید ص طبع مصر [2] رسائل بحر العلوم ص